جدید جاہلیت

(جاھلیۃ القرن العشرین)

محمد قطب

ترجمہ

ساجد الرحمٰن صدیقی

البدر پبلی کیشنز۔ ۲۳ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور۔۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

گزارشِ مترجم

دورِ جدید کے مفکرین اسلام میں محمد قطب کا نام اس لحاظ سے سرِفہرست ہے کہ انہوں نے اپنی تصانیف میں بڑی خوبی اور عقلی استدلال کے ساتھ اسلام کی ایسی تعبیر پیش کی ہے جو جدید ذہن کے لیے قابلِ قبول ہو سکے۔

محمد قطب اسلامی علوم پر گہری نگاہ اور نظر بصیرت کے ساتھ جدید علوم پر مضبوط گرفت اور ناقدانہ رائے رکھتے ہیں۔ انہوں نے تہذیبِ نو کا ہمہ جہتی مطالعہ کیا ہے اور مغربی تہذیب کے فکری کھوکھلے پن کی نشان دہی کی ہے اور اس مادہ پرست تہذیب کے بخیئے اُدھیڑ کر انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کی ساری چمک دمک دراصل جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے۔

انہوں نے بتایا ہے کہ انسان جن آفات و آلام میں گھرا ہوا ہے ان سے چھٹکارے کا واحد راستہ صرف یہی ہے کہ انسان اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لے۔ اس نظریہ کو پیش کرنے کے لیے انہوں نے مدلل و پُرشکوہ اندازِ بیان، سبک و رواں اسلوبِ نگارش اور مؤثر و دل نشین طرزِ تخاطب کو اپنایا ہے۔

یہاں محمد قطب کی چند اہم تصانیف کا تعارف دیا جاتا ہے تاکہ قارئین ان کی وقیع اور بے مثال کتب سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۱۔ الانسان بین المادیۃ والاسلام ۔ یہ کتاب مصنف کے مطالعۂ نفسیات کا نچوڑ ہے اور اس میں آپ نے دورِ جدید کے تمام مادی افکار پر نہ صرف یہ کہ بھرپور تنقید کی ہے بلکہ انسانیت کو درپیش مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کیا ہے اور اسلامی نفسیات کی اساس قائم کر دی ہے۔ اس کتاب کا راقم الحروف کا اردو ترجمہ "اسلام اور جدید مادی افکار" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ التطور والثبات فی النفس البشریۃ ۔ اس کتاب میں مصنف نے نظریۂ ارتقاء اور دیگر مادی افکار پر زبردست تنقید کی ہے اور ان افکار کے بالمقابل اسلامی نقطۂ نظر کو اجاگر کیا ہے۔ اردو

اس کتاب کا راقم الحروف کا ترجمہ "انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۳- منهج التربية الاسلامية - اس کتاب میں مصنف نے قرآن کریم کی روشنی میں یہ وضاحت کی ہے کہ اسلام نے نفسِ انسانی کا کیا منہاج متعین کیا ہے اور وہ "انسان صالح" کی تعمیر کے لیے کیا ذرائع اور وسائل اختیار کرتا ہے۔ یہ کتاب راقم الحروف کے زیرِ ترجمہ ہے اور عنقریب "اسلام کا نظام تربیت" کے نام سے شائع ہونے والی ہے۔

۴- جاهلية القرن العشرين - اس کتاب میں مصنف نے جاہلیت کی تاریخ اور جاہلیت اور اسلام کی کشمکش کو بالتفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جدید جاہلیت تاریخ کی تمام جاہلیتوں میں سب سے بدترین، سب سے خبیث اور سب سے عیار جاہلیت ہے اور اس جاہلیت نے انسانیت کو اس قدر مصائب و آلام اور آفات میں مبتلا کر دیا ہے کہ تاریخ میں کبھی انسانیت اس قدر ہولناک مصائب سے دوچار نہیں ہوئی تھی اور اب انسانیت کے لیے واحد راہِ نجات یہی ہے کہ انسانیت اسلام کی جانب لوٹ آئے اور انشاء اللہ مستقبل قریب میں انسانیت اللہ سبحانہ کی جانب رجوع کرنے والی ہے۔

زیرِ نظر ترجمہ اسی کتاب کا ہے، اس کا پہلا ایڈیشن نومبر ۱۹۸۰ء میں شائع ہو کر قبولِ عام حاصل کر چکا ہے۔ مگر اس پہلے ایڈیشن میں ترجمہ کی کئی خامیاں اور کتابت و طباعت کی متعدد غلطیاں رہ گئی تھیں اب میں نے جناب محترم عبدالحفیظ احمد صاحب کے فرمانے پر اس کتاب کی نظرثانی کر کے بڑی حد تک اصلاح و ترمیم کر دی ہے اور دراصل یہ اب بالکل نیا ترجمہ ہو گیا ہے، امید ہے کہ قارئین کرام اس ترجمے کو پسند فرمائیں گے اور مترجم کو اپنی دعواتِ صالحات میں یاد رکھیں گے۔

وما توفيقي الا بالله!

ساجد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

مقدمہ

زیرِ نظر کتاب کے اس نام پر کئی لوگوں کو تعجب بھی ہوگا اور اس پر برملا حیرت کا اظہار بھی کریں گے کہ کیا بیسویں صدی میں انسانیت نے تہذیب وتمدن کی جو معراج حاصل کی ہے اور سائنسی تحقیقات کے ذریعے جس طرح ساری کائنات کو مسخر کر لیا ہے۔ ایٹم کو پھاڑ ڈالا اور راکٹ ایجاد کر لیے ہیں کیا یہ سب جاہلیت ہے!

بلاشبہ آج انسان نے وہ بلندی اور عظمت حاصل کر لی ہے جو اس سے پہلے انسان کو کبھی حاصل نہ ہوئی تھی اور آج انسان جس طرح کائنات کو مسخر کر کے اس پر غلبہ اور بالادستی حاصل کر چکا ہے۔ اس کے بارے میں اس کرۂ ارضی پر بسنے والا کوئی شخص دس بیس سال پہلے تک بھی تصور تک نہ کر سکتا تھا۔ بتائیے ہم پھر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ انسان آج کی اس بیسویں صدی میں جاہلیت کی زندگی گزار رہا ہے۔ حالانکہ آج کے انسان کو مکمل آزادی حاصل ہے اور وہ مساوات، جمہوریت اور سماجی انصاف کے اصولوں کی روشنی میں زندگی گزار رہا ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اس تابناک دور کو جاہلیت کا نام دے دینا موزوں نہیں ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ جاہلیت اسلام سے پہلے کے عرب کے تاریخی دور کا نام ہے۔ اس خیال کے حامل سادہ لوح نیک لوگ بھی ہیں اور عام لوگ بھی۔ نیک اور سادہ لوح لوگ اس بات پر پورا الیقین رکھتے ہیں کہ بعثتِ نبوی ؐ سے پہلے کے عرب کی جو حالت اسلام نے بیان کی ہے وہ بالکل درست اور صحیح ہے اور وہ فی الواقع جاہلیت تھی، جبکہ عام لوگ ہر جانب سے غیر اسلامی افکار میں گھرے ہوتے ہیں اور عصبیتوں کا شکار ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

"جس نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔ [۱]

یہ عصبیتوں کا شکار لوگ جاہلیت کا بچاؤ اور اس کی مدافعت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن نے عرب معاشرہ میں جس جاہلیت کی نشاندہی کی ہے۔ وہ سرے سے جاہلیت ہی نہ تھی ــــ بلکہ اس وقت کا عرب معاشرہ ایسے کمالات، حقیقی اقدار، علوم اور تہذیب و تمدن کا حامل تھا جسے اس نے رومیوں اور ایرانیوں سے میل جول کے دوران حاصل کیا تھا اور یورپ کے مستشرقین بھی اپنی تصانیف میں اسی رائے کی تائید کرتے ہیں۔

بہرحال یہ آزاد خیال اپنے خاص نقطہ نظر کے تحت سرے سے یہ تصور ہی نہیں کر سکتے کہ آج اس بیسویں صدی میں جاہلیت کا دور دورہ ہے۔ بالخصوص جبکہ ان کی تحقیق کا معیار وہ ہو جو ہمارے سامنے آیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ جاہلیت کے حقیقی معنی اور قرآن کے متعین کردہ منشاء و مراد سے بے خبر ہیں۔

سادہ لوح لوگ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت، شرک، بت پرستی، انتقام اور ان بری عادتوں کا نام ہے۔ جو اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں موجود تھیں۔ گویا یہ مظاہر جاہلیت کو بعینہٖ جاہلیت سمجھ بیٹھے۔ اسی لئے وہ اس کی ایک خاص شکل ایک مخصوص زمانے اور جزیرہ نمائے عرب کے اس علاقے میں متعین کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جاہلیت ختم ہو گئی۔ اب کبھی بھی اور کہیں بھی جاہلیت رونما نہیں ہو سکتی۔

جبکہ دیگر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت علم و تمدن، مادی ترقیات، فکری، اجتماعی، سیاسی اور انسانی اقدار کے بالمقابل ہے۔ چنانچہ وہ اپنی ساری قوتیں یہ ثابت کرنے میں لگا دیتے ہیں کہ عرب جاہلیت زدہ نہیں تھے (انہی میلانات سے مجبور ہو کر جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے) کیوں کہ ان کے خیال میں عرب علم و فن سے اچھے خاصے واقف اور کافی حد تک تہذیب آشنا تھے وہ سخی اور بہادر تھے مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے تھے اور شرافت کے حصول میں جان تک کی بازی لگا دیتے تھے اسی قسم کی ان میں اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ اس لئے قرآن کا عربوں کے اس دور کو جاہلیت کا نام دینا کسی تاریخی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ بیسویں صدی میں جاہلیت کے دور دورہ کی باتیں کی جائیں جبکہ

---

[۱] جس نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کیلئے قتال کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر مر گیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم۔ نسائی۔ ابو داؤد)

اس صدی میں انسان مادی ترقیات کی ان بلندیوں تک پہنچ چکا ہے۔ جن ترقیات کا اس دور سے قبل تصور بھی مشکل تھا۔

ہماری نظر میں یہ دونوں ہی طبقے جاہلیت کے حقیقی معنی اور قرآن کی اصل منشا سے قطعی ناواقف ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جاہلیت معاشرے کی کسی مخصوص شکل اور تاریخ کے کسی خاص دور کا نام نہیں ہے بلکہ جاہلیت معاشرے کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ البتہ اس کے مظاہر معاشرے کی حالت اور زمانے کی رفتار کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ سب صورتوں میں قدر مشترک یہی ہوتی ہے کہ سب ہی جاہلیت کے نوع بہ نوع پیکر ہیں۔ اگرچہ ہر پیکر اپنی ظاہری شکل میں دوسرے سے مختلف ہے۔ اس لحاظ سے خواہ تذکرہ اسلام سے پہلے کی جاہلیت کا ہو یا دورِ جدید کی جاہلیت کا، یہ جاہلیت علم و فن، مادی ترقی اور انسان کی فکری اور سماجی اقدار کی ضد اور اس کے منافی نہیں ہے

بلکہ قرآن کریم کے منشا و مراد کے مطابق جاہلیت اس نفسیاتی کش مکش کا نام ہے۔ جس میں پھنس کر لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور وہ انتظامی ڈھانچہ ہے جو اللہ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتا۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ

(اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں، تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے۔ (سورۃ المائدہ)

قرآن کے بیان کردہ مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے۔ جاہلیت —— علم و فن، تہذیب و تمدن یا معاشی برتری کے متصادم اور متقابل نہیں ہے بلکہ جاہلیت دراصل اللہ کی ہدایت اور اللہ کے حکم کے بالمقابل ہے جہاں اللہ کی ہدایت کو ٹھکرایا اور اس کے حکم سے روگردانی کی۔ وہیں جاہلیت آموجود ہوئی۔

قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ عربوں کا زمانہ اس لئے دورِ جاہلیت تھا کہ وہ فلکیات، طبیعیات، کیمیا اور طب سے واقف نہیں تھے۔ یا انہیں سیاسی انتظام نہیں آتا تھا۔ یا وہ مادی پیداوار کرنے سے قاصر تھے۔ یا ان میں سرے سے کوئی خوبی ہی نہ تھی یا ان کے پاس مطلقاً کسی قسم کی اقدار ہی نہ تھیں۔

اگر قرآن کا یہی کچھ مطلب ہوتا تو وہ اسی قسم کا کوئی متبادل نظام انہیں دے دیتا۔ انہیں علم

جہالت کے بدلے میں علمی، فلکی، طبیعیاتی، کیمیائی اور طبی معلومات فراہم کر دیتا۔ سیاسی جہالت کے بدلے انہیں نئے سیاسی افکار عطا کر دیتا۔ اگر ان کے معاشرے میں مادی پیداوار کی کمی تھی تو وہ ان کو ایسے طریقے بتا دیتا۔ جن سے پیداوار میں اضافہ ہو سکتا اور پہلے کی نسبت بہتر پیداوار ہوتی اور اگر ان کے معاشرے میں اچھی عادتوں اور بہتر اقدار کی کمی تھی۔ تو وہ ان کو کچھ ایسی خوبیاں اور کچھ ایسی اقدار بخش دیتا۔ جو کسی ٹھوس اخلاقی نظام میں پیوستہ ہونے کے بجائے۔ معاشرے میں یونہی بے ربط سی بکھر گئی ہوتیں

لیکن قرآن نے نہ تو عرب معاشرے میں اس طرح کی کسی کمی کی نشاندہی کی اور نہ اس کمی کو دور کرنے کے لیے کوئی متبادل نظام دیا۔ ؎

قرآن نے تو انہیں جاہلیت سے اس بنا پر متصف قرار دیا کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے اپنی خواہشات کے بندے بن گئے تھے ــــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلیت کے بدلے اسلام عطا کیا۔ اور

انسانیت کو پرکھنے کے لیے اسلام کو کسوٹی بنا دیا اور بتا دیا کہ جو کچھ اسلام کے خلاف ہے وہ جاہلیت ہے۔ خواہ جاہلیت عرب ہو یا تاریخ کی کوئی اور جاہلیت . . .

قرآن نے جا بجا گزشتہ اقوام اور ان کی تہذیب و تمدن کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ اقوام عربوں سے کہیں زیادہ متمدن تھیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ اقوام جاہلیت کی زندگی گزار رہی تھیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کی تعمیر اللہ کی ہدایت کے مطابق نہیں کی تھی۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ	کیا انہوں نے زمین میں سیاحت کر کے گزشتہ
فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ	اقوام کے انجام کو نہیں دیکھا۔ وہ تو ان سے
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ	زیادہ طاقت ور تھے اور انہوں نے زمینیں

؎ ہر چند کہ اسلامی انقلاب کے بعد یہ سب تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ لیکن یہ وہ تبدیلی نہ تھی جس کے لیے اللہ نے لوگوں سے مطالبہ کیا ہو کہ وہ جاہلیت کو چھوڑ کر اس نئی تبدیلی کو اپنا لیں۔

مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَا اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاءُوا السُّوْاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ؕ

(سورہ روم ۹-۱۰)

خوب جوتیں اور جس قدر انہوں نے زمین کو آباد کیا ہے اس سے کہیں زیادہ انہوں نے آباد کیا تھا اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ پھر اللہ تو ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔ آخر کار جن لوگوں نے برائیاں کی تھیں، ان کا انجام بہت برا ہوا' اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

غور فرمایئے۔ قرآن جاہلی عربوں کی توجہ گذشتہ جاہلی اقوام کی طرف مبذول کرا رہا ہے، تاکہ وہ ان کے انجام پر غور کریں اور اس سے ڈریں اور اللہ کی آیات کو نہ جھٹلائیں بلکہ ان پر ایمان لائیں اور ہدایت حاصل کریں۔ اگرچہ یہاں پر قرآن نے جاہلیت کا لفظ صاف طور پر استعمال نہیں کیا ہے لیکن پھر بھی معنی وہ ہی ہیں۔ قرآن جاہلی عربوں سے کہتا ہے کہ یہ اقوام بھی جاہلیت میں تمہاری ہم پلہ تھیں۔ باوجودیکہ وہ زیادہ طاقت ور تھیں۔ انہوں نے تم سے زیادہ زمین کو آباد کیا تھا۔ ان کے پاس تہذیب و تمدن بھی تھا۔ لہٰذا تمہارے لئے خیر اسی میں ہے کہ تم اس جاہلیت سے باہر آ جاؤ۔ جس جاہلیت میں تم اور وہ بگڑی ہوئی قدیم قومیں برابر کی شریک ہیں۔ اب تم اللہ کی ہدایت قبول کر لو اور مسلمان ہو جاؤ۔

غرض قرآن کی نظر میں جاہلیت اس نفسیاتی کش مکش کا نام ہے جس میں مبتلا رہ کر لوگ اللہ کی ہدایت قبول نہیں کرتے۔ اور وہ انتظامی ڈھانچہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتا۔ اللہ کی ہدایت کو قبول نہ کرنا اور اس کے نازل کردہ احکام ٹھکرا دینا۔ انسانی معاشرے کا ایسا بگاڑ ہے جس کے نتائج اتنے بھیانک ہوتے ہیں کہ ساری انسانی زندگی ایک اذیت ناک کرب اور بے چینی کا شکار ہو جاتی ہے اور بیمار انسانیت کی بدبختی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔

مذکورہ بالا قرآنی مفہوم کے پیشِ نظر یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ جاہلیت نہ تو اسلام سے پہلے کے عرب معاشرے کا نام ہے اور نہ ہی جاہلیت تاریخ کے کسی مخصوص دَور کو کہا جاتا ہے، بلکہ یہ ایک ایسی حالت کا نام ہے جو اللہ کی ہدایت سے بے نیازی برتنے، اپنی خواہشاتِ نفس کے اتباع کرنے اور اللہ کے نازل کردہ احکام سے رُوگردانی کرنے کے نتیجے میں کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت رونما ہو سکتی ہے خواہ انسانیت مادی ترقی، تہذیب و تمدن کے عروج اور فکری اور سیاسی ارتقاء کے لحاظ سے کتنی ہی بلند معراج تک پہنچ چکی ہو۔ گویا دوسرے الفاظ میں جاہلیت ہوائے نفس کی اتباع ہی کا دوسرا نام ہے۔

لہٰذا جو لوگ ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے روگرداں ہیں، وہ جاہلیت میں مبتلا قرار پاتے ہیں، کیونکہ وہ ہدایت الٰہی سے اعراض کئے ہُوئے ہیں، خواہ وہ اپنے مبلغِ علم کے لحاظ سے، اپنے تمدن کے لحاظ سے، اپنی مادی ترقی کے لحاظ سے، اپنی سیاسی اور اقتصادی تنظیم کے لحاظ سے کتنے ہی بلند مرتبہ نظر آتے ہوں، اور وہ اپنی اس جاہلیت کے سبب ان نتائج سے ضرور دوچار ہو کر رہیں گے جو جاہلیت کے لازمی نتائج ہیں، یعنی اضطراب و کرب اور حرمان و خسران۔

غرض وہ صرف عرب ہی نہ تھے جو اسلام سے پیشتر جاہلیت میں زندگی گذار رہے تھے بلکہ ان کی طرح ہر وہ قوم جاہلیت کا شکار قرار پائے گی جس نے ہدایت الٰہی سے انحراف کیا اور ہوائے نفس کی پیروی کی۔

جو سادہ لوح لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جاہلیت صرف وہ ہی ہے جو اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کا ایک دَور تھا ہم چاہتے ہیں کہ ان کو جاہلیت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرا دیں، تاکہ ان کو یہ بھی اندازہ ہو جائے کہ وہ اس بیسویں صدی میں کس قسم کی زندگی گذار رہے ہیں؟!

آزاد خیال طبقے سے ہم کہیں گے کہ وہ کسی قسم کے تعصب کا شکار ہو کر اسلام سے پہلے کے عربوں کی مدافعت نہ کریں۔ اس مدافعت کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہا ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں ثابت کر سکتے کہ جاہل عرب علمی ترقیات، سیاسی اور اجتماعی نظام اور فکری اقدار میں موجودہ بیسویں صدی سے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ جبکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بیسویں صدی کی جاہلیت چودہ صدی پیشتر عربوں کی جاہلیت سے زیادہ بھیانک ہے بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ بیسویں صدی کی جاہلیت

تر اس جاہلیت سے زیادہ بھیانک ہے جس کا کوئی تاریخی وجود رہا ہو۔!!

عربی جاہلیت تو ایک سیدھی سادھی جاہلیت تھی۔ سیدھے سادے محسوس مگر کھوکھلے بتوں کی پوجا کر لی اور بس! کچھ عجیب سے تصورات تھے۔ بیشک یہ تصورات راہ راست سے ہٹے ہوئے تھے۔ لیکن راہ راست سے انحراف میں بھی یک گونہ سادگی تھی گہرائی نہ تھی۔ دیگر قبائل پر قریش کی گرفت سخت تھی۔ قریش اپنی مصلحتوں اور اپنی سرداری کے بچاؤ کے لیئے مکر و فریب سے کام لیتے اور اپنی ان مصلحتوں اور سیادت کی خاطر حق و انصاف کا راستہ روک کر کھڑے ہوجاتے تھے۔ اگرچہ یہ ساری خرابیاں ہر جاہلیت میں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن عربوں میں یہ خرابیاں ظاہری تھیں اور کھلم کھلا تھیں ان میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں تھی۔ وجہ یہ تھی کہ جاہلیت کا فساد ان کے صرف خارجی مظاہر پر اثر انداز ہوا تھا اور ابھی تک اس فساد نے ان کی فطرت کو مسخ نہیں کیا تھا۔ جونہی حق و صداقت نے اس ظاہری لگے ہوئے چھلکے کو اتار پھینکا۔ فوراً انکی سادہ فطرت حق کے سامنے سرنگوں ہوگئی اور ساری تاریکیاں چھٹ گئیں۔

اس کے برخلاف جاہلیت جدیدہ زیادہ دلدل والی، زیادہ خبیث اور زیادہ سخت گیر ہے۔ کیونکہ یہ علمی جاہلیت ہے! یہ بحث و نظریات کی جاہلیت ہے! یہ جمے ہوئے گہرے انتظام کی جاہلیت ہے! یہ آنکھوں کو خیرہ کرنے والی مادی ترقیات کی جاہلیت ہے! یہ جاہلیت ہے۔ اس دھوکہ اور فریب کی۔ جس کو انسان کی ہلاکت کے لیئے باقاعدہ علمی بنیادوں پر مرتب کیا گیا ہے! اور یہ ایسی جاہلیت ہے جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس کتاب کا مقصد بیسویں صدی کی اسی ظاہری شان و شوکت کا پردہ چاک کرنا ہے۔ اور دکھلانا ہے کہ اس پردۂ زنگاری کے نیچے گندگی اور غلاظت کے کس قدر متعفن کیڑے کلبلا رہے ہیں۔

ہم اس کتاب میں جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کے چھوڑے ہوئے آثار کی نشاندہی کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ جاہلیت انسانی تصورات پر کس کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اور ماضی میں جاہلیت نے انسانی زندگی پر کیا اثرات چھوڑے ہیں اور مستقبل میں یہ کن نتائج کا پیش خیمہ بننے والی ہے؟ ہم نے اس کتاب میں موجودہ دور کے سارے مشاہدات

بیان کر کے، جاہلیت کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس مطالعہ کا مقصد یہ ہے کہ صحیح تصورات اور صحیح راستے کی نشاندہی کی جائے اور اس جاہلیت کا پردہ چاک کیا جائے۔ جس نے ترقی اور تہذیب کے نام پر لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ تاکہ لوگوں کو وہ مہیب غار نظر آجائے۔ جس میں وہ گرنے والے ہیں، حالانکہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ صحیح راستے پر چل رہے ہیں!!

ہمارا مقصد یہ بھی ہے کہ ہم انسانیت کو ایک خوش گوار مستقبل کی بشارت دے دیں۔ جس مستقبل پر ہمارا ایمان ہے ـــــ جس وقت لوگ تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں آجائیں گے!

مجھے معلوم ہے کہ یہ کام نہ ایک کتاب کر سکتی ہے اور نہ ایک ہزار کتابیں! البتہ مجھے دو باتوں کا یقین ضرور ہے۔ پہلی بات یہ کہ کلمات رائیگاں نہیں جائیں گے۔ اگرچہ کچھ دنوں کانوں کو ناگوار معلوم ہوتے رہیں گے۔ دوسری بات جس پر مجھے یقین ہے، یہ ہے کہ درحقیقت تاریکی سے نکل کر روشنی کی طرف آنے کا زمانہ آچکا۔ تاریکیوں میں روشنی کی ایک کرن پھوٹتے ہوئے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور اسی کرن کی روشنی میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں۔

بیشک اللہ جسے چاہے توفیق دے!!

تمہید

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ جاہلیت تاریخ کی گرد و غبار میں چھپا ہوا کوئی دور نہیں ہے، نہ ہی جاہلیت علم و فن اور تہذیب و تمدن کے بالمقابل ہے۔ بلکہ درحقیقت جاہلیت اللہ کی ہدایت سے بھٹک جانے اور اس کے حکم کو ٹھکرا دینے کا نام ہے اور یہ کہ جس مرحلہ پر بھی اللہ کی ہدایت سے روگردانی کی جائے گی، اسے جاہلیت ہی کہا جائے گا۔

جاہلیت کے یہ معنی سمجھ لینے کے بعد ہمارے ذہن اس بات پر کسی قدر تیار ہو سکتے ہیں کہ بیسویں صدی کی جاہلیت کے بارے میں گفتگو کی جائے۔

ہم نے "کسی قدر تیار ہو سکتے ہیں" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ جنہیں جاہلیت جدیدہ کا سیلاب تنکوں کی طرح بہا لے گیا ہے۔ شاید اُچک کر طنزیہ انداز میں کہیں گے

"اگر ہماری یہ ترقی یافتہ زندگی جاہلیت ہے تو ہم اس جاہلیت پر بڑے خوش ہیں ہم تو اسے دل و جان سے چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ اپنی اس ترقی یافتہ جاہلیت کو چھوڑ کر تمہاری اس اللہ کی ہدایت کو اپنا لیں جس میں قصے کہانیاں ہیں، جس میں پس ماندگی اور انحطاط ہے۔ بلکہ ہم نے اس اللہ کی ہدایت کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے تاکہ ہم تہذیب و تمدن حاصل کریں اور تاریکیوں کے بجائے روشنی میں آ جائیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ جاہلیت ہمیں اس اللہ کی ہدایت سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى ... انہوں نے ہدایت چھوڑ کر بے راہ روی کو

الھدیٰ اختیار کیا۔ (سورہ فصلت ۱۷)

اور اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ

ایسی ہی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے ان سب (اگلے پچھلے گمراہوں) کی ذہنیتیں ایک جیسی ہیں۔ (سورۂ بقرہ ۱۱۸)

جاہلیت کی زندگی گزارنے والے تمام انسانوں کا تعلق ایک ہی گروہ سے ہے اور ان کی سوچ اور فکر کا انداز ہر دور میں یکساں اور ملتا جلتا رہتا ہے خواہ وہ تاریخ کے کسی بھی جاہلیت میں زندگی گزار رہے ہوں۔

اس بیان اور توضیح کے بعد ہمارے فکر و نظر اس بات پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ بیسویں صدی کی جاہلیت جدیدہ کے موضوع پر گفتگو کی جائے اور یہ کہ اب اس موضوع پر اب اس قدر اجنبیت باقی نہیں رہی جتنی کہ پہلے پہل محسوس ہوتی تھی۔ مگر بہرحال دور جدید کی جاہلیت کو بیان کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ مزید وضاحت کی ضرورت ہے بلکہ متعدد تصانیف ناگزیر ہیں۔

جاہلیت کی ساری پیچیدگی یہ ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ مجمع محاسن ہے اور اللہ کی ہدایت سراسر نقصان اور گھاٹے کا سودا ہے۔

جاہلیت کو یہ کبھی پتہ نہیں چلتا کہ اس کے اپنے نظام میں کیا خرابیاں ہیں؟ کس قسم کا بگاڑ ہے؟ کون سی بدبختی ہے؟ اور کس قسم کی بے چینی ہے؟ یہ اندازہ اس کو جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ اللہ کی ہدایت کو قبول کرلے اور تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجائے اور جب اس کا سارا نظام اللہ کی فکری بنیادوں پر قائم ہو جائے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس کتاب میں یہ بتائیں کہ لوگ اللہ کی ہدایت سے دور ہو کر کس گمراہی اور بگاڑ کس بدبختی اور بے چینی میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔

جاہلیت کے اس بگاڑ کو سمجھنا لوگوں کے لیئے آسان نہیں ہے۔ کیونکہ جاہلیت لوگوں کے فکر و نظر پر اپنے اثرات اتنے گہرے مرتسم کردیتی ہے کہ خیالات کو پالا مار جاتا ہے اور معاشرے کی ہر روش

مرجھا کے رہ جاتی ہے۔ اسی لیے یہ لوگ کبھی کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی مخالفت نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے تصورات اور طریقہ کار اللہ کے حکم کے مطابق ہیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ جو کچھ بگاڑ ہے وہ یقینی ہے اور اس کو کسی صورت ختم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس میں کوئی رد و بدل ہو سکتا ہے۔ غرض جاہلیت میں زندگی گزارنے والے لوگ اپنے معاملات کی ہر زاویے سے تشریح کرتے ہیں اور اپنے مسائل کی ہر ایک تعبیر اختیار کرتے ہیں، سوائے اس تشریح اور تعبیر کے جس میں اللہ کا نام آتا ہو۔ چنانچہ کبھی کہتے ہیں کہ نظام زندگی میں یہ جزوی خرابی پیدا ہو گئی ہے اور اب اس کی اصلاح کی ضرورت ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ فلاں نظام میں سقم پیدا ہو گیا ہے اسے درست کرنا چاہیے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ سارے کے سارے نظام زندگی کو اللہ کی ہدایت کی روشنی میں پرکھا جائے اور دیکھا جائے کہ ہمارا نظام حیات اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کا نام تو جاہلیت کی فہرست میں کہیں درج ہی نہیں ہے۔ مسائل و معاملات کی شرح و تعبیر کے بارے میں یہ رویہ صرف جاہلیت جدیدہ ہی کا نہیں ہے بلکہ تاریخ کے ہر دور میں جاہلیت کا یہی رویہ رہا ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا۔ (الاعراف: ۲۸)	جب وہ کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو بھی اس طرح کرتے پایا ہے بلکہ اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے
سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا۔ (الانعام: ۱۴۸)	عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا کرتے۔

جاہلی معاشروں کی ظاہری ہیئتیں اور شکلیں زمانے کے لحاظ سے مختلف تو ضرور ہوتی ہیں۔ لیکن ان تمام جاہلی معاشروں کی فکر آپس میں ملتی جلتی ہوتی ہے اور ان کا تاریخی کردار ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔

جاہلیت کے کسی بھی مسئلہ میں لوگ اصل خرابی اور بگاڑ کا آسانی سے اندازہ نہیں کر سکتے۔ اگر انہیں اس بگاڑ کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو بھی جائے تو یہ بات سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ درحقیقت

یہ سارا بگاڑ اللہ کی ہدایت سے دُوری کی بنا پر رونما ہُوا ہے اور اگر یہ بات بھی کسی نہ کسی طرح حلق سے نیچے اتر جائے۔ تو یہ یقین نہیں آتا کہ کیا اللہ کی ہدایت فی الواقع ان کی بے چینی، بدبختی اور عذاب کو دُور کر کے انہیں اطمینان و سکون عطا کر سکتی ہے۔؟ اور کیا حقیقتاً اللہ کی ہدایت جاہلیت کے بگاڑ کو دُور کر کے اس کی پیدا کردہ مشکلات کا حل نکال سکتی ہے۔

لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرا دینا کہ اللہ کی ہدایت ان کی تمام مشکلات کا حل ہے۔ بڑا مشکل کام ہے، کیونکہ جاہلیت نے نہ صرف لوگوں کو اللہ کی ہدایت سے دُور کر دیا ہے بلکہ ان کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت کا بیج بو دیا ہے اور انسانی زندگی کی متعدد اور گوناگوں تعبیریں کر کے لوگوں کو ان باطل تعبیرات میں اس قدر الجھا دیا ہے کہ ان کا کسی وقت اللہ کی ہدایت کی طرف متوجہ ہونا ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہو گیا ہے۔

مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم یہ سمجھ کر کہ لوگ اللہ کے راستے کی جانب مشکل ہی سے متوجہ ہوں گے ہم انھیں سرے سے اللہ کی جانب دعوت ہی نہ دیں بلکہ ہم حق کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے لوگوں کو ضرور اللہ کی ہدایت کی طرف بلائیں گے۔ ہو سکتا ہے کسی وقت لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کر لیں۔ نہ صرف قبول کر لیں بلکہ اللہ کے حکم کو عملاً اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کے لیے جہاد بھی کریں؟

لوگ پہلے پہل اس بات کی تصدیق نہیں کریں گے کہ آج پوری دنیا میں جو بے چینی پائی جاتی ہے اس کی وجہ اللہ سے دُور ہونا ہے۔ کیونکہ جاہلیت جدیدہ کہتی ہے کہ اس عالمگیر بے چینی کی وجہ سرمایہ ہے یا طبقاتی کش مکش ہے۔ یا انفرادی ملکیت ہے یا معاشی ابتری ہے۔ جاہلیت یہ تو کہہ ہی نہیں سکتی کہ انسانوں کی زندگی کا اللہ سے یا اللہ کی سنت سے بھی کوئی واسطہ یا تعلق ہو سکتا ہے بلکہ جاہلیت جدیدہ تو زندگی کے نشیب و فراز کی ہر اس تعبیر اور ہر اس معنی کا مذاق اڑاتی ہے۔ جس کا تعلق اللہ سے ہو یا اللہ کی سنت سے ہو، کیونکہ جاہلیت کی انتہائی تمنا اور آخری آرزو تو یہی ہے کہ انسانی فکر و عمل کا رشتہ اللہ سے منقطع کر دے۔

جاہلیت جدیدہ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اللہ اور اللہ کی سنت کا رشتہ قرون وسطیٰ سے ملا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ علم و سائنس کے تقاضوں کے ماتحت انسانیت کو اپنا رشتہ اللہ سے منقطع کر دینا ضروری ہے۔

خیال فرمائیے! جب لوگ اس قسم کی متعفن جاہلیت میں زندگی گذار رہے ہوں تو وہ یہ فکر کیسے اپنا سکتے ہیں کہ انسانیت کی بے چینی اور سوسائٹی کے ہمہ گیر بگاڑ کی وجہ صرف اور صرف اللہ کی ہدایت سے روگردانی اور اس کے نازل کردہ احکام کو ٹھکرا دینا ہے۔

اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے اس کتاب میں مندرجہ ذیل امور زیر بحث آئیں گے۔

اوّل: جاہلیت کی ابتداء اس کی نشوونما اور اس کا تاریخی کردار

دوم: جاہلیت جدیدہ اور اس کی علامات

سوم: جاہلیت جدیدہ نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر جو اثرات مرتسم کیے ہیں ان کا جائزہ اس سلسلے میں ان تمام اثرات کا ذکر کیا جائے گا جو سیاسیات، معاشیات، اخلاقیات اور نفسیات میں رونما ہوئے ہیں اور اس طرح پوری انسانی زندگی جاہلیت کی لپیٹ میں آگئی ہے۔

چہارم: مستقبل میں اگر کسی وقت انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا لے تو نظام زندگی کن خطوط پر استوار ہوگا اور زندگی پر موجودہ جاہلیت کے پڑنے والے اثرات کو کس طرح ختم کیا جائیگا اللہ کی ہدایت کس طرح زندگی کے سارے پہلوؤں پر محیط ہوگی۔

ہم اس بارے میں بڑے پُر امید ہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے۔ جب پوری انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا لے گی۔

تاریخ کا ایک صفحہ

جاہلیت اور ایمان کی تاریخ یکساں قدیم ہے اور ابتدائے آفرینش سے اولادِ آدم زندگی برتنے کے ان دونوں رویوں سے آشنا رہی ہے اس لیے کہ دونوں ہی رویوں کا مرکز انسانی فطرت ہے اور اس کی یہ سرشت ہے کہ وہ گمراہی اختیار کرے یا ہدایت، جاہلیت کی طرف جائے یا اسلام کی جانب آئے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا	اور قسم ہے نفس کی اور جس نے اسے برابر کیا
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ	پھر اسے الہام کی اچھائی اور برائی۔ کامیاب
تَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ	ہو گیا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور ناکام
زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا	ہو گیا وہ جس نے اسے گندہ کیا (شمس ۷۔۱۰)
وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ	ہم نے انسان کو دونوں ہی راستے بتلا دیئے۔

(بلد۔ ۱۰)

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ	ہم نے انسان کو راستہ دکھلا دیا۔ یا تو وہ شکر گزار
اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا	بن جائے یا کافر ہو جائے۔ (سورۂ انسان ۳)

جو کچھ بھی انسان زمین پر کرتا ہے، وہ اسی الٰہی قانون کے مطابق ہوتا ہے کہ اللہ نے انسانی سرشت میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ چاہے تو ہدایت کو اپنا لے اور چاہے تو گمراہ ہو جائے انسان نے اپنی تاریخ میں کبھی بھی اس الٰہی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی ہے اور نہ کبھی کر سکتا ہے۔

جاہلیت اور اسلام

انسان کی تاریخ کبھی بھی دو حالتوں سے خالی نہیں رہی ــــ ہدایت اور گمراہی ــــ

جاہلیت اور اسلام ــــ

انسانیت ہمیشہ سے ہی تغیر پذیر رہی ہے۔ تغیر اس معنی میں بھی ہوا کہ انسان ہمیشہ خوب سے خوب تر کی طرف رواں دواں رہا ہے اور تغیر پذیری کی یہ صورت بھی وجود میں آئی کہ انسان اللہ کی ہدایت سے روگرداں اور اس کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے ہٹتا چلا گیا۔ تغیر کی یہ دونوں صورتیں ہمیشہ معاشرے کی علمی اور مادی ترقیات کے مناسب اور سوسائٹی کی اجتماعی اور اقتصادی زندگی سے متوازن اور پیوستہ رہی ہیں۔ لیکن ان تغیرات کے باوجود انسانیت کے سامنے ہمیشہ دو ہی راستے رہے ہیں —— ہدایت اور گمراہی —— اسلام اور جاہلیت!

بہر کیف بتانا یہ مقصود ہے کہ جاہلیت زمان و مکان کی بندشوں میں جکڑی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ رونما ہو سکتی ہے اور جاہلیت کے وجود کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ جس معاشرے کی بنیادیں جاہلیت پر استوار ہوں، اس معاشرے میں سرے سے علم و فن اور تہذیب و تمدن کا وجود ہی نہ ہو۔

ہدایت معاشرے کی ایک جوہری کیفیت ہے اور اسی طرح جاہلیت سماج کی ایک جوہری کیفیت ہے اور یہ دونوں کیفیات انسانوں کے عروج و زوال سے وابستہ ہیں اور انسان کے سماجی ارتقاء کے ساتھ ارتقاء کی جانب گامزن رہتی ہیں۔ کیونکہ ہدایت نام ہے اللہ کی معرفت اور اس کے اتباع کا اور جاہلیت نام ہے اللہ کو نہ پہچاننے اور اس کی ہدایت سے رُوگردانی اختیار کر لینے کا۔ اس لیے اقتصادیات ہوں یا اجتماعیات، سیاسیات ہوں یا دنیائے علوم و فنون۔ ان تمام امور کے لحاظ سے اور عقلِ انسانی اور اس کے ماحول کے لحاظ سے ہدایت اور جاہلیت کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں اور اس لحاظ سے انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو اور اقتصادیات، اجتماعیات، سیاسیات اور علم و فن کا کوئی بھی گوشہ ہو وہ ان دو کیفیتوں سے کبھی خالی نہیں ہوتا —— ہدایت یا گمراہی —— جاہلیت یا اسلام۔

اب یہ بات وضاحت سے سامنے آ گئی کہ جاہلیت کا انسان کی کسی خاص معاشرتی کیفیت اور تاریخ کی کسی مخصوص صورتِ حال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ جاہلیت تغیر کی ہر شکل اور ارتقاء کے ہر دور میں پائی جا سکتی ہے۔

چند مثالیں

لہ "انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء"

اس کتاب میں تمام تاریخ کی ورق گردانی تو ناممکن ہے۔ البتہ ہم چند مثالیں بیان کریں گے۔ جس سے وہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی جسے جاہلیت جدیدہ نے جان بوجھ کر اس لئے نظر انداز کر دیا ہے تاکہ انسان کی عملی زندگی کا رشتہ اللہ سے منقطع ہو جائے۔

اللہ کا جو بھی دین اس دنیا میں آیا ہے۔ وہ ضابطۂ حیات بن کر آیا ہے۔ دین نے عقیدہ اور وجدان کے بارے میں بھی گفتگو کی ہے اور عمل کی صراط مستقیم بھی بتائی ہے لیکن ہمیشہ اجتماعیات اقتصادیات اور سیاسیات، غرض زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ نے اپنا سارا زور دین و دنیا کی دوئی اور تفریق پر خرچ کر دیا، تاکہ دین عملی دنیا میں بے اثر ہو کر رہ جائے۔

تمام ادیان میں صرف ایک عقیدے کا پرچار کیا گیا کہ اللہ ایک ہے اور اللہ ہی معبود ہے ۔ عبادت کے مختلف طریقے تو متعین کیے جاتے رہے۔ لیکن بنیادی عقیدے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

مگر اللہ کی شریعت اور اللہ کا قانون، انسانیت کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر رہا۔ یہاں تک کہ اللہ کا قانون اپنی آخری صورت میں مکمل ہو گیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	"آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ تمہارے
وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ	اوپر اپنی پوری نعمتیں اتار دی ہیں، اور
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا	تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کر لیا ہے۔"
	(سورۂ مائدہ ۳)

تاریخ کے تمام ادوار میں ہدایت اور جاہلیت شانہ بشانہ چلتے رہے ہیں جب بھی کبھی اللہ نے کوئی رسول بھیجا۔ اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوئی تو ہمیشہ یہی ہوا کہ کچھ لوگوں نے ہدایت کو قبول کر لیا اور جاہلی نظام زندگی کو چھوڑ کر اللہ کی ہدایت کا مقرر کردہ نظام اپنی زندگیوں میں نافذ کر لیا اور کچھ لوگوں نے اللہ کی ہدایت سے روگردانی کی اور بدستور جاہلی نظام زندگی سے چمٹے رہے ۔ ..... اس طرح ہدایت اور جاہلیت دونوں ہی اپنے مخصوص حالات سے بندھے ہوئے اور اپنے خاص ماحول کے مطابق رہے ہیں۔

حضرت شعیبؑ کا پیغام

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ

(سورۂ اعراف ۸۵-۸۶)

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادران قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف رہنمائی آ گئی ہے۔ لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر تم واقعی مومن ہو اور (زندگی کے) ہر راستے پر) رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوفزدہ کرنے اور ایمان والوں کو اللہ کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو وہ زمانہ جب کہ تم تھوڑے تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں بہت کر دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔

یہ حضرت شعیب کا اپنی قوم کے لئے پیغام ہے۔ جس میں عقیدہ بھی ہے اور شریعت بھی عقیدہ بغیر کسی تبدیلی کے اپنی جگہ پر قائم ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور شریعت کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔ چنانچہ اقتصادی اصول بتاتے ہوئے فرمایا: "وزن اور پیمانے پورے کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو" اجتماعی اور سیاسی اصول بتاتے ہوئے فرمایا: "اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اور زندگی

کے ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان والوں کو اللہ کے راستے سے روکنے لگو۔"

یہ تمام اصول اس اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی نظام سے ہم آہنگ تھے جس میں وہ زندگی گزار رہے تھے۔

بعینہٖ اسی نظام اور اسی ماحول میں کچھ اللہ کے بندوں نے اپنی اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی کو اللہ کی شریعت کے مطابق تشکیل کر لیا تھا چنانچہ وہ حقیقی معنوں میں مومن اور مسلم کہلاتے تھے جبکہ حضرت شعیبؑ ہی کی قوم کے کچھ افراد نے اللہ کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کی تشکیل نو کرنے سے انکار کر دیا۔ تو وہ بدستور جاہلیت ہی میں رہے۔

گویا اسلام اور جاہلیت دونوں کا نظام زندگی معاشرے اور ماحول کے اس معیار کے مطابق تھا۔ جس میں اس وقت کے لوگ زندگی گزار رہے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کی آمد

حضرت شعیبؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ تشریف لائے۔ حضرت موسیٰؑ کو ہدایت اور نور والی کتاب تورات عطا کی گئی۔ اس میں بھی وہی کبھی نہ تبدیل ہونے والا عقیدہ تھا کہ "اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے" اور ساتھ ہی اس وقت کے انسان کے ارتقاء کے مطابق شریعت بھی تھی کہ کس طرح سوسائٹی اور حکومت کو منظم کیا جائے۔ اقتصادی اجتماعی اور سیاسی اصول کیا ہونے چاہئیں؟ لین دین، نکاح وطلاق، اور جرم وسزا کے قوانین کیا ہیں؟

اس مخصوص ماحول اور اس خاص سوسائٹی میں کچھ اللہ کے بندوں نے اپنی اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی کو اللہ کے قانون کے مطابق بنا کر مومن اور مسلمان ہو گئے اور خود موسیٰؑ کی قوم کے دوسرے گروہ نے اپنی زندگی کی تشکیل اللہ کے قانون کے مطابق نہیں کی۔ اس لئے وہ بدستور جاہلیت کا شکار رہے۔ گویا حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں بھی وہ اسلام اور جاہلیت دونوں ہی کے نظام زندگی اس خاص ماحول کے مطابق تھے جس میں اس وقت لوگ زندگی گزار رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے۔ انہیں انجیل عطا کی گئی انجیل نے تورات کی تصدیق

بھی کی اور ساتھ ہی تورات کے کچھ احکام بھی منسوخ کر دیئے۔ گویا انجیل تورات ہی کے عقیدے اور قانون کی تکمیل تھی۔ اس مرحلہ پر بھی کچھ افراد ایمان لائے اور مومن و مسلمان کہلائے اور باقی قوم بدستور جاہلیت کے اس وقت کے رنگ کے اعتبار سے زندگی بسر کرتی رہی۔

دینِ اسلام

پھر دین کی تکمیل اور انسانیت پر اللہ کی نعمتیں نچھاور کرنے کے لیے اسلام آیا۔ گذشتہ تمام ادیان کی طرح اسلام میں بھی عقیدہ اور شریعت دونوں ہیں۔ عقیدہ اپنی جگہ پر قائم ہے کہ اللہ کی عبادت کرو، تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ لیکن شریعت اپنی اس آخری شکل میں آئی۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے مستقبل کے لیے ارادہ فرمایا تھا۔ اللہ نے اس شریعت کو انسانیت کی تکمیل کے سلسلے متعین فرمایا ہے اور اس کی تشکیل اس طرح کی ہے کہ زندگی کا ہر گوشہ اس میں آجائے اور انسانیت کے نمو و ارتقار کے ساتھ ساتھ اللہ کی شریعت بھی تاقیامِ قیامت جاری ہے۔

میں نے کسی دوسرے مقام پر انسانی زندگی میں جمود اور ارتقار کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اسلام نے ان دونوں صورتوں میں کیا روش اختیار کی ہے اور یہ کہ انسانی زندگی اپنے ہمہ گیر ارتقار کے باوجود اسلام کے مفہوم اور اس کے قانون سے باہر نہیں ہوتی۔ ؎

(یہاں دوسری کتابوں کے اقتباسات دینا مناسب نہیں ہے لیکن جب یہ موضوع اس کتاب میں آئے گا تو ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے۔)

اسلام پر بھی کچھ لوگ ایمان لائے اور مؤمن و مسلم کہلائے اور کچھ لوگوں نے انکار کیا۔ چنانچہ وہ اس وقت سے آج تک جاہلیت پر برقرار ہیں۔

اسلام کی آمد سے لے کر اب تک کی چودہ صدیوں میں حیاتِ انسانی میں گوناگوں تبدیلیاں اور انقلاب رونما ہوئے۔ لیکن لوگ ہمیشہ ہی دو گروہوں میں بٹے رہے۔ مسلمان اور جاہلی۔ اسلام کے ماننے والے اور جاہلیت کے پرستار۔ یہ دونوں گروہ ایک ہی ماحول میں زندگی گزارتے رہے اور اس ماحول کے مقتضیات کو پورا کرتے رہے۔ جنہوں نے اللہ کو پہچان لیا۔ اس کی ہدایت کو اپنا لیا اور زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کے قانون کی طرف رجوع کیا۔ وہ مسلمان ہوئے اور جنہوں نے نہ اللہ کو پوری طرح پہچانا۔ نہ اس کی ہدایت کو اپنایا اور نہ اس کے قانون کو اپنی زندگیوں میں نافذ کیا۔ وہ جاہلی رہے۔

؎ "انسانی زندگی میں جمود و ارتقا" میں اسلام اور انسانی زندگی کا باب مطالعہ فرمائیے۔

اور جو مسلمان تقلیدی یا رسمی طور پر اپنے کو مسلمان کہتے رہتے ہیں۔ وہ بھی جاہلی ہیں)
تاریخ کی ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسانیت کے لیے زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ ہدایت اور گمراہی ـــ اسلام اور جاہلیت ! سوسائٹی کی شکلیں خواہ کتنی ہی بدلتی رہیں۔ لیکن وہ ہدایت اور گمراہی اور اسلام اور جاہلیت سے خالی نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ ظاہری شکل ہدایت اور جاہلیت کی نشاندہی نہیں کرتی۔ بلکہ طریقۂ کار سے تعین ہوتا ہے کہ سوسائٹی کا نقشہ ہدایت کے فریم میں نصب کیا گیا ہے یا جاہلیت کے ؟ ! اس لیے نہ تو ہدایت انسانی زندگی کے کسی خاص دور کا نام ہے اور نہ جاہلیت۔ دونوں ہی ابتدا سے لے کر انتہا تک انسانی زندگی کی ہر شکل میں موجود رہے ہیں۔

جدید جاہلیت کا نشوونما

تاریخ کی مندرجہ بالا مثالیں بحث کا اصل موضوع نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک طرح سے تاریخی ادوار کی وضاحت تھی۔ ہمارا اصل موضوع تو جاہلیت جدیدہ کی تاریخ بیان کرنا ہے۔ جاہلیت جدیدہ کب رونما ہوئی۔؟ کن حالات سے گذر کر بیسویں صدی میں اپنے شباب کو پہنچی ؟ وہ کون سے عوامل ہیں جن کے سہارے جاہلیت جدیدہ نے پوری موجودہ نسل انسانی میں صور اسرافیل پھونک دیا ؟

آج ساری دنیا پر یورپ کی حکمرانی ہے۔ اگر یورپ بذات خود حکمران نہیں ہے تو اس کی تہذیب اور اس کے تصورات و افکار ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ (اور امریکہ بھی دراصل یورپ کے توسیع کا ایک پرتو ہے۔)

یورپ کی تاریخ ایک ایسی طویل اور مسلسل جاہلیت کی تاریخ ہے جس کی کڑیاں باہم دگر پیوست ہیں اور تاریخ کے کسی بھی موڑ پر جاہلیت کا یہ تسلسل نہیں ٹوٹا ہے۔ چنانچہ پہلے یونانی اور رومی جاہلیت تھی اس کے بعد قرون وسطیٰ کی جاہلیت آئی اور پھر آخر میں جاہلیت جدیدہ آگئی جو دراصل اسی پرانی رومی اور یونانی جاہلیت کی طرف رجعت اور اسی کا پھیلاؤ ہے جس میں یہودی عبقری نے ڈاروانیت (DARWINISM) کا اضافہ کر کے اس کی تباہ کاریوں میں اضافہ کر دیا ہے اور اس جاہلیت کا رخ اپنے مقاصد کی طرف پھیر دیا ہے۔

کیونکہ اس کتاب کا اصل موضوع جاہلیت جدیدہ کو بیان کرنا ہے اس لئے ہم عصور قدیمہ اور قرون وسطیٰ کی تاریخ کا مختصر سا تذکرہ کریں گے، تاکہ اس کے جاہلیت جدیدہ پر کچھ روشنی پڑ سکے۔

ظاہر ہے جاہلیت جدیدہ یکلخت تو رونما نہیں ہو گئی ہے بلکہ یورپ کی تاریخ میں اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ اس بات کا یورپ کو بھی اعتراف ہے[1] ۔ یورپی تمدن کی اصل بنیادیں یونانی اور

---

[1] Extens...

رومی جاہلیتیں ہیں۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ وہ اسے جاہلیت نہیں بلکہ تہذیب و تمدن کہتے ہیں۔!

یورپ کو بخوبی اعتراف ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کا بڑا اثر ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب کا یہ مواد اپنے اندر اسلامی رنگ لئے ہوئے داخل نہیں ہوا۔ بلکہ یونانی اور رومی رنگ میں رنگ اس کی ذہنیت اپنا چکا تھا۔ پھر جب یہ مواد یورپ پہنچا تو اس پر مسیحیت کا ایک باریک سا غلاف چڑھ گیا۔ جو آہستہ آہستہ بوسیدہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں بالکل تار تار ہوگیا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کی جاہلیت کا تذکرہ کرنے سے پہلے یونانی اور رومی جاہلیتوں کی کچھ خصوصیات ذکر کردی جائیں۔

یونانی جاہلیت

یونانی جاہلیت اپنے جلو میں علم و فن، فلسفہ، سیاسی نظریات اور علمی افکار کا ایک بہت بڑا ذخیرہ لے کر آئی تھی علمائے مغرب نے نشاۃِ ثانیہ کے دور میں یونانی جاہلیت کا گہرا مطالعہ کرکے ایک وسیع لٹریچر فراہم کیا اور یورپ نے اپنے دور جدید میں تمام تر تہذیبی سرمایہ اس جاہلی لٹریچر سے حاصل کیا ہے۔

ہم انسانی تمدن اور تہذیب کی قیمت گرانا نہیں چاہتے اور نہ ہمارا یہ مقصد ہے کہ یونانیوں کی فکری لغزشوں کی فہرست بنا کر پیش کریں۔ بلکہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یونانیوں نے انسانی زندگی کے بہت سے گوشوں کو نمایاں کرکے قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی بدقسمتی یہ تھی کہ ان کے معاشرے میں کوئی ایسا معلم موجود نہیں تھا جو انہیں اللہ کی ہدایت سے منہ گردانی کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بگاڑ کی نشاندہی کرسکتا۔

ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یونانی معاشرے میں کہاں کہاں بگاڑ موجود تھا۔ کیونکہ بگاڑ ہی جاہلیت کی اصل نشانی ہے۔ پھر چونکہ جاہلیت جدیدہ نے یونانی جاہلیت سے کافی کچھ استفادہ کیا ہے۔ اس لئے یونانی بگاڑ کی وضاحت سے ہمیں جاہلیت جدیدہ کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ہم یونانیوں کو مطعون نہیں کرسکتے جو بغیر اللہ کی ہدایت کے زندگی کے معاملات میں خوب سے خوب تر اپنانے کی کوشش اور جدوجہد میں لگے رہے۔ لیکن ہم ان لوگوں کو ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جنہوں نے جاہلیت جدیدہ میں اس سارے بگاڑ کو دوبارہ اپنا لیا۔

بے شک یونانی تہذیب کے بہت سے عناصر فائدہ مند بھی تھے جیسا کہ مصری تہذیب، قدیم عربی تہذیب، ایرانی تہذیب، ہندوستانی تہذیب اور چینی تہذیب ۔۔۔۔ سب ہی تہذیبیں تھوڑی بہت خوبیوں کی حامل ہیں! لیکن پھر بھی دو باتیں توجہ کی مستحق ہیں۔

اوّل: یورپ نے یورپین تعصب کی بناء پر یونانی تہذیب کو عظیم تر ثابت کرنے میں اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ یونانی تہذیب انسانیت کی ترقی کی وہ اوج کمال تھی جس کے پیمانہ پر وحی الٰہی کو بھی پرکھا جا سکتا ہے اور اس کی تصدیق یا تکذیب کی جا سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ تکذیب ہی کی جائے گی۔ کیونکہ یونانی تہذیب سے بڑھ کر دنیا میں کسی سچائی کا وجود نہیں ہے!!

دوم: ہم جو یونانی تہذیب کے بعض گوشوں کو اہمیت دیتے ہیں وہ ایسا ہی ہے جیسے ہم مصری، ایرانی، ہندوستانی یا چینی تہذیبوں کے بعض گوشوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان چیزوں کو مطلقاً کوئی قیمت دی جا رہی ہے۔ بلکہ ہمیشہ اس کی قیمت کا حساب اسی پیمانے کے لحاظ سے ہوگا اور یہ بھی مطلب نہیں کہ ہم ان تہذیبوں کے بگاڑ کو دوبارہ اپنا لیں جس بگاڑ کا شکار ہو جانے میں ان قوموں کے پاس تو کوئی عذر بھی ہو سکتا تھا لیکن ہمارے پاس ـــــ جب کہ ہم جاہلیت سے روشنی کی طرف آ چکے ہیں ـــــ اس بگاڑ کو اپنانے میں کوئی عذر نہیں ہے۔

اس بنیاد پر ہم یونانی جاہلیت کے کچھ بگاڑ پیش کرتے ہیں۔ اس جاہلیت نے اللہ یا دیوتاؤں اور انسانوں کے درمیان جنگ و جدل کا تخیل پیش کیا اور اس تخیل کو ذہن میں اچھی طرح پختہ کر دیا۔

تعدّدِ آلہہ

تعدّدِ آلہہ جاہلیت کی ایک ایسی ہمہ گیر خصوصیت ہے کہ یہ ہر جاہلیت میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور پائی جاتی ہے۔ البتہ آلہہ کبھی مادی اور محسوس ہوتے ہیں اور کبھی معنوی اور غیر محسوس، کسی جاہلی معاشرے میں تعدد آلہہ کا تخیل واضح طور پر پایا جاتا ہے اور کسی سوسائٹی میں یہ تخیل پس پردہ اثر انداز ہوتا۔ بہرکیف ایک جاہلی معاشرے میں تعددِ آلہہ کا تخیل ضرور موجود ہوتا ہے۔ لیکن یونانی جاہلیت نے تعدّدِ الٰہہ کے تصور میں دیوتاؤں اور انسانوں کی کشمکش کا اور اضافہ کر دیا تھا، چنانچہ اس سلسلے میں پرومیتھیس (کی مثال دی جا سکتی ہے جس نے مقدس آگ چرا لی تھی۔

پرومیتھیس یونانی صنمیات[1] کا ایک کردار ہے۔ جس سے زیوس[2] دیوتا انسان کی تخلیق میں مدد لیا کرتا تھا۔ پرومیتھیس کو انسان پر رحم آیا اور اس نے انسان کو مقدس آگ چرا کر لا دی۔ اس پر زیوس دیوتا نے اسے سزا دی اور اسے زنجیروں میں باندھ کر قوقاز کے پہاڑوں پر ڈال دیا۔ ایک گدھ سارا دن اس کا جگر کھاتا رہتا تھا اور رات کو اسے نیا جگر دے دیا جاتا، تاکہ آئندہ روز پھر گدھ کھاتا رہے اور اس طرح اسے سزا ملتی رہے اور زیوس دیوتا نے انسانوں سے مقدس آگ کا بدلہ لینے کے لیے ان کے پاس پانڈورا[3] کو بھیجا۔ جو زمین پر پہلا مؤنث کردار تھا۔ پانڈورا کے پاس ایک صندوق تھا۔ جس میں انسان کی ہلاکت کے لیے تمام بُرائیاں بھری ہوئی تھیں۔ جب پرومیتھیس کے بھائی ایپی میتھیس[4] نے پانڈورا سے شادی کر لی تو اس نے صندوق کا ڈھکنا کھول دیا۔ ڈھکنا کھلنا تھا کہ ساری دنیا بُرائیوں اور آفتوں سے بھر گئی۔!

یہ ہے انسان اور اللہ کے رشتے کی نوعیت! انسان نے مقدس آگ کو اس لیے چرایا کہ کائنات کے راز معلوم کر کے خود دیوتا بن بیٹھے اور دیوتاؤں نے اسے وحشیانہ سزائیں اس لیے دیں، تاکہ ساری طاقت کا سرچشمہ انہی کے پاس رہے۔

مغربی جاہلیت جدیدہ نے یونانی صنمیات[1] کے بارے میں بہت کچھ موشگافیاں کی ہیں۔ خصوصاً اس کہانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ جنگ انسان نے اپنے وجود کو ثابت کرنے اور زندگی میں اپنے کردار کو مثبت بنانے کے لیے لڑی تھی اور دیوتا کی یہ نافرمانی دراصل اپنے وجود، اپنے کردار اور اپنی ذات کا ثبوت فراہم کرنا ہے۔

اس وقت ہمیں جاہلیت جدیدہ کی گرفت مقصود نہیں ہے، بلکہ ہمیں یونانی جاہلیت کے چند گوشے سامنے لا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ یونانی جاہلیت کس طرح مغربی فکر پر اثر انداز ہوئی ہے۔ اگرچہ تاریخ کی تمام جاہلیتوں میں تعدد الٰہ کا تخیل کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ ہی موجود رہا ہے۔ لیکن یونانی جاہلیت اس میں دیوتاؤں اور انسانوں کی کش مکش کا اضافہ کر کے ایک بھیانک

---

[1] Greek Mythology [3] Pandora [2] Zeus [4] Epimetheus

بگاڑ کا شکار ہو گئی۔ یونانی جاہلیت نے انسان کے حق میں یہ لعنت مقدر کر دی کہ وہ اپنی ذات کے اثبات کے لیے عقیدے کو بھینٹ چڑھا کر اللہ سے جنگ کرے اور اس طرح انسان کو ضمیر کی اس کش مکش سے کبھی بھی نجات نہ مل سکے کہ اس کی فطرت اپنے وجود کو بھی ثابت کرنا چاہتی ہے اور اللہ پر ایمان بھی لانا چاہتی ہے۔

عقل کی پرستش

یونانی جاہلیت کا دوسرا بڑا بگاڑ یہ ہے کہ اس نے روح کو قطعی طور پر نظر انداز کر کے عقل کو حد درجہ اہمیت دے دی۔ ان کے یہاں زندگی کے ہر مسئلہ میں عقل کا فیصلہ آخری سمجھا گیا۔ مغربی جاہلیت جدیدہ کہتی ہے کہ یونانیوں نے اس بات کی کوشش کی کہ انسان کی بلندی اور اس کی ایجابیت کو ثابت کیا جائے۔ تاکہ اس طرح زندگی میں انسان کی قیمت گراں ہو سکے۔

بلاشبہ عقل انسانی ایک عظیم ترین طاقت ہے۔ جو اس کائنات میں انسان کے وجود اس کی فاعلیت اور موثریت ثابت کرنے میں بڑا کردار ادا کرتی ہے لیکن صرف انسانی عقل پر ایمان لانا ایک ایسا بگاڑ ہے جو بالآخر انسان کی قیمت گھٹا کر اسے صرف "حیوان عاقل" بنا دیتا ہے جیسا کہ یونانی فلسفہ بھی یہی کہتا ہے۔ حالانکہ انسان حیوان سے بالکل ایک علیحدہ وجود ہے۔ انسان صرف اپنی عقل کی وجہ سے ہی بلند نہیں ہے۔ بلکہ اپنے تمام وجود میں بلند ہے۔ انسان ایک ایسی جداگانہ صورت و شخصیت کے لحاظ سے بلند ہے جو انسان کے علاوہ کہیں بھی نہیں پائی جاتی [1]

عقل کو رُوح کے مقابلہ میں زیادہ مقدس قرار دے دینے سے یونانی جاہلیت کے تمام بگاڑ رونما ہوئے ہیں۔ جس بات نے عقل سے لگا نہ کھایا۔ اس کو انہوں نے درج فہرست ہی نہ رکھا۔ ہر وجود کے ناپنے کا پیمانہ عقل ہی ٹھہری حتیٰ کہ اللہ کا بھی اسی قدر وجود قابل تسلیم ہوا۔ جہاں تک عقل کی رسائی ہو سکے۔ اللہ کے وجود کو بھی عقل کے فریم میں نصب کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں [2]

---

[1] "النفس الانسانی کا مطالعہ"

[2] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں وہ نگاہوں کا ادراک کر لیتا ہے" اور "بیشک وہ لطیف اور جاننے والا ہے" ادراک عقل کے دائرہ میں رہ کر اللہ کی حقیقت جانتے میں یونانی فلسفہ بہت بھٹکتا رہا۔ لیکن ساری فکری تگ و دو بیکار ہی گئی اور بے اثر ثابت ہوئی۔ کیونکہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

رہ گیا اللہ کے وجود کا روحانی عرفان تو اس کا وجود یونانی جاہلیت میں بہت ہی کمزور سا تھا (جیسا کہ جاہلیت جدیدہ میں ہے۔)

عقل کو اس قدر اہمیت دینے کی وجہ سے وہ تمام عقلی موشگافیاں وجود میں آئیں جن سے فلسفۂ یونانی بھرا پڑا ہے۔ جس نے جاہلیت وسطیٰ کے دور میں یورپ کی طاقت سلب کیے رکھی۔ حتیٰ کہ وہ مسلمانوں کے تجربی اسکول سے متاثر ہوئے اور اسے اپنا لیا۔ جیسا کہ ہم بعد میں ذکر کریں گے۔ اور اسی تعقل پسندی کا شکار ہو کر اخلاق بھی بجائے ایک عملی محرک ہونے کے۔ ذہنی تربیت کا ایک معمہ بن کر رہ گئے۔

یونانی جمہوریت نے اگرچہ افراد کی اجتماعی فضائل کے مطابق تشکیل کی۔ لیکن ــــ مثال کے طور پر ــــ جنسی بے راہ روی میں کوئی ضابطۂ اخلاق ان کے پاس نہ تھا۔ اس لئے یونانی جمہوریت کامیاب نہ ہوئی۔

یہ یونانی جاہلیت کے چند بگاڑ ہیں۔ لیکن چونکہ یونانی جاہلیت موضوعِ زیرِ بحث سے ذرا ہٹی ہوئی ہے۔ اس لیے ہم اس کا تذکرہ چھوڑ کر چند ایسے حقائق کا استنباط کیئے لیتے ہیں۔ جن سے جاہلیت جدیدہ یا کسی بھی جاہلیت کے سمجھنے میں مدد مل سکے۔

۱۔ کسی جاہلیت میں کچھ خوبیاں اور چند فوائد کے حاصل ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جاہلیت کی زندگی کوئی اچھی زندگی ہے۔ یا اس کی پیروی کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ہر جاہلیت میں کچھ نہ کچھ خوبیاں اور تھوڑے بہت فائدے ہوتے ہی ہیں۔

۲۔ کچھ خوبیوں اور چند فائدوں کے حاصل ہو جانے سے جاہلیت کی تاریکی چھٹ نہیں جاتی۔ کیونکہ بالآخر جاہلیت میں ایسا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے جو ساری خوبیاں برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔

۳۔ جاہلیت کے بگاڑ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جاہلیت اپنی نفسانی خواہشات پر چلتی ہے، اور اللہ کی ہدایت کو نہیں جانتی اور اگر جانتی ہے تو مانتی نہیں ہے۔

جس طرح یونانی جاہلیت میں عقل کو غیر معمولی اہمیت دی گئی اسی طرح رومی جاہلیت نے اپنی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

کوئی بھی شخص صرف عقلی موشگافیوں سے اللہ پر ایمان نہیں لایا کرتا نہ ہی موشگافیاں کسی مومن قوم یا بلند سوسائٹی کا سرمایہ حیات بن سکتی ہیں۔

سوسائٹی کی ساری تعمیر مادے اور محسوسات کی بنیادوں پر استوار کی۔ رومی جاہلیت نے بھی دیگر تمام جاہلیتوں کی طرح انسانیت کے لیئے کچھ مفید اشیاء پیش کی ہیں۔ اس جاہلیت میں سیاسی، حربی اور تمدنی نظم وجود میں آیا۔ مادی وسائل کو رفاہی کاموں میں لگایا گیا۔ مدنیت فنی حیثیت سے وجود میں آئی۔ راستے اور پل بنائے گئے۔ پانی کی ٹینکیاں اور تھیٹر ایجاد ہوئے اور حمام تفریح گاہیں اور تھیٹر وجود میں آئے۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جاہلیت خوبیوں اور بھلائیوں سے بالکل خالی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ خوبیاں اسے بگاڑ کا شکار ہونے سے نہیں روک سکتیں۔ بلکہ ہر جاہلیت کا آخری انجام ہلاکت ہی ہوتا ہے۔

رومی جاہلیت

رومی جاہلیت کا سب سے بڑا بگاڑ روح کے بالمقابل مادے پر بالکلیہ ایمان لانا ہے۔ ان کے یہاں اگر کسی چیز کا کوئی وجود ہے۔ تو وہ صرف مادی وجود ہے۔ جو حواس خمسہ کے ذریعے محسوس ہو سکے۔ مگر جسے حواس محسوس نہ کر سکیں اس کا سرے سے وجود ہی تسلیم نہیں۔ اگر کبھی لیا جائے تو بہت ہی نکما اور بے جان سا۔ یہی وجہ ہے کہ رومی جاہلیت میں عقیدہ کا وجود انتہائی ہیجان۔

رومی جاہلیت کا ایک بڑا بگاڑ جنسی لذتوں کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ یہ لوگ نہایت غلط قسم کی لطف اندوزی میں مبتلا تھے۔ ان کی یہ لطف اندوزی جنسی لذتوں میں حد ابتذال سے گذر کر وحشت و بربریت میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ خون بہانے، قتل کرنے اور عذاب دینے پر بڑے خوش ہوا کرتے تھے۔ کھیل کے میدانوں میں مختلف کرتب ہوتے جن کے دیکھنے کے لیے لوگ کافی تعداد میں جمع ہوتے تھے اور بڑی سخاوت سے روپیہ خرچ کرتے تھے۔ ان کھیلوں میں غلام خنجروں اور تلواروں سے مقابلہ کرتے۔ ایک دوسرے کے پیٹ پھاڑ دیتے، انتڑیاں باہر نکال دیتے اور اس طرح ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے اور ان سب کاموں کی ان کو باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی اور جب یہ کارنامے انجام دیئے جاتے تو رومیوں کے وحشی سرداران مناظر کو بڑی دلچسپی اور شغف سے دیکھتے تھے اور سب سے زیادہ خوشی اور لذت انہیں اس وقت حاصل ہوتی جب کوئی کھلاڑی موت کی آغوش میں چلا جاتا۔

رومی جاہلیت کا نظامِ عدل

رومی جاہلیت کا ایک بڑا اور بھیانک بگاڑ ان کا نظامِ عدل ہے۔ جس کے حق دار صرف رومی تھے۔ غلاموں کے لیے اس نظامِ عدل میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ اس مایۂ ناز نظامِ عدل و انصاف میں غلاموں پر فرائض تو مقرر کیے گئے تھے۔ لیکن ان کے حقوق کی کوئی فہرست نہ تھی اور وہ تمام غیر رومی قومیں جو تعداد میں رومیوں سے کہیں زیادہ تھیں اور عظیم تر رومی سلطنت میں بستی تھیں۔ وہ سب رومیوں کی غلام تھیں۔!!

قرونِ وسطیٰ کی جاہلیت ایک بگڑے ہوئے عقیدے کی جاہلیت تھی۔ ایک امریکی مصنف ڈریپر[1] اپنی کتاب "مذہب و سائنس کی کش مکش" میں لکھتا ہے۔

> دو منافقین کی وجہ سے عیسائیت میں شرک و بت پرستی داخل ہو گئی تھی۔ ان منافقین نے اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کر کے (حالانکہ ان کو مذہب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ مذہب کے معاملہ میں مخلص تھے) بڑے بڑے مناصب قبضا لیے تھے اور خود کانسٹینٹائن کا بھی یہی حال تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی ظلم اور گناہوں میں گزاردی اور سوائے آخری چند دنوں کے کبھی کنیسہ کے مذہبی احکام کی پابندی نہیں کی۔

> "اگرچہ ۳۱۳ء میں کانسٹینٹائن کے بادشاہ بن جانے سے عیسائیوں کو بڑی طاقت ملی لیکن وہ اپنے اندر سے بت پرستی کی جڑیں نہ نکال سکے۔ بس عیسائیوں کی تمام کوششوں کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ مسیحیت اور بت پرستی کا آمیزہ تیار ہو کر ایک نیا مذہب وجود میں آگیا اس نقطہ پر اسلام عیسائیت سے قطعی مختلف ہے کہ اس نے بت پرستی کا بالکل خاتمہ کر کے اپنے عقائد کی اشاعت بغیر کسی میل ملاوٹ کے کی ہے۔"

> "اس دنیا کے غلام بادشاہ نے جس کے مذہبی عقائد کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اپنی ذاتی مصلحتوں اور عیسائی اور بت پرستوں کی منفعتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان دونوں جماعتوں کا ایک آمیزہ تیار کر دیا۔ تعجب تو یہ ہے کہ پختہ عقیدہ عیسائیوں

---

[1] Draper

نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ الٹا یہ سمجھنے لگے کہ اگر جدید مذہب کو پرانی بت پرستی سے غذا ملتی رہی تو یہ خوب پھل پھول جائے گا اور آخر کار عیسائی بت پرستی سے چھٹکارہ پالیں گے"۔ ؎

مسیح عقیدے میں جو بگاڑ قرون وسطیٰ میں پیدا ہوا۔ اس کے ثبوت کے لیے مغربی عیسائی کی یہ ایک شہادت ہی کافی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ بغیر تفصیل میں جائے ہوئے قرون وسطیٰ کی اس جاہلیت کے چند "بگاڑ" واضح کریں۔ حالانکہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس وقت لوگ مذہب کے زیر سایہ زندگی گزار رہے تھے

مسیحیت اور کلیسا

اللہ سبحانہ کے بھیجے ہوئے تمام ادیان کی طرح مسیحیت بھی عقیدہ اور شریعت پر مشتمل تھی ہر چند کہ انجیل میں زیادہ تفصیلات نہیں تھیں۔ بلکہ اس میں تورات کو بنیاد بنا کر بعض احکام میں جزوی تبدیلی کی گئی تھی۔ چنانچہ زبانِ الٰہی ہے:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ	انجیل تصدیق کرنے والی ہے۔ اپنے سے پہلی
مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم	کتاب تورات کی اور تاکہ میں حلال کر دوں بعض
بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ	ان چیزوں کو جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں۔

بہر کیف مسیحیت نے چند قوانین میں تبدیلی کے بعد تورات ہی کو نافذ کر دیا تھا۔

لیکن جو کچھ درحقیقت ہوا۔ اس میں روح مذہبی تعصبانہ تھی، باوجودیکہ قرون وسطیٰ کے یورپ میں کلیسا کو زبردست اقتدار حاصل تھا۔ پھر بھی قانون الٰہی صرف شخصی احوال ہی میں نافذ العمل تھا رہ گیا زندگی کا بڑا حصہ تو اس میں الٰہی قانون کے بجائے رومی قانون چلتا تھا۔ اگر آپ کا جی چاہے تو کہہ دیجیے کہ قدیم رومی جاہلیت کی حاکمیت تھی۔ گویا لوگوں کے ذہنوں پر مذہب کا غلبہ ہونے کے باوجود قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں پائی جانے والی دین و دنیا کی آویزش اس وقت کی جاہلیت کی سنگین علامت تھی۔

؎ "مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا" مولانا ابوالحسن علی الندوی

سوسائٹی میں کلیسا کے اثرات بڑے گہرے اور دُور رس تھے اور لوگوں کے ذہن کلیسا کی عظمت سے مرعوب تھے۔ اس کے باوجود بھی زندگی کے سارے معاملات رومی قانون ہی سے طے کیے جاتے تھے اور اس طرح کلیسا نے اپنے اس غلط طرزِ عمل سے رومانی قانون کے توسیع اور ہمہ گیری کے لیے خاصے مواقع مہیا کر دیے تھے۔ دین و دنیا کی دوئی ان کے ذہنوں پر اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ کاہنوں نے دنیا دوسروں کے حصّہ میں چھوڑ کر آسمانوں کی بادشاہت اپنے حصّہ میں لگالی تھی۔ جنت میں وہی داخل ہو سکتا تھا۔ جسے کاہنوں کی خوشنودی حاصل ہو۔ باقی سب محروم خیال کیے جاتے تھے۔

کلیسا کی گرفت معاشرے پر اتنی سخت تھی کہ اس نے دولت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی عقل و سدھ پر بھی ٹیکس لگا رکھے تھے۔ لوگوں سے عشر و تاوان لیا جاتا۔ انہیں مجبور کیا جاتا کہ وہ کلیسا کی زمینوں میں مفت کام کریں اور ان لشکروں میں جبری بھرتی ہو جائیں۔ جو کلیسا کے خلاف بغاوت کرنے والے بادشاہوں سے جنگ کیا کرتے تھے۔ کیا یہ انسانوں پر انسانوں کی حاکمیت نہ تھی؟ جب مقدس کاہن کسی راستے سے گزرتے تو لوگ ان کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے۔ کیا یہ انسانوں پر انسانوں کی بادشاہت نہ تھی۔ کلیسا کے پاس کچھ بے بنیاد علمی مفروضے تھے۔ جنہیں وہ لوگوں کے ذہنوں میں ٹھونسا کرتا تھا اور جس نے ان مفروضات کے خلاف آواز اٹھائی۔ اسے پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ چنانچہ جروانو، برونز، کوپرنیکس اور گیلیلیو نے ان بوسیدہ نظریات کو علمی انداز میں غلط ثابت کر دیا تو کلیسا نے ان مفکرین کو انتہائی سخت سزائیں دیں۔

مذہب کے نام پر جو جاہلیت قائم ہوئی تھی اس نے اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ اپنی جاہلیت میں کافی دُور تک چلی گئی۔ دیر اور خانقاہیں جو رہبانیت اور عبادت کے نام پر قائم کی گئی تھیں وہ برائیوں کے اڈے بن کر رہ گئیں جن میں خود راہب اور راہبات ہر قسم کے اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرتے تھے۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (الحدید: ۲۷)

اور رہبانیت جو انہوں نے ایجاد کر لی تھی وہ ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی، مگر اللہ کی رضامندی کے لیے۔ لیکن انہوں نے اس کی پوری پوری رعایت نہ کی۔

بالآخر تاریخ کے مشہور اور مضحکہ خیز مغفرت نامے بھی جاری ہوئے۔ جس نے دین کو ایک مذاق بنا کر رکھ دیا۔

یہ تھے قرونِ وسطیٰ کی جاہلیت کے چند بگاڑ جو یورپ میں مذہب کے نام پر وجود میں آئے تھے ـــــ جاہلیت جدیدہ ان سب جاہلیتوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اس مجموعہ میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ ـــــ آنے والے ابواب میں جاہلیت جدیدہ کے نقوش کو اچھی طرح واضح کیا جائے گا۔ یہاں صرف اس کی تاریخی حیثیت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیادیں، فرض کر لیجئے کہ مذہب دشمن نہ تھیں۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا مذہب سے دُور کا بھی واسطہ نہیں تھا! اور یہ بات فی الواقع اس وقت کے یورپ کے حالات کے مطابق تھی، چنانچہ جب قرونِ وسطیٰ میں یورپ اور اسلام میں صلیبی جنگیں ہوئیں! تو باوجودیکہ اس وقت کا یورپ پوری طرح مسیحی نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اسلام کے مقابلے کے لیے تمام یورپ امڈ پڑا۔ اور ان جنگوں میں انہوں نے اکثر و بیشتر وحشت و بربریت کا ثبوت دیا۔ تعصب بذاتِ خود غلط دینداری کی دلیل ہے۔ کیونکہ صحیح دیندار تعصب کی بجائے اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر چلتا ہے۔

خواہ کچھ بھی ہو۔ یورپ کو اسلام سے ٹکراؤ کے وقت اللہ کے دین کے اپنانے کا جو ایک موقع ہاتھ آیا تھا۔ اس نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ اپنی جاہلیت میں سرتاپا ڈوبا رہا۔ یہ بات اس مرحلے پر آکر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ کچھ اور بھی محرکات تھے جو اس گاڑی کو دھکیل رہے تھے۔

صلیبیوں اور مسلمانوں کا ٹکراؤ درحقیقت مغرب میں بنیادی تبدیلی کی پیش بندی تھا۔ جیسا کہ مغرب اور اندلس میں مسلمانوں اور یورپ کے لوگوں کی آمیزش نے یورپ کی تاریخ میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

بریفالٹ اپنی کتاب 'تعمیرِ انسانیت'[۱] میں لکھتا ہے:

"جدید دنیا پر عربی تہذیب (اسلامی تہذیب مراد ہے۔ جیسا کہ مصنف نے آگے چل کر

---

[۱] The Making of Humanity

خود وضاحت کی ہے ؎) کا سب سے بڑا احسان علم ہے۔ لیکن اس کے نتائج کافی بعد میں رونما ہوئے۔ جس عظیم جینئس نے اسپین میں عربی تہذیب کو جنم دیا تھا وہ ایک طویل وقت گذارنے کے بعد اپنے شباب کو پہنچی اور تنہا علم ہی نے یورپ کو حیات نو عطا نہیں کی۔ بلکہ اسلامی تہذیب کے اور بھی بہت سے مؤثرات کارفرما تھے۔ جن اسلامی تہذیب نے اپنے افق کی پہلی کرنیں یورپ پر ڈالیں۔ یورپ کی ترقی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے۔ جو اسلامی تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر رہ گیا ہو۔ بلکہ اسلامی تہذیب نے تو کچھ ایسے محرکات بھی فراہم کئے ہیں۔ جس نے جدید دنیا کی اصل اور ممتاز ترین قوت عطا کی ہے۔ یعنی علوم طبیعیہ اور علمی بحث کی روح ؎

صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے معاندانہ ٹکراؤ، اور اسپین میں مسلمانوں سے مصالحانہ میل جول کا نتیجہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ لیکن بجائے اس کے کہ یہ نشاۃ اللہ کے راستے پر چلتی جو درحقیقت اسلامی تہذیب کی بنیاد تھی ——— اس نے نہایت تندہی سے اسلام کا مقابلہ شروع کر دیا اور ساتھ ہی مذہب اور عقیدے کی آویزش بھی شروع ہو گئی۔

اسلام سے جنگ (جو صلیبی جنگوں میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی) کی بنیاد ایک احمقانہ تعصب کے سوا کچھ نہ تھی۔ البتہ دین سے جنگ کا جذبہ خود کلیسا کی حماقتوں کا نتیجہ تھا۔

کلیسا چاہتا تھا کہ لوگ جہالت میں مبتلا رہیں۔ اس لئے کہ اگر عوام نے علم حاصل کر لیا اور انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ کلیسا کے پاس صرف دیومالا اور ضمنیات ہیں تو ظاہر ہے کہ لوگ کلیسا کی قیادت تسلیم نہ کریں گے۔ چنانچہ کلیسا عوام کو علم سے دور رکھنے کی کوششوں میں خود علم سے برسرپیکار ہو گیا۔

آزادی ظالم حکمران کے لیے ہمیشہ خطرناک رہی ہے۔ اگر عوام ایک دفعہ آزادی کا مزا چکھ لیں، تو وہ کبھی بھی غلامی نہیں برداشت کر سکتے۔ خواہ وہ غلامی مذہب کے نام پر کیوں نہ ہو چنانچہ کلیسا اپنی ظالم حاکمیت برقرار رکھنے کے لیے شجر آزادی کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوششوں میں لگ رہا

؎ تاریخ کسی عربی تہذیب سے واقف نہیں ہے۔ رہا کہ اسلامی تہذیب تو وہ عربی نہ تھی۔ بلکہ براہ راست وہ اسلامی تہذیب تھی۔ اس پر اسلام کی مہر تھی عرب کی نشانی نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تہذیب میں جہاں اور بہت سی قوموں کا حصہ تھا، وہاں عرب بھی حصہ دار تھے۔

کلیسا میں ہر قسم کے گناہ ہوتے تھے۔ لیکن عوام سے وہ زہد و تقویٰ کا مطالبہ کرتے تھے۔ ان سب مظالم اور عوام کو کچلنے والی جاگیرداری کے ساتھ ساتھ عوام پر تاوان اور عشور کا بوجھ بھی تھا۔

ظاہر ہے ایسی صورت میں جو بھی نشاۃ ثانیہ ہو۔ وہ ایسے دین سے دگرررہ کر ہی ہو سکتی ہے اگرچہ دین دشمنی کی بنیادوں پر نہ ہو۔ اور یہی درحقیقت ہوا بھی۔ کہ

نشاۃ ثانیہ غیر دینی (SECULAR) بنیادوں پر ہوئی اور آہستہ آہستہ دین اور عقیدے سے بالکل دور ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ مسیحیت سے پہلے کی یونانی اور رومی میراث کی طرف پلٹ آئی۔ یعنی جاہلیت جدیدہ تاریک دور سے پہلے کی دو بڑی جاہلیتوں کی طرف پلٹ گئی۔ اور سمجھا یہ گیا کہ ہم تاریکی سے روشنی میں آ گئے۔

اور درحقیقت تھی بھی روشنی جو عالم اسلام سے تاریک یورپ پر چمکی تھی۔ اس روشنی نے ان کی عقلوں کو خرافات سے چھٹکارا دلایا اور وہ کلیسا کی ذلیل اور ظالم بادشاہت سے نجات پا کر آزادی کی طرف رواں دواں ہو گئے۔

لیکن یورپ نے یہ روشنی صحیح بنیادوں پر حاصل نہیں کی اور نہ ہی صحیح ہدایت سے وابستہ ہوئے۔ اور نہ اس اسلام کے راستے پر چلے جس سے یہ نور حاصل کیا تھا۔

یورپ تو اپنے ان معلمین سے بھی بدل گیا۔ جن سے علم حاصل کیا تھا انہی معلمین کو اندلس سے نکالنے اور اندلس کو اپنی ظالم بادشاہت میں شامل کرنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف تحقیقاتی عدالتیں[1] قائم کی گئیں۔ یورپ نے مسلمانوں سے علم سیکھا۔ تہذیب سیکھی اور نظریۂ آزادی حاصل کیا۔ مسلمانوں سے تجربی علوم حاصل کیے اور ان پر اپنی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی۔

یورپ نے مسلمانوں سے ایک قوم بننا سیکھا۔ جب کہ ان کے یہاں علیحدہ علیحدہ جاگیرداریاں ہوتی تھیں اور ہر جاگیرداری اپنی جگہ پر ایک سرکش اور باغی طاقت ہوتی تھی۔ ہر قسم کے قانونی اور عدالتی فیصلے من مانی ہوتے تھے اور ہر جاگیردار اپنی جاگیر میں غلاموں کا اللہ اور رب الارباب بنا بیٹھا تھا

یورپ نے مسلمانوں سے آزادی کا سبق سیکھ کر انسان کی ذات اور اس کی شخصیت کو دم گھونٹنے والی آزادی سے نجات تو دلا دی لیکن اس کے باوجود وہ جاہلیت کی گرفت سے آزاد

[1] Inquisition Courts

نہ ہوسکا کیونکہ اس نے اللہ کی ہدایت کو نہیں مانا۔ اور جو روشنی اس نے عالم اسلام سے حاصل کی تھی اس کا بھی رشتہ قدیم یونانی اور رومی جاہلیتوں سے ملا دیا۔ بہر کیف اس طرح یورپ کے ہاتھ سے اللہ کی ہدایت کو پانے کا یہ موقعہ جاتا رہا۔

اور یورپ نے علم و تمدن اور آزادی حاصل کی اور ایک بلند اور عظیم تہذیب کی بنیاد رکھی۔ لیکن یہ ساری تہذیب انہی ستونوں پر آرہی جو اسے سہارا دے رہے تھے۔!

یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ جاہلیت علم، تہذیب و تمدن اور مادی ترقیات کے بالمقابل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب باتیں موجود ہوتی ہیں اور قومیں پھر بھی جاہلیت کے اندھیاروں میں بھٹکتی پھرتی ہیں!!

یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جاہلیت میں کچھ فائدہ مند باتیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن بہر حال ان سے جاہلیت کی تاریکی چھٹ نہیں جاتی اور نہ ہی جاہلیت ہلاکت اور تباہی سے بچتی ہے!

ہم بات کو جلد ختم کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہم تو تاریخ کے ساتھ ساتھ چلنا چاہتے ہیں۔

جس وقت تحریک اصلاحِ مذہب کام کر رہی تھی۔ عین اسی وقت سرمایہ داری غیر دینی بنیادوں پر دنیا میں انقلابات برپا کر رہی تھی۔ سرمایہ داری کی بنیادیں سود، دھوکہ اور فریب تھیں محنت کشوں پر بے انتہا مظالم ہو رہے تھے اور ان کا خون چوسا جا رہا تھا اور دینی مصلحین دیگر ان کی اصلاح کے چکر میں پڑے ہوئے تھے۔

خیر یہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا لیکن مذہب اور زندگی کی دوری یورپ میں صدیوں چلتی رہی۔ مگر تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس بات کو محسوس کرنے میں غلطی نہیں کرے گا کہ زندگی کے تمام معاملات میں لادینی رجحانات ہی غالب قوت تھے اور انہی رجحانات کے ماتحت یورپ آہستہ آہستہ دین سے دور ہوتا چلا گیا۔

یہ تبدیلی بڑی آہستہ آہستہ آتی رہی۔ حتیٰ کہ انیسویں صدی اپنے دامن میں یورپ کی تاریخ کے عظیم ترین واقعات لیے ہوئے آگئی۔ اور

خاص طور پر دو واقعات نے تاریخ کا رُخ موڑ کر رکھ دیا۔

ڈارونیت اور صنعتی انقلاب

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ڈارونیت اور صنعتی انقلاب میں قرون وسطیٰ کی باقی ماندہ

عمارت ڈھانے کے بارے میں کوئی سمجھوتہ ہوگیا ہو — یا یہ کہہ لیجیے کہ دونوں ہی قرونِ وسطیٰ کی جاہلیت کے آثار مٹا کر ایک نئی بلند و بالا۔ جدید جاہلیت کی تعمیر میں لگ گئے۔

ڈارونیت نے افکار و نظریات کی دنیا میں تہلکہ مچادیا اور صنعتی انقلاب نے عملی دنیا میں عقیدے کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

مذہب سے دُوری اچانک رونما نہیں ہوئی کیونکہ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ انسانی نفوس میں تبدیلی بہت ہی آہستہ آہستہ رونما ہوتی ہے۔ اور اگر یہ تبدیلی ایک ایک فرد میں علیحدہ علیحدہ آرہی ہو تو رفتار تبدیلی اور بھی سست ہوتی ہے۔ کیونکہ جماعتی ہم آہنگی افکار و مشاعر کو تیز رفتار گراوٹ سے بچاتی ہے اور ہر نئے خیال کے لیے ایک قسم کی روک ثابت ہوتی ہے۔ قطع نظر اس امر سے کہ سوسائٹی کی عمارت خیر پر قائم ہے یا شر پر!! — اور — یہی وجہ ہے کہ یورپ صدیوں تک مسیحی بھی رہا اور بت پرست بھی!

نشاۃ ثانیہ نے یونانی اور رومی جاہلیتوں سے استفادہ کیا اور جو مواد اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم سے حاصل ہُوا۔ اس کا رُخ بھی انہی جاہلیتوں کی طرف کردیا۔

اگرچہ عقیدہ لوگوں کے دلوں میں پیوست تھا۔ جس کی بنا پر وہ لوگوں کی ذاتی زندگی اور زندگی کے بعض گوشوں میں مؤثر کردار بھی ادا کر رہا تھا لیکن پھر بھی آہستہ آہستہ زندگی کے ایسے معنی و مفہوم چھانٹے جارہے تھے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اس کے برعکس تھے۔

اسی دوری کے سائے تلے تحریکِ اصلاح مذہب پروان چڑھی۔ یہ تحریک مذہب کو بُرائیوں سے پاک کرکے زندگی میں اس کے اثرات زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہتی تھی لیکن ایسا ہونا ممکن نہ تھا اور نہ ہی فی الحقیقت ایسا ہُوا۔ کیونکہ مصلحین کا ذہن خود بھی مذہب اور زندگی کی دُوئی اور تفریق سے خالی نہ تھا۔ وہ خود بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ نماز تو کلیسا کی ہے لیکن زندگی کے معاملات میں اللہ کے قانون کے سوا کسی بھی قانون کی حکمرانی ہوسکتی ہے

اور سب سے بڑی وجہ یہ کہ تحریک اصلاح مذہب کا اصل محرک، مذہبی نہ تھا۔ بلکہ قومی تھا۔ سارا مدعا یہ تھا کہ اگر ہمارا کلیسا رومن کلیسا سے علیحدہ ہوجائے تو ہماری جداگانہ قومیت واضح ہوجائے گی اور یہ بات بجائے خود عقیدے کے خلاف ہے۔ کیونکہ عقیدہ تو لوگوں کو اللہ کی وحدت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانیت کو پارہ پارہ نہیں کرتا۔

ڈارون[1] ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۵۹ء میں اس نے اپنی کتاب "اصل انواع" اور ۱۸۷۱ء میں "اصل انسان" شائع کی۔

اس کے بعد پے در پے عقیدے اور فکر کی دنیا میں حوادث رونما ہونے لگے۔

اور — بوتل میں جو جن بند تھا وہ آزاد ہو گیا اور یہ جن تھا —— فلسفۂ ارتقاء!

ظالم جن نے اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو توڑ پھوڑ کر مٹا دیا۔

میں نے اپنی کتاب "جمود و ارتقاء"[2] میں اس ٹکراؤ کا ذکر کیا ہے جو ڈارونیت نے عقیدے کی دنیا بلکہ سارے مغربی فکر میں برپا کر دیا تھا۔ تمام بحث کا تو یہاں دہرانا مشکل ہے صرف مختصر سا تذکرہ کیے دیتا ہوں۔

فلسفۂ ارتقاء جب ڈارون کے دارالمطالعہ سے نکل کر تعلیم یافتہ لوگوں اور عوام تک پہنچا تو ان کو کوئی بھی شے ثابت غیر متغیر نظر نہ آئی حتیٰ کہ اللہ کا وجود بھی فلسفۂ ارتقاء کی زد میں آ گیا۔

کلیسا اور ڈارون کے درمیان زبردست جنگ چھڑ گئی۔ کلیسا نے ڈارون کو ملحد گردانا اور ڈارون نے کلیسا کو تنگ نظری اور جہالت کا طعنہ دیا۔ ابتداء میں عوام کلیسا کے ہمنوا رہے کیونکہ ایک تو مذہب کا چھوڑنا ان کے لیے مشکل تھا، دوسرے ڈارون نے انہیں ایک گندے کیڑے سے جا ملایا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد عوام ڈارون سے مل گئے۔ کیونکہ اس کی تائید کر کے وہ اپنی گردنیں کلیسا سے چھڑا سکتے تھے۔

اس جنگ کا اختتام فلسفۂ ارتقاء کی فتح اور مذہب کی شکست پر ہوا۔ —— اور ——

—— اسی دوران صنعتی انقلاب نے زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور سوسائٹی کی شکل بالکل بدل کر

(۱) چارلیس رابرٹ ڈارون (Charles Robre Drawn 1809 - 1882)

مشہور انگریز سائنس دان جس نے نظریۂ ارتقاء Evolution Theory اور بقائے اصلح Survival of the Fittest کے اصول پیش کیے۔ (س۔ صدیقی)

(۲) التطور والثبات: اس کتاب کا راقم الحروف کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

رکھ دی، تاکہ نئی عمارت قائم کی جاسکے ۔ ایسی عمارت جس کا عقیدے سے کوئی تعلق نہ ہو۔
جس کی ہر بات دین سے متصادم ہو۔

سرمایہ داری نے دین کی تعلیمات کو رسوا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، اس نے چوری بھی کی، لوٹا بھی اور قتل بھی کیا اور خون بھی بہائے ۔ لوگوں کو ان کی سادہ زندگی سے دور لے گئی، تاکہ آسائشات کو فروخت کر کے مزید نفع حاصل کیا جاسکے ۔ سرمایہ داری نے عورتوں کو ایک لقمہ کی تلاش میں گھروں سے نکالا اور اس ایک لقمہ کے عوض اس کے اخلاق کو برباد کیا ۔ پھر انہیں مزدوروں کی ہڑتالیں ختم کرنے کا ذریعہ بنایا، کیونکہ مزدور سرمایہ داری کی غلامی اور معمولی اجرت پر اپنا خون پسینہ بہانے پر انتہائی ناخوش تھے ۔ سرمایہ داری نے نوجوان مزدوروں کو ان کے گھر میل سے دور کام پر لگایا اور ان کے اخلاق کو برباد کیا اور فحاشی کے ذریعے ان کی مالی مشکل کا حل پیش کیا ۔

اس طرح سرمایہ داری نے ہر عقیدہ اور ہر قسم کے اخلاق کو شکست کر دیا ۔

یہ سارا قصہ ڈارونیت اور صنعتی انقلاب پر آکر ختم نہیں ہو گیا ۔

کیونکہ پس منظر میں کچھ شیطان بھی موجود تھے ۔ اور یہ سارے شیطان اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کیلئے بین الاقوامی یہودی تحریک میں موجود تھے اور یہ دنیا کے تمام انسانوں پر یہودیوں کی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے ۔

تالمود کہتی ہے کہ "غیر یہودی گدھوں کو اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ اللہ کی پسندیدہ قوم ان پر سواری کرے ۔"

اور یہودیوں کی خفیہ تعلیم کہتی ہے "غیر یہودیوں کی غفلت کے منتظر رہو اور جونہی ان گدھوں کو غافل دیکھو ۔ فوراً دبوچ لو ۔"

یہی سبب ہے کہ عالمی یہودی تحریک نے یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے لادینی ہونے پر بڑی بغلیں بجائیں ۔ کیونکہ نشاۃ ثانیہ کا لادینی بنیادوں پر قائم ہونا، درحقیقت مذہب کے خاتمہ کی پیش بندی تھی ۔ مذہب ہی دراصل یہودی تحریک کا دشمن ہے ۔ مذہب ہی ان شیطانوں کے مکر کا جواب ہے ۔ ذرا مذہب کے بندھن ڈھیلے ہونے اور شیطانوں کو گدھوں پر سواری کا موقع ملا ۔!

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ ... میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چل سکتا، ہاں وہ لوگ جو گمراہی میں پڑ گئے ۔

الغاوین (الحجر ۴۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (النحل: ۱۰۰)	شیطان کا ان لوگوں پر بس نہیں چلتا جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے رب پر بھروسہ کیا

اور اللہ فرماتا ہے:

اِنَّمَا سُلْطَانُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ (النحل: ۹۹)	شیطان کا بس ان لوگوں پر چل سکتا ہے، جو اس کو اپنا دوست بناتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں

شیطان کی مددگار اور شیطان کی دوست عالمی یہودی تحریک موقع کی منتظر رہی حتیٰ کہ دو عظیم تاریخی واقعات نے اس کی مشکل حل کر دی: ڈارونیت اور صنعتی انقلاب۔

ہو سکتا ہے کہ ڈارون شیطان نہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا ارادہ انسانیت کے ساتھ برائی کرنے کا نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے وہی باتیں بیان کی ہوں جن کو وہ صحیح خیال کرتا تھا۔ حالانکہ اس کے نظریے میں بہت سی غلطیاں تھیں۔ جن سے خود جدید ڈارونیت[1] نے پردہ اٹھایا ہے اگرچہ جدید ڈارونیت بھی انسان کی حیوانیت پر یقین رکھتی ہے اور یہ کہ علم نے انسان کو ایک مخصوص طبیعیاتی شخصیت دی ہے۔ ان تمام غلطیوں کے باوجود ہو سکتا ہے ان خیالات کی پیش کش میں اس کی نیت خراب نہ ہو۔

بہرکیف اس کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اس نے اپنے تمام نظریات کو دین سے علیحدہ کر لیا۔ وہ کہتا ہے کہ "زندگی کے معنی میں اللہ کا دخل ایسا ہے جیسے کسی خالص میکانکی ڈھانچے میں کوئی خلاف طبیعت نعرۂ ضرآجائے"۔ وہ کہتا ہے "طبیعت ہر مسئلے کو پیدا کرتی ہے۔ اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے"۔

بہرحال یہودی شیطانوں میں تمام خباثتیں بھری ہوئی تھیں اور وہ جان بوجھ کر انسان کی تباہی پر آمادہ تھے۔ چنانچہ

یہودیوں کے پروٹوکول میں ہے "ڈارون اگرچہ یہودی نہیں ہے لیکن ہمیں معلوم ہے کہ ہمیں ... کی آرا کی اشاعت کر کے دین کا بھرم کس طرح ختم کرنا چاہیے"۔

پروٹوکول میں ہے: "ہم نے ڈارون، مارکس اور نطشے کی کامیابی کا پروگرام بنا لیا ہے کہ ہم کس

---

[1] [illegible] Darwinism

طرح ان کے خیالات کی اشاعت کریں گے۔ اصل میں ان کے علوم سے غیر یہودی فکر میں جو اخلاقی گراوٹ رونما ہوگی۔ اسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں"

عالمی یہودیت اور نظریۂ ارتقاء

عالمی یہودیت نے نظریۂ ارتقاء سے خوب اچھی طرح کام لیا اور اس مغربی جاہلیت میں باقی ماندہ ہر خوبی کا تودہ مارکس، فرائڈ اور ڈرکایم کے ہاتھوں گلا گھونٹ دیا۔ یہ تینوں یہودی دین کا مذاق اڑاتے تھے اور اس کی شکل مسخ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ چنانچہ

ڈرکایم کہتا ہے کہ مذہب غیر فطری امر ہے۔

مارکس یہودی نے کہا مذہب قوموں کی افیون ہے اور مذہب تو چند کہانیوں کا مجموعہ ہے جسے جاگیردار اور سرمایہ داروں نے عوام پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیئے گھڑا ہے اور اس طرح بے چارے عوام کو جنت کا لالچ دے کر انہیں زندگی کی محرومیوں سے غافل بنا دیا ہے۔

فرائڈ کہتا ہے کہ مذہب انسان کی محرومی اور ناکامی کی پیداوار ہے۔ مذہب اس جنسی عشق کی پیداوار ہے جو لڑکا اپنی ماں سے کرتا ہے اور مذہب پیداوار ہے اس خواہش کی جو لڑکے کو اپنے باپ کے قتل کی ہوتی ہے۔

بہرحال ان تینوں نے اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔

ڈرکایم کہتا ہے کہ جرم خیالی چیز ہے اور نکاح فطرت کے خلاف ہے اور اخلاق کو کسی نظام کے طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ان تمام باتوں کا دارومدار سوسائٹی کی عقل پر ہے۔ جو کسی مقام پر نہیں ٹھہرتی۔

مارکس کہتا ہے کہ اخلاق اقتصادی صورت کا عکس ہے اور یہ صورت حال ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، جس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

فرائڈ کہتا ہے کہ اخلاق ظلم کی نشانی ہے اور انسانیت کے لیئے سخت نقصان دہ ہے۔

یہودیوں کی یہ عالمی سازش اسی مرحلے پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس سازش نے عورت کو بھی گھر سے باہر نکالا اور مارکس نے عورتوں کے عملی زندگی میں حصہ لینے پر زور دیا۔ ڈرکایم نے شادی کو

خلافِ فطرت قرار دیا اور فرائیڈ نے کہا کہ عورت کو ہر صورت میں اپنے جنسی وجود کی تکمیل کرنی چاہیئے۔

یہودیت نے صرف نظریات میں تہلکہ مچانے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ عمل کی دنیا میں بھی قدم رکھا۔ یہودیت نے جہاں ڈارون کے فلسفۂ ارتقا کو اس طرح کام میں لگایا کہ خود ڈارون کے بھی خواب خیال میں نہ ہوگا۔ وہاں اس نے صنعتی انقلاب کو بھی فساد کی راہ پر لگا دیا ——— کیونکہ ——— سرمایہ داری خود یہودیوں کی شیطنت ہے۔ جس سے یہودیوں نے اپنے جذبۂ سود خواری کی تسکین کی ہے۔

سرمایہ داری صرف نفع بخش اشیاء پیش نہیں کرتی۔ بلکہ اس کا ایک کارنامہ سینما بھی ہے۔ جو دراصل یہودی ذہن کی پیداوار ہے۔ جس کا مقصد جنسی مناظر دکھا کر نئی نسل کو تباہ کرنا ہے۔

غرض جتنے بھی لباس و زینت کے مراکز ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہے کہ جس عورت کو ڈارون نے عمل کے لیے گھروں سے باہر نکالا تھا۔ اسے لوگوں کے لیے فتنہ بنا کر پیش کریں، تاکہ لوگوں کے دل اس فریب میں مبتلا ہو جائیں اور ان کے عقائد کے بندھن ڈھیلے پڑ جائیں۔ اور ساری دنیا ایک ایسا فحاشی کا اڈا بن جائے جس میں مرد و عورت گندی خواہشات کے سمندر میں گردنوں تک ڈوبے ہوئے ہوں۔

یہی وہ وقت ہوگا جب یہودی، غیر یہودی گدھوں پر سواری کر سکیں گے اور اپنے اس شیطانی خواب کو شرمندۂ تعبیر کر سکیں گے۔ جن سے ان کی مقدس کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

غرض بالآخر جدید جاہلیت ساری دنیا پر مسلط ہو گئی اور یورپ جہاں گہری تاریخی بنیادوں پہ جاہلیت نے نشو و نما پائی وہی ساری دنیا کا چودھری بن بیٹھا اور اس کی جاہل فکر پوری بنی نوع انسان کے ذہنوں پر چھا گئی۔

یونانی جاہلیت، رومی جاہلیت، قرونِ وسطیٰ کی جاہلیت، ڈارونیت اور صنعتی انقلاب کے زیرِ سایہ ابھرنے والی مذہب دشمن جاہلیت۔ ان سب جاہلیتوں کے مجموعہ کا نام جاہلیت جدیدہ اور بیسویں صدی کی جاہلیت ہے۔

اور یہ جاہلیت یورپ تک محدود نہیں رہی۔ کیونکہ یورپ نے اپنی سامراجیت کے ساتھ جاہلیت کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ جاہلیت جدیدہ پوری دنیا پہ چھا گئی ہے۔ جاہلیت کی تاریخ بیان کرنے کے بعد اب ہم جاہلیت جدیدہ کی علامات کا ذکر کرتے ہیں۔

جدید جاہلیت کی علامات

تاریخ کی ہر جاہلیت میں کچھ ایسی مخصوص علامتیں ہوتی ہیں جو اسے دوسری جاہلیت سے ممتاز کرتی ہیں۔ یہ علامتیں درحقیقت اس سوسائٹی کی ہوتی ہیں جس میں جاہلیت موجود ہوتی ہے یا اس اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی صورت حال کی ہوتی ہیں۔ جس میں وہ جاہلیت گھری ہوئی ہوتی ہے اور کچھ ایسی بنیادی خصوصیات بھی ہوتی ہیں۔ جو تمام جاہلیتوں میں بطور قدر مشترک پائی جاتی ہیں اور مجموعی حیثیت سے جاہلیت کی ایک واضح علامت بن جاتی ہیں۔

آئندہ دو ابواب میں ہم جاہلیت جدیدہ کے اس بگاڑ کو واضح کریں گے۔ جو نظریات اور واقعات کی دنیا میں ظاہر ہوئے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ہم جاہلیت جدیدہ کی چند خصوصیات کا ذکر کریں گے۔ جس طرح ہم نے گزشتہ باب میں یہ جائزہ لیا تھا کہ جاہلیت جدیدہ کب پیدا ہوئی اور اس کا نمو و ارتقاء کس طرح ہوا۔

جاہلیت کی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہوا کرتی ہے کہ جاہلیت اللہ سبحانہٗ پر ایمان نہیں رکھتی۔ یہ خصوصیت نہ صرف یہ کہ دنیا کی تمام جاہلیتوں میں پائی جاتی ہے بلکہ یہی وہ جڑ و بنیاد ہے جس سے جاہلیت ابھرتی اور پھلتی پھولتی ہے اور بالآخر فکر و عمل کے سارے بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے۔

جبکہ صحیح عقیدہ وہ ہے جو انسان کو کائنات میں اس کے صحیح مقام عطا کرے۔ اس کی نقطۂ نظر کو درست کرے۔ اس کی صحیح سمت متعین کرے۔ اس کو طریق مستقیم کی راہنمائی کرے۔ اس کے وجدان و سلوک میں ربط اور اس کے فکر و عمل میں ہم آہنگی پیدا کرے اگر یہ ہو کہ زندگی کے ایک پہلو میں عقیدہ کارفرما ہو اور اس کے باقی پہلو عقیدے کی بالادستی سے خالی ہوں، تو اس کو عقیدے کے مطابق زندگی گزارنا نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ بھی جاہلیت کی ہی صورت ہوگی اور سوسائٹی جاہلیت کے

اس سارے بگاڑ کو بھگت کر رہے گی جو اس جاہلیت کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ یہی اللہ کی سنت ہے اور جب کبھی اور جہاں کہیں اس عقیدے میں ذرا سا بھی انحراف رونما ہوگا تو انسانیت کا ڈھانچہ اس طرح مضطرب ہو جائے گا۔ جیسے مقناطیسی سوئی لرزتے رہ جاتی ہے۔ انسانیت کا ایک ڈھانچہ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، انسان مضطرب ہو جائے گا اور اس کے فکر و عمل اور وجدان و سلوک میں ہم آہنگی ختم ہو جائے گی۔ پھر انسانیت میں نہ تو وہ وحدت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ اسے امن و سکون نصیب ہو سکتا ہے۔ وہ امن و سکون جس سے انسان اسی وقت متمتع ہو سکتا ہے جب اس کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور راستہ بھی صحیح ہو۔ اور جب کبھی عقیدے سے انحراف ہوا، جاہلیت آموجود ہوئی۔ اس لیے کہ دراصل جاہلیت اللہ کی عبادت سے انحراف ہے۔ کیونکہ عبادت انسان کے اس عقیدے کی عملی تعبیر ہے کہ انسان نے زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کو حاکم تسلیم کر لیا ہے۔ اللہ سے انحراف کے بعد انسان اضطراب اور تفریق اور پراگندگی کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ اضطراب اور پراگندگی اس کے سارے فکر و عمل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اللہ کا اور بندے کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور انسان اور انسان کے باہمی رشتے اور انسان کے زندگی اور کائنات کے ساتھ تعلقات جاہلیت کے بگاڑ کا شکار ہو کر پراگندہ ہو جاتے ہیں۔

غرض جب بھی کبھی تاریخ میں بنی نوعِ انسان نے اللہ کی عبادت سے انحراف کیا تو اس انحراف کے نتیجے میں انسان کے باہمی تعلقات اور اس کے فکر و عمل میں بھی اضطراب پیدا ہو گیا۔ کیونکہ انسان اس بات کو مانے یا نہ مانے حقیقت یہی ہے کہ ان تمام امور کی تنظیم اور ترتیب عقیدے ہی سے قائم ہوتی ہے۔ عقیدہ درست ہوگا تو پورا سماج درست ہوگا اور اگر عقیدہ نادرست ہو تو ساری انسانی زندگی میں اضطراب سرایت کر جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیجئے کہ زمین پر اللہ کی عبادت اور اضطراب اور پراگندگی بیک وقت موجود نہیں ہوتے۔

عقیدہ کا سطحی وجود

بہرحال یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ عملی زندگی سے منقطع عقیدے کا سطحی سا وجود ہو بلکہ اصل بات یہ ہے کہ عقیدہ ہی معاشرے کا فعال محرک ہو اور سارے کی ساری زندگی اسی کے زیر اثر ہو۔ اس کے خلاف سوسائٹی کی ہر صورت خواہ اس میں عقیدہ پایا جاتے یا نہ پایا جاتے۔ جاہلیت کی ایک شکل ہے اور سوسائٹی جاہلیت کے اس سارے بگاڑ کو بھگت کر کے رہے گی۔ جو

اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کی سنت ہے۔

زمانۂ جاہلیت کے عرب اللہ کو پہچانتے تھے۔ اس کے وجود پر ایمان رکھتے تھے اور اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے لیکن یہ توجہ درست اور صحیح توجہ نہ تھی۔ چنانچہ ان عربوں کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ۔

اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا۔ تو وہ یقیناً کہیں گے کہ 'اللہ' نے۔

(سورہ لقمان : ۲۵)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ۔

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ خود انہیں کس پیدا کیا تو وہ کہیں گے 'اللہ' نے۔

(سورہ زخرف : ۸۷)

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ۔

آپ فرما دیجئے کہ تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے۔ کیا وہ کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے۔ کیا وہ جو مردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور کائنات کا انتظام کون کرتا ہے۔ وہ یقیناً کہیں گے کہ 'اللہ'!

(سورہ یونس : ۳۱)

قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا

آپ فرما دیجئے۔ زمین اور اس کی تمام اشیا کس کی ملکیت ہیں وہ یقیناً کہیں گے اللہ۔ آپ فرما دیجئے پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ آپ فرما دیجئے۔ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے۔ یقیناً کہیں گے اللہ

تَتَّقُوْنَ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ (المؤمنون: ۸۴-۸۹)

آپ فرما دیجیے پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ آپ فرما دیجیے کس کے قبضۂ قدرت میں ہر ایک چیز ہے کہ وہ بدلہ دیتا ہے۔ لیکن اس کو بدلہ نہیں دیا جاتا۔ اگر تم جانتے ہو وہ یقیناً کہیں گے اللہ۔ آپ فرما دیجیے پھر تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو۔

بہرکیف جاہلی عرب اللہ کو پہچانتے تھے اور اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی پادشاہی ہے۔!

لیکن ان کی جاہلیت یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پوری پوری طرح نہیں پہچانتے تھے نہ اللہ پر سچائی کے ساتھ ایمان رکھتے تھے اور اس کو تن تنہا اپنے تمام معاملات میں حاکم بناتے تھے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الانعام: ۹۱)

"ان لوگوں نے اللہ کا بہت غلط اندازہ لگایا"

یہ لوگ اللہ کو پہچانتے بھی تھے اور ساتھ ہی بتوں کی پوجا بھی کرتے تھے ..... یہ ان کے اعتقاد کی خرابی تھی اور وہ اللہ کو پہچانتے بھی تھے اور اس کی شریعت کو نافذ بھی نہ کرتے تھے۔ اور نہ اللہ کو اپنے تمام معاملات میں اپنا حکم بناتے تھے ..... یہ ان کی عملی خرابی تھی۔

اس اعتقادی اور عملی خرابی کی بنا پر وہ کافر تھے اور جاہل تھے۔

اور جس جاہلیت سے قرآن ڈرا رہا ہے وہ اعتقادی اور عملی خرابی دونوں کو شامل ہے۔

عقیدے کے معاملے میں ان کے اس بہانے کو قرآن نے تسلیم نہیں کیا۔

کہ وہ ان بتوں اور دیوتاؤں کی بذات خود عبادت نہیں کرتے۔ بلکہ یہ تو اللہ تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہیں۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

خبردار دین خالص اللہ کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ اپنے اولیاء بنائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کرنے کا

فِيمَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ (زمر: ۳)

وسیلہ ہیں۔ بیشک اللہ فیصلہ کرے گا کہ وہ کس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ اللہ جھوٹے کافر کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

رہ گیا شریعت کا مسئلہ تو قرآن نے نہایت سختی سے بتایا ہے کہ عقیدہ اور شریعت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر شریعت سے انحراف کرتے ہو اور زندگی کے کسی معاملے میں غیر اللہ کو حاکم بناتے ہو تو تمہارا ایمان ہی مقبول نہیں۔

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ سارے نبی جو مسلم تھے اسی کے مطابق ان یہودی بن جانے والوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اور اسی طرح ربانی اور احبار بھی اسی پر فیصلہ کرتے تھے، کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس اے گروہ یہود تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور میری آیات کو ذرا ذرا سے معاوضے لے کر بیچنا چھوڑ دو۔ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہ ہی کافر ہیں۔ تورات میں ہم نے یہودیوں پر حکم لکھ دیا تھا، کہ جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لئے برابر کا بدلہ پھر جو قصاص کا صدقہ کرے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ہی ظالم

الظّٰلِمُوْنَ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ
بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ
وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ
وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَا
اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ـ ثُمَّ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ
وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ
مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا
الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ
وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ
اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ

ہیں، پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریم
کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھیجا، تورات میں جو کچھ اس
کے سامنے موجود تھا۔ وہ اس کی تصدیق کرنے
والا تھا اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں
رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے
جو کچھ اس وقت موجود تھا۔ اس کی تصدیق کرنے
والی تھی اور خدا ترس لوگوں کے لیے سراسر
ہدایت اور نصیحت تھی۔ ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل
اس قانون کے مطابق جو اللہ نے اس میں نازل
کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے
مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ ہی فاسق ہیں۔ پھر اے
محمدؐ ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی۔ جو حق
لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس
کے آگے موجود ہے۔ اس کی تصدیق کرنے والی
اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہٰذا تم خدا کے
قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ
کرو اور حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے
منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، ہم
نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت
اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے۔ اگرچہ تمہارا خدا
چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا۔
لیکن اس نے یہ اس لئے کیا کہ جو کچھ اس نے
تم لوگوں کو دیا ہے۔ اس میں تمہاری آزمائش

اللّٰہُ اِلَیْکَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّصِیْبَھُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِھِمْ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۔

(المائدہ: ۴۹، ۵۰)

کرے۔ لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخرکار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ پس اے محمدؐ تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تمہیں فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں۔ جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں اکثر فاسق ہیں (اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے

وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ (الانعام: ۱۲۲)

”اور جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اس کا گوشت نہ کھاؤ۔ ایسا کرنا فسق ہے شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و اعتراضات القا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں لیکن اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی تو یقیناً تم مشرک ہو۔“

عقیدہ اور شریعت

ان آیات کے مطالعہ سے علم ہوا کہ عقیدہ اور شریعت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یا تو اللہ کے نازل کردہ احکام کو عملاً اپنی زندگی میں نافذ کرو، ورنہ تمہاری زندگی شرک اور جاہلیت کی زندگی ہے۔ اس لئے اللہ کی صحیح سچی معرفت اور اس پر صدق دل سے ایمان لانے کا تقاضا ہی یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں اسی کو حاکم اعلیٰ مانا جائے کیونکہ وہ ہی خالق و مالک ہے۔ اسی کی اطاعت کرنی ہے اور اسی کے قانون کی اتباع کرنی ہے۔

عقیدہ اور شریعت، ایک ہی مبدأ سے پھوٹتے ہیں اور ایک ہی انتہا پر مل جاتے ہیں۔ یہ مبدأ اور انتہا ہیں۔ اللہ پر ایمان — اور اسلام!

جاہلیت کی اصل پہچان یہی ہے کہ یا تو سوسائٹی میں پکا سچا ایمان نہ ہو۔ یا۔ زندگی کے کسی پہلو میں اسلام نہ پایا جاتا ہو۔

ہر زمانے، ہر سوسائٹی اور ہر قوم کی خواہشات مختلف رہی ہیں لیکن وہ ہمیشہ ایک ہی گروہ کی خواہشات ہوتی تھیں۔ جن کے ذریعہ اس گروہ کے لوگ باقی تمام انسانوں پر حکومت کرنے لگتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کوئی ایک فرد یا جماعت اپنے مفاد کی تکمیل کے لیئے باقی لوگوں کو غلام بنا لیتی ہے جبکہ اللہ کی شریعت خواہشات سے مبرا ہے۔ کیونکہ اللہ کا انسانوں کے کسی گروہ کے ساتھ کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ (الذاریات: ۵۷)

"نہ میں ان سے رزق چاہتا ہوں اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں"۔

تمام انسانوں کو اس نے برابر پیدا کیا۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں، سوائے پرہیزگاری کے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔

"اے انسانوں ہم نے تمہیں مذکر و مونث سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک بزرگی کا مستحق وہ ہے جو تم میں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ بیشک

(الحجرات ۱۳) اللہ تعالیٰ جاننے والا اخبردار ہے

گویا زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں یا تو عملی زندگی میں اللہ کے قانون کا مکمل نفاذ ہو اور یہ اسلام ہے یا خواہشاتِ نفس کی پیروی کی جائے جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں جاہلیت کہلاتے گی۔

طاغوت

جاہلیت کی تیسری مشترکہ خصوصیت "طاغوت" ہے۔

طاغوت اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت، اور اس کے قانون کی اتباع سے روک کر اپنی عبادت اور اپنی خواہشات کی بندگی میں لگا دیتے ہیں۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ (البقرہ ۲۵۷)

"جو لوگ ایمان لاتے ہیں، ان کا حامی و مددگار اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں"۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ (النساء ۷۶)

"جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں"۔

"طاغوت" ایک ایسی خصوصیت ہے۔ جو اللہ کے راستے سے انحراف کے بعد ضرور رونما ہوتی ہے۔

جب لوگ اللہ کی عبادت سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ تو وہ غیر اللہ کی عبادت شروع کر دیتے ہیں اور کبھی غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ اس وقت یہ معبودان باطل طاغوت بن جاتے ہیں۔ "طاغوت" خواہ ایک فرد ہو، یا ایک جماعت، عرف ہو یا تقلید، غرض جس قوت کے سامنے لوگ جھک جائیں اور اس کے احکام کی اتباع کیے بغیر انہیں کوئی چارۂ کار نہ ہو، ایسی قوت

طاغوت کہلائے گی۔

وہ طاغوت، خواہ کوئی بھی ہو۔ وہ نہیں چاہتا کہ لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کی پوری پوری عبادت کریں کیونکہ جہاں وفاداری صرف اللہ سے ہو۔ وہاں طاغوت نہیں پنپ سکتا۔ وہ تو اسی وقت اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی عبادت سے منحرف کر کے ان پر اپنی خواہشات کی اتباع مسلط کر دے۔

اسی لئے طاغوت ہمیشہ صحیح عقیدے کا دشمن ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے وجود اور اپنی مصلحتوں سے وفاداری چاہتا ہے اور صحیح عقیدے کے ساتھ تمام تر وفاداری اللہ ہی کے لئے ہو جاتی ہے۔

نفسانی شہوتیں

جاہلیت کی چوتھی مشترکہ خصوصیت، لوگوں کا نفسانی شہوتوں کے سیلاب میں بہہ جانا ہے یہ نفسانی شہوتیں اگرچہ فطرت میں پوشیدہ ہیں۔ لیکن یہ خصوصیت بھی اللہ کے راستے سے منحرف ہونے کے بعد رونما ہوتی ہے۔ کہ نفس انسانی شہوتوں کی تکمیل میں ہمہ تن منہمک ہو جاتا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ (البقرہ:)

"لوگوں کے لیے مرغوبات نفس، عورتیں، اولاد سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے مویشی اور زرعی زمینیں، بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں۔ مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔"

یہ امور ہر چند کہ انسانی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں اور اس منصب خلافت کے لیے بھی ضروری ہیں جس کو انجام دینے کے لیے انسان اس دنیا میں آیا ہے کیونکہ انسانی زندگی کے لیے یہ تمام محرکات یعنی کھانا، پینا، رہنا، سہنا، پیشہ اور جنس اسی لیے ہیں تاکہ انسانی زندگی کا وجود باقی رہے۔

لیکن جب یہی محرکات اپنی معقول مقدار سے بڑھ کر انسانی زندگی پر حکومت کرنے والی شہوت بن جائیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس وقت یہ اپنا فطری عمل سر انجام نہیں دے سکتے۔ بلکہ انسانیت کے لیے تباہ کن اور اس کی طاقتوں کو پراگندہ کرنے والے بن جائیں گے اور اس کو خلافت کی ذمہ داری اور

اور انسانیت کے بلند مقام سے گرا کر جانوروں اور شیطانوں کے مقام پر پہنچا دے گی حقیقت یہ ہے کہ اللہ پر عقیدہ، اور اس کی شریعت کے زیر سایہ قائم ہونے والا نظام زندگی ہی شہوات کو اپنی حدود میں محدود کر سکتے ہیں اور انہیں انسان پر مسلط ہو جانے سے باز رکھ سکتے ہیں لے

انسانی زندگی کے صدیوں کے تجربات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ انسان شہوتوں اور خواہشات نفس کے سیلاب میں بہہ جانے سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب انسان اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت پر عمل کرے اور اللہ کی ہدایت سے روگردانی اور اس سے بے خوفی کی صورت میں انسان ہرگز شہوتوں کے سیلاب میں بہنے سے نہیں بچ سکتا، اس لیے کہ اگر جرم سے باز رکھنے کے لیے قانون کا ہوا دکھایا جائے تو لوگ چھپا کر ارتکاب جرم کریں گے اور اگر معاشرے کے افراد کا خوف ہو گا تو جرم کا ارتکاب کرنے والے ان سے چھپا کریں گے مگر اللہ سے ڈرنے والا جرم کا ارتکاب چھپا کر بھی نہیں کرتا اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ وہ خدا سے اپنے کسی گناہ کو نہیں چھپا سکتا۔

جبکہ اس حقیقت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جاہلیت خواہشات نفس کو مکمل طور پر ممنوع ہی نہیں گردانتیں۔ اور اس معاملے میں تمام جاہلیتوں کا رویہ یکساں ہے۔ خواہ وہ جاہلیت عربیہ ہو، یا ایرانی جاہلیت، ہندوستانی جاہلیت ہو، یونانی اور رومی فراعنۂ مصری جاہلیت ہو، یا بیسویں صدی کی جاہلیت، ان میں سے کوئی بھی جاہلیت فاحشات کو پوری پوری طرح حرام نہیں قرار دیتی تو اس کے اسباب مختلف ہیں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ طاغوت۔ اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے برخلاف فیصلہ کرے وہ طاغوت ہے ــــ اپنے مفادات کی تکمیل میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے جنسی بگاڑ کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا اور نہ اس بگاڑ کو درست کرنے کی کوئی فکر کرتا ہے۔

کبھی خود طاغوت فاحشات کی اشاعت کرتا ہے، تاکہ وہ خود لذت حرام سے لطف اندوز ہو سکے، یا عوام کو ان کے اوپر ہونے والے ظلم سے غافل رکھنا مقصود ہوتا ہے ــــ اور اللہ کے حکم کے خلاف ہر حکم ظلم ہے ــــ تاکہ لوگ جنسی لذتوں میں اس قدر مبتلا ہو جائیں کہ انہیں طاغوت پر گرفت کرنے کی فرصت ہی نہ رہے اور اس لحاظ سے جاہلیت اور شہوتوں کا سیلاب ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں۔

لے "نفس انسانی کا مطالعہ" میں محرکات کی فصل دیکھئے۔

مذکورہ بالا تمام خصوصیات تاریخ کی ہر جاہلیت میں پائی گئی ہیں۔ اور ان سب کی بنیاد اور اصل ایک ہی ہے۔ ۔ ۔ اور وہ ہے ــــ اللہ کی عبادت سے انحراف۔ یہ تمام کی تمام جاہلیت کی مشترکہ خصوصیات ہیں اور کوئی بھی جاہلیت ان سے خالی نہیں رہی ہے۔

ــــ عربی، ایرانی، یونانی، رومی اور فرعونی سب ہی جاہلیتوں میں یہ خصوصیات موجود تھیں جیسا کہ وہ جاہلیت جدیدہ میں بھی موجود ہیں ـ سوائے اس کے کہ صورتیں مختلف ہیں، اور کبھی کبھی تو صورتوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

جاہلیت عربیہ میں ایک اللہ کی عبادت سے انحراف تھا ــــ عقیدے میں بھی اور شریعت میں بھی ــــ

ــــ کیونکہ اللہ کے ساتھ ساتھ بتوں کی بھی پوجا ہوتی تھی اور اللہ کے قانون کی جگہ جاہلی قانون روایات کی حاکمیت تھی، لوگوں پر خواہشات مسلط تھیں۔ طاقت ور کمزور کا حق مارتا تھا۔ انصاف بھی اس کے لیے تھا جس کے پاس طاقت تھی اور قریش کے طاغوت کاہن اور پرانی بگڑی ہوئی روایتوں کے زندہ کرنے والے جس بات کو چاہتے حرام کر دیتے اور جس کو چاہتے حلال کر دیتے۔ یہی نہیں بلکہ ایک سال حلال رکھتے تھے تو دوسرے سال حرام کر دیتے تھے یہ باطل احکام کے ذریعے لوگوں کو ذلیل کر کے ان کی گردنوں کے مالک بنے بیٹھے تھے اور شراب، عورتیں، جوا، قتل، لوٹ مار بدلہ، سرکشی، فخر اور ہر قسم کی شہوات اپنے شباب پر تھیں۔

آج چودہ صدیوں بعد جاہلیت جدیدہ بھی انہی بنیادوں پر قائم ہے ــــ چنانچہ ــــ عقیدے اور شریعت میں اللہ کی عبادت سے انحراف اتنا نمایاں ہے کہ اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں۔ زندگی کے بہت سے حقائق میں عقیدے سے انحراف اور زندگی کے سارے مظاہر میں اللہ کے قانون سے انحراف ہے، انحراف ہی نہیں بلکہ ایک ایسا ہمہ گیر الحاد ہے جو طاغوتوں نے زندگی پر مسلط کر دیا ہے اور شیطانوں نے زندگی کے تمام حالات میں اس الحاد کو نمایاں کر دیا ہے۔

رہ گئی خواہشات کی پیروی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو تاریخ میں کبھی اتنی نہیں کی گئی ہوگی جتنی آج کی جا رہی ہے۔ ہر شعبے میں خواہشات کی پیروی ہے ـ مشرق ہو یا مغرب ہر جگہ اور ہر مقام پر خواہشات کی پیروی کی جا رہی ہے۔ اور ہر جگہ عقائد پارہ پارہ ہیں۔ ہر جگہ مقدسات کا مذاق اڑایا جا رہا ہے،

انسانی تصرف کے سارے ضابطے اور اصول ٹوٹ کر رہ گئے ہیں اور وہم و گمان سے ماوراء عبث باتیں ایجاد کر لی گئیں ہیں۔۔۔!

رہ گئے طاغوت۔۔۔۔ تو ان کی بھی کثرت کی کوئی انتہا نہیں۔ سرمایہ داری، پرولتاریہ، فاسد روایات، پامال اقدار۔۔۔ کیا یہ سب طاغوت نہیں ہیں؟ اور۔۔۔ رہ گئیں۔۔۔ شہوات۔۔۔ تو ان کے بارے میں تو کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے!

غرض ان علامات و خصوصیات سے تاریخ کی کوئی بھی جاہلیت خالی نہیں ہے۔

جدید جاہلیت کی خصوصیات

تمام جاہلیتوں کی قدر مشترک معلوم ہو جانے کے بعد اب ہم جاہلیت جدیدہ کی خصوصیات کا ایک مختصر سا جائزہ لیں گے تاکہ ہمارے ذہن میں اس جاہلیت کی مکمل شکل آجائے۔

درحقیقت جاہلیت جدیدہ کی یہ خصوصیات بھی اسی ایک بنیادی خصوصیت سے اُبھری ہیں۔ یعنی اللہ کی عبادت سے انحراف! لیکن سوسائٹی، حالات اور علمی، سیاسی، اجتماعی اور فکری اقتصادی ترقیات (جو اللہ کے راستے سے ہٹ کر اور اللہ کے راستے سے دشمنی اختیار کر کے کی گئی ہیں[1]) کی بنا پر جاہلیت جدیدہ کی صورت اپنی مخصوص نوعیت اور جداگانہ طرز کی حامل ہے کیونکہ ہر جاہلیت میں مشترکہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ کچھ جداگانہ اور انفرادی خصوصیات بھی ہوتی ہیں۔

جیسے جاہلیت عربیہ میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنا بعض کھیتوں اور جانوروں کو بلا سبب حرام قرار دے دینا۔ اس دَور کی جاہلیت کی اپنی خصوصیات تھیں۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ

"ان لوگوں نے اللہ کے لیے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے۔ بزعم خود، اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے۔ وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا، مگر جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے

---

[1] گزشتہ فصل "تاریخ کا ایک صفحہ" ملاحظہ فرمائیے۔

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا۔

(الانعام: ۱۳۹-۱۳۶)

شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیسے بُرے فیصلے کرتے ہیں یہ لوگ۔ اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوش نما بنا دیا ہے، تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے۔ لہٰذا انہیں چھوڑ دو کہ اپنی افترا پردازیوں میں لگے رہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کھیت اور یہ جانور محفوظ ہیں۔ انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں۔ جنہیں ہم کھلانا چاہیں۔ حالانکہ یہ پابندی ان کی خود ساختہ ہے۔ پھر کچھ جانور ہیں۔ جن پر سواری اور بار برداری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں۔ جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر افترا کیا ہے۔ عنقریب اللہ انہیں ان افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹ میں ہے یہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام لیکن اگر وہ مردہ ہو تو دونوں اس کے کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں۔"

یونانی جاہلیت کا امتیاز عقل وجسم کی عبادت تھا۔ رومی جاہلیت کی امتیازی خصوصیت وحشیانہ مار دھاڑ کے کھیل کود تھے۔ ہندوستانی جاہلیت کی خصوصیت تھی۔ متوفین کا نظام اور فاحشہ عورتوں کا اپنی عزت لٹا کر عبادت گاہوں کی خدمت کرنا اور اس فحاشی کو مذہبی کام خیال کیا جاتا تھا۔ مصری جاہلیت کی خصوصیت، فرعون کی عبادت، اور اس کی خدمت

میں قوم کا ذلت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اور قرون وسطیٰ کی جاہلیت کی خصوصیت، کلیسا کی سرکشی دیر کی اخلاقی بے راہ روی اور مغفرت کے رقعے جاری کرنا ہے۔

اسی طرح جدید جاہلیت کچھ مشترک خصوصیات رکھنے کے ساتھ ساتھ کچھ امتیازی خصوصیات بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے یہ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

- وہ بلند علمی ترقیات جو انسانیت کو اللہ کی ہدایت سے گمراہ کرنے، اور اللہ کی مخلوقات کو شر اور اذیت میں مبتلا کرنے کے کام میں لائی جا رہی ہیں۔
- سائنسی ایجادات اور مادی ترقیات کے نشہ میں سرشار ہو کر انسان کا اللہ کے مقابلے پر اُتر آنا۔ اور یہ خیال کرنا کہ اب انسانیت کو اس ترقی یافتہ دور میں اللہ کی ضرورت نہیں رہی، یا خود انسان ہی اللہ بن گیا ہے۔
- وہ علمی نظریات جنہوں نے اجتماعیات، اقتصادیات اور نفسیات غرض زندگی کے ہر شعبہ میں انسانی زندگی کو بگاڑ سے ہمکنار کر دیا ہے۔
- فلسفۂ ارتقاء
- عورت کی آزادی

اس باب میں ہم جاہلیت جدیدہ کی امتیازی خصوصیات یا اس کی دیگر مشترکہ خصوصیات پر تفصیلی بحث نہیں کر رہے ہیں، کیونکہ آئندہ ابواب میں یہ تفصیل آ رہی ہے۔ لیکن اس باب کے خاتمہ پر ہم جاہلیت جدیدہ کا فتنہ بیان کرتے ہیں۔

اس جاہلیت کا عظیم ترین فتنہ یہ ہے کہ اس کی تائید کے لئے بے پناہ علم اور اس کے پاس لامحدود مادی طاقت موجود ہے اور اس جاہلیت نے انسان کے لئے کچھ تہذیبی اور مادی سہولتیں اور آسائشیں فراہم کر دی ہیں۔ جو اپنی ظاہری شکل میں بڑی سود مند معلوم ہوتی ہیں۔

اسی وجہ سے ہم نے مقدمہ کتاب میں کہا تھا کہ جاہلیت جدیدہ زیادہ دلدل والی، زیادہ خبیث اور ہر اس جاہلیت سے زیادہ سخت گیر ہے جس کا کوئی تاریخی وجود رہا ہو۔

تمام قدیم جاہلیتوں میں باطل کا باطل ہونا صاف اور ظاہر ہوتا تھا۔ باوجودیکہ قدیم جاہلیتوں میں لوگوں کی عقل وضمیر پر جہالت کی حکمرانی ہوتی تھی اور ان کو باطل کا اندازہ نہیں ہوتا تھا اور وہ یہ سمجھتے رہتے تھے کہ جس سچائی اور حق کی ان کو دعوت دی جا رہی ہے

وہ سراسر نقصان اور گھاٹے کا سودا ہے۔

اس کے باوجود بھی ان جاہلیتوں میں نادانی، شر اور باطل کی مقدار کم ہی تھی اور جاہلیت سے ایک سخت جنگ اور کش مکش کے بعد آخری کامیابی ہدایت کو ہو جاتی تھی اور پھر لوگوں کو حق کے حق ہونے میں کوئی تردد نہ رہتا تھا۔

لیکن آج باطل نے علم کا سہارا لے لیا ہے اور علم ہی کو گمراہی کا ذریعہ بنا لیا ہے۔

اسی وجہ سے حق و باطل گڈمڈ ہو کے رہ گئے اور لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

مزید یہ کہ مادی طاقت بھی فتنہ کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ یہ ضرور ہے کہ:

ہر جاہلیت کسی نہ کسی رنگ میں مادی طاقت کا سہارا لیتی ہے۔ جس کے ذریعے طاغوت اپنے احکامات لوگوں پر مسلط کرتا ہے اور لوگ طاغوت کے ہر فرمان کو بہ رضا و رغبت یا بہ جبر و اکراہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ ان احکامات کے خلاف زبان بھی ہلا سکے۔ بلکہ فضا اتنی مسموم ہو جاتی کہ ان طاغوتوں کے خلاف سوچنا تک مشکل ہو جاتا ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود قدیم جاہلیتوں میں مادی طاقت کا ڈر، انتقام اور اس کی تنظیم آج کے ڈر، آج کے انتقام اور آج کی تنظیم سے بہرحال کم تھے۔

آج صرف دولت کی کثرت ہی نہیں ہے۔ آج صرف ہلاکت خیز اسلحہ ہی نہیں ہیں! آج ان کے ساتھ خبر رسانی کے وسیع ترین ذرائع بھی موجود ہیں۔

اخبار، ریڈیو، سینما اور ٹیلیویژن یہ سب ذرائع مل کر انسانی ذہن اور ضمیر کو ایک خاص رُخ پر موڑنے کے لیے لگے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ باطل ہی حق ہے۔ اور حق ایک طائر عنقا ہے۔ جس کا واقعاتی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح اس جاہلیت کے کچھ ظاہری فائدے بھی ہیں

اس لیے کہ گذشتہ جاہلیتوں میں بھی کوئی نہ کوئی بھلائی تو ضرور رہی ہے اور کوئی بھی جاہلیت بھلائی سے بالکلیہ خالی نہیں پائی گئی۔ کیونکہ ایسا ہونا اشیاء کی فطرت کے خلاف ہے۔

انسانی سوسائٹی خواہ کتنے ہی فساد کا شکار کیوں نہ ہو جائے۔ لیکن اس میں تمام کا تمام شر نہیں ہو سکتا کہ خیر کا نام و نشان ہی نہ ہو۔ البتہ بعض افراد پر شر اس طرح غالب آجاتا ہے کہ ان

میں خیر باقی نہیں رہتی۔

پوری سوسائٹی ہی اس قدر شر کی شکار ہو جائے کہ اس میں خیر کا کوئی عنصر ہی باقی نہ رہے ایسا نہیں ہُوا کرتا۔ بلکہ ہر صورت میں اس میں کوئی نہ کوئی اچھی قدر ضرور موجود رہتی ہے۔ اور نہ انسانی نفس کی اسی ایک باقی ماندہ خوبی کی بناء پر بدترین حالات میں بھی ہر جاہلیت میں کوئی ظاہری خوبی یقیناً ہوتی ہے۔ ظاہری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ حق کا سہارا نہیں لیتی۔ نہ ہی صحیح راستے سے ابھرتی ہے۔ اسی لیئے یہ ظاہری خوبی بھی عملی زندگی میں آکر غیر مؤثر ہو جاتی ہے لیکن یہ ظاہری خوبی ہی لوگوں کی نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ جاہلیت میں نہیں ہیں۔

"اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں" [۱]

جاہلیت جدیدہ کی یہ عظیم سرکشی، اللہ کی ہدایت سے زیادہ سے زیادہ انحراف سے پیدا ہوئی ہے۔ جتنا لوگ اللہ کی ہدایت سے دُور ہوتے جائیں گے۔ طاغوتی طاقتوں میں اضافہ ہوتا جائے گا ... اور لوگ آج ہدایت سے اتنے دُور نکل گئے ہیں کہ کبھی تاریخ میں انسان اللہ کی ہدایت سے اتنا دُور نہیں ہُوا تھا۔ اسی وجہ سے طاغوتی طاقتیں بھی تاریخ کی طاقت ور ترین طاقتیں ہیں۔

علم، قوت اور تنظیم اس زمانے کی خصوصیات اور عبقریات ہیں۔ ان آلات سے آج کے طاغوت کام لے رہے ہیں۔ یہ طاقتیں اسی کے کام میں آسکتی ہیں۔ جو ان کو اپنا محکوم بنا لے۔ اور مستقبل قریب میں انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا کر انہی طاقتوں سے بھلائی کا کام لے گی۔ تمام انسانیت کی فلاح و بہبود کا کام!

جو لوگ جاہلیت جدیدہ پر فریفتہ ہیں، وہ ذرا یہ غور کریں کہ اس جاہلیت نے ان کے حالات اور مشاعر کو کس طرح برباد کر دیا ہے اور کس طرح بھلائی کے ہر موقعہ کو کھو دیا ہے کہ آج جاہلیت نے ان کو جو منافع پیش کیے ہیں ــــ مثلاً آسائشات زندگی، طبی، اجتماعی اور عدالتی سہولتیں ــــ یہ سب تانبے کے چند سکے ہیں جنہیں طاغوت نے انسانیت کے راستے میں اس لئے بکھیر دیا ہے، تاکہ وہ خود اپنا وجود برقرار رکھ سکے اور تاکہ جمہور عوام اس کی طرف متوجہ رہیں اور وہ تن تنہا ہیبت ناک بادشاہی کے ساتھ لوگوں کی گردنوں کا حاکم بنا رہے۔

---

[۱] سورۃ الاعراف

اس وقت لوگ محسوس کریں گے کہ وہ جاہلیت میں ہیں اور اس جاہلیت کو ختم ہو جانا چاہیے
آئندہ دو ابواب میں ہم اس جاہلیت کے درج ذیل فساد کا ذکر کریں گے۔
فکر کا فساد
عمل کا فساد

تصور و شعور کا فساد

جدید جاہلیت نے انسانی فکر کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس میں بگاڑ اور فساد نہ پیدا کر دیا ہو۔ اس جاہلیت نے انسان کے تمام تصورات میں فساد برپا کر کے انسان کا اللہ سے، کائنات سے، زندگی سے اور خود انسان سے اس کا رشتہ منقطع کر دیا ہے اور اللہ کے تصور اور انسان اور خدا کے درمیان تعلقات میں ایک بہت بڑا بگاڑ پیدا کر دیا ہے اور کائنات اور اللہ کے رشتے اور کائنات اور انسان اور تصورِ حیات اور زندگی کے تمام مقاصد میں بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ اس جاہلیت نے نفسِ انسانی کے تصور اور صنفی تعلقات اور انسانوں کے باہمی تعلقات کو بگاڑ کا شکار بنا دیا ہے یعنی اس قدر ہمہ گیر بگاڑ ہے کہ ساری انسانی زندگی فساد کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

کیونکہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ جدید جاہلیت تمام قدیم جاہلیتوں کے بگاڑ اور فساد کا مجموعہ ہے اور اس میں قدیم یونانی اور رومی تہذیب کے بگاڑ اور قرونِ وسطیٰ کی جاہلیت کے بگاڑ بھی موجود ہیں اور اس میں یہودی اور ان کے غیر یہودی متبعین کے افکار بھی شامل ہیں۔

یورپ اللہ کی حقیقت کے تصور میں بہت بھٹکتا پھرا ہے۔ اور اس نے ــــ فلسفہ، علم اور حیاتِ واقعی سب ہی میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ذاتِ الٰہی اور اس کی واحدانیت کے بارے میں یورپ کے عقیدے کا انحراف ہم زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہم پہلے ہی اس سلسلہ میں دریپر امریکی کی کتاب "سائنس اور مذہب کی کش مکش" کا اقتباس نقل کر آئے ہیں۔ جس میں اس نے کہا ہے کہ کانسٹینٹائن نے بت پرستوں کو خوش کرنے کے لیے نئے مذہب میں بہت سی باتیں بت پرستی کی شامل کر دی تھیں اور اس کا خیال یہ تھا کہ اس طرح یہ لوگ بھی نئے مذہب میں داخل ہو جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرونِ وسطیٰ کا مسیحی یورپ اور آج کا ملحد یورپ دونوں ہی اس شعبہ

میں مبتلا رہے ہیں کہ مذہب خدا اور بندہ کے درمیان ہے۔ زندگی سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کا خیال تھا کہ عقیدہ انسانی قلب و شعور کی گہرائیوں میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن عملی زندگی عقیدے سے قطعاً متاثر نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کی خود فریبی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ ہی زندگی ہے! خواہ عقیدہ صحیح ہو یا غلط وہ بہرحال تمام انسانی زندگی پہ اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی بھی شعور و عمل عقیدے کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتا۔ اور

مذہب و زندگی، فکر و عمل اور عقیدے و شریعت کی یہ دوئی قرون وسطی کے یورپ کی ایک بڑی جاہلیت تھی۔ لیکن کیا فی الواقع مذہب زندگی سے جدا ہو گیا۔؟ ہرگز نہیں!

بلکہ جو بات فی الواقع وجود میں آئی ہے اور جس کا وجود پذیر ہونا ضروری تھا۔ وہ یہ ہے۔ یہ فاسد عقیدہ یورپ کی تمام زندگی پر اثر انداز ہوا۔ اور آہستہ آہستہ ساری زندگی فساد کا شکار ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ زندگی فساد سے لبریز ہو گئی! کیونکہ زندگی کبھی بھی عقیدے سے جدا ہو ہی نہیں سکتی۔

لیکن عقیدہ کسے کہتے ہیں؟ عقیدہ صرف ضمیر کے وجدان کا نام نہیں ہے۔

بلکہ عقیدہ تو وہ ستون ہے۔ جس پہ پوری زندگی کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ عقیدہ ہی انسان و کائنات کا مرکز ہے، عقیدہ ہی انسان کے وجود کا مرکز ہے۔ جبکہ

سیدھے سادھے عام لوگوں کو مذہب صرف ضمیر کا وجدان محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ——— خود یہ عام لوگ جو اپنی عقلوں کو کم استعمال کرتے ہیں اور جو زندگی کی زیادہ گہرائی میں نہیں جاتے۔ وہ بھی اپنے مذہبی رجحانات کے لحاظ سے زندگی میں ایک واضح مؤقف رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعض باتوں کو قبول کر لیتے ہیں اور کچھ امور سے انکار کر دیتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی یہ لوگ چیزوں کے باہمی ربط و تعلق کو کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں، جو سراسر وجدان سے متعلق ہوتا ہے۔

اس لئے — مذہب ان سیدھے سادے ——— لوگوں کے دلوں میں بھی ایک واضح نصب العین ہوتا۔ جاہلیت کے دور میں لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ مذہب لوگوں کی زندگی میں بہت کمزور رہا ہے تو وہ دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ مذہب کا زندگی سے تعلق کمزور سا ہے اور یہ کہ زندگی عقیدے سے جدا ——— ایسے اسباب کے ماتحت چل رہی ہے، جن کا مذہب سے

کوئی تعلق نہیں ہے! یہ تصور بذات خود جاہلیت کی نشانی ہے۔

جب مذہب کا اثر عملی زندگی میں کمزور پڑ جاتا ہے تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے، کہ عقیدے میں فساد سرایت کر چکا ہے اور زندگی کی گاڑی طبعی رفتار پر نہیں چل رہی ہے اور یہ کہ زندگی ایک ایسے بگاڑ کا شکار ہو چکی ہے۔ جس کے نتائج عنقریب رونما ہو کر رہیں گے۔

جب مذہب کا اثر عملی زندگی میں کمزور پڑ جاتا ہے، تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت نہیں کر رہے ہیں۔ یا عبادت کا حق ادا نہیں کر رہے۔ یا بجائے ایک اللہ کی عبادت کے اور بھی معبود عبادت کے لیے چن لیے گئے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ صرف اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے بلکہ عملی زندگی میں انہی خداؤں کے احکامات نافذ ہیں۔

یہ عقیدے کی سب سے پہلی خرابی ہے۔ تعدد آلہہ کی اس خرابی کا تمام جاہلیتیں شکار رہی ہیں۔ اور تعدد آلہہ جاہلیت کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ اس کی وجہ سے عملی زندگی میں عقیدہ غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تعدد آلہہ کی بناء پر عقیدے میں وحدت و یگانگت نہیں رہتی۔ اس لیے اس کی سمت میں بھی وحدت نہیں رہتی اور اس خصوصیت کی بناء پر جاہلیت اپنے حتمی اور یقینی نتائج کو پہنچ جاتی ہے۔ اگرچہ یہ نتائج بڑے آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں اور لوگوں کو کافی وقت گذرنے کے بعد ان نتائج کا احساس ہوتا ہے۔

تعدد الٰہہ کا سب سے پہلا نتیجہ تو یہی ہوتا ہے کہ انسانی زندگی دو علیحدہ علیحدہ راستوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک راستہ اللہ کی طرف جاتا ہے اور دوسرا اللہ کے راستے سے ہٹی ہوئی عملی زندگی کی جانب! اور دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانی ضمیر میں اقدار کی کشاکش شروع ہو جاتی ہے۔ ایک قدر اللہ کے قانون کے مطابق تو بلند مرتبہ ہے۔ لیکن عملی زندگی میں وہ بالکل نکمی اور بوسیدہ ہے۔ دوسری طرف دوسری قدر ہے۔ جو اللہ کے دین میں حرام و ممنوع ہے لیکن عملی زندگی میں اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ یہ تفریق اور پراگندگی انسانی فکر و شعور کو بوجھل کر دیتی ہے اگرچہ اس کا احساس بعد میں ہوتا ہے کیونکہ عملی زندگی عقیدے کی روشنی سے تہی ہو جاتی ہے اور معبودان باطل زمین میں فساد برپا کر دیتے ہیں۔

عملی زندگی خواہشات، طاغوت اور شہوتوں کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے، اور فساد بڑھتے بڑھتے ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ جب کہ اللہ کی عبادت ثانوی حیثیت

اختیار کر لیتی ہے اور تمام زندگی پر الٰہہ غالب آجاتے ہیں۔

بہر حال نشاۃ ثانیہ سے پہلے تک زندگی قدرے مذہب سے متاثر تھی لیکن نشاۃ ثانیہ کے بعد تو ناپ تول کے پیمانے ہی بدل گئے۔ اب عقیدے میں کوئی کشش باقی نہ رہی، کیونکہ جدید تحریک نے اپنے فکر و تصور کا معیار قدیم ہیلینی تہذیب کو بنایا تھا۔

اس کے بعد خدا میں کوئی کشش باقی نہیں رہی بلکہ لاتعداد معبودانِ باطل ہی مرکزِ کشش بن گئے اور اس کے دو بڑے اہم اسباب تھے۔ ایک واضح سبب اور ایک پوشیدہ سبب۔

واضح سبب تو کلیسا کی علم اور اہل علم سے جنگ ہے۔ کیونکہ کلیسا کو یہ اندیشہ تھا کہ علم کی وجہ سے اس کا اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا۔ جب علمی تحریک رونما ہوئی تو اسے لازمی طور پر دشمن ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح فکری و تہذیبی نشاۃ ثانیہ بھی کلیسا دشمن تھی، کیونکہ اس میں حرکت تھی۔ اس میں انقلاب تھا اور یہ سب کچھ کلیسا کی مرضی کے خلاف تھا۔

فطری طور پر نشاۃ ثانیہ کو زندگی پر غالب آنا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس کا زندگی سے گہرا تعلق تھا۔ چونکہ کلیسا نے نشاۃ ثانیہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اسی لیے منطقی طور پر عملی زندگی اور کلیسا کے مذہب میں بُعد پیدا ہوتا چلا گیا۔

درحقیقت یہ وقت ایسا تھا کہ یورپ اگر چاہتا تو تمام خرابیاں دور کر کے اللہ کے راستے پر چل سکتا تھا۔ لیکن صلیبی تعصب کا شکار ہو کر یورپ نے اس موقعہ کو کھو دیا۔ چنانچہ مسلمانوں سے ان کے علوم اور ان کے تجربات حاصل کیے اور ان کی تہذیب سے استفادہ بھی کیا لیکن جس اللہ کے راستے پر مسلمانوں کے سارے علم و فن کی بنیاد تھی۔ اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد ہی اللہ کے راستے سے انحراف پر رکھی گئی۔ رہ گیا پوشیدہ سبب تو وہ قدیم یونانی جاہلیت کو اپنی تہذیب کا ماخذ بنانا ہے۔

مقدس آگ کا چرانے والا پرومیتھیس یورپ کے جدید انسان کے لیے نمونہ ہے ــــ اور اس قسم کی تمام یونانی صنمیات نے یورپ کے ذہن پر یہ اثر چھوڑا ہے کہ وہ حصول علم کو خدا دشمنی پر محمول سمجھتے ہیں۔

مذہب اور زندگی کی دوئی

بہرحال ان دونوں اسباب کے تحت مذہب اور زندگی کی دوئی کا عمل ایک عرصے تک جاری رہا اور نشاۃ ثانیہ نے مذہب اور زندگی میں مزید فاصلہ اور بُعد پیدا کر دیا۔ دراصل قرونِ وسطیٰ کی جاہلیت میں اہلِ یورپ نے حضرت عیسیٰ کے اس قول کی روح کو نہیں سمجھا کہ :-

"جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو اور جو اللہ کا وہ اللہ کو لوٹے دو۔"

اور نہ ہی حضرت عیسیٰؑ کے اس قول کو سُنا :

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ	"اور میں اس تعلیم و ہدایت کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو تورات میں سے اس وقت میرے زمانے میں موجود ہے۔ اور اس لیئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے بعض ان چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔"
(سورہ آل عمران ۵۰)	

اللہ کی ہدایت سے اس انحراف کے کچھ تاریخی اسباب بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ ایک مستشرق لیو پولڈ فایس ـــ جو اسلام لے آیا تھا اور اپنا نام محمد اسد رکھا تھا۔ اپنی کتاب "اسلام چوراہے پر" میں لکھتا ہے کہ "مسیحیت کو اُس عظیم سلطنت پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا۔ جو اول قانون پر چل رہی تھی اور جس میں مذہب برائے نام ہی تھا۔ جب تیسری صدی میں کانسٹنٹائن نے مسیحیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا۔ اس وقت بھی مسیحیت کا قبول کرنا صرف عقیدے کی حد تک تھا۔ رہ گیا قانون مسیحی تو اس کا کوئی سوال نہ تھا۔ بلکہ بسا اوقات عقیدہ بھی رومی بُت پرستی سے ملوث ہو جاتا تھا۔ چہ جائیکہ قانونِ مسیحی !؟

ان سب باتوں کے باوجود بھی لوگوں میں اپنے عقیدے کی کچھ نہ کچھ حمیت تھی۔ اس ان کے ذہنوں میں یہ بات رچ بس گئی ہے کہ اللہ ـــــ یا آلہٰ ـــــ انسان کی بھلائی کے خواہاں نہیں ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ انسان کو معرفت حاصل ہو۔ بلکہ انسان کو یہ معرفت اللہ ـــ یا آلہہ ـــ سے زبردستی چھیننی پڑتی ہے۔

جولیان[1] ہکسلے اپنی کتاب "جدید دنیا کا انسان" میں کہتا ہے کہ

---

[1] Julian Huxley

"جہالت اور عاجزی ہی انسان کو اللہ کے سامنے جھکاتے ہیں۔ انسان کے علم و معرفت میں اضافہ ہونے کے بعد اس کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں رہی کہ وہ خدا کے بارے میں سوچتا پھرے۔ اب تو انسان اپنا خدا آپ ہے۔"
اس مرحلہ تک لوگ اچانک نہیں پہنچ گئے۔ کیونکہ انسانی طبیعت بڑی آہستہ آہستہ کسی تبدیلی کو قبول کرتی ہے اور بالخصوص عقیدے کی تبدیلی کئی کئی صدیاں گذرنے کے بعد رونما ہوتی ہے۔

طبیعت کی پرستش

یورپ کے درمیانی دور میں طبیعت نے اللہ کی عبادت کی جگہ لے لی۔ لیکن دراصل "طبیعت" کی پرستش کلیسا کے الٰہ سے بچاؤ کا ایک راستہ تھا۔ کیونکہ کلیسا نے الٰہ کے نام پر ٹیکس، اور تاوان لگا رکھے تھے اور کلیسا لوگوں کو مجبور کرتا تھا کہ وہ اس کی زمینوں پر مفت کام کریں اور اس کے لشکروں میں بھرتی ہو جائیں۔
لیکن طبیعت کے نام پر جو نیا الٰہ تراشا گیا۔ اس کا نہ کوئی کلیسا تھا نہ اس کے حقوق و فرائض اور یہ نیا الٰہ لوگوں کے اس فطری جذبہ کی بھی تسکین کرتا تھا کہ وہ اپنے کسی نہ کسی خالق کے سامنے جھکنا چاہتے ہیں اور ان کے اس مقصد کی بھی تکمیل کرتا تھا کہ وہ کلیسا کے اس مذہب سے جان چھڑانا چاہتے تھے جو صدیوں سے ان پر مسلط چلا آ رہا تھا۔
جس زمانے میں طبیعت کے دیوتا کی پوجا ہو رہی تھی۔ اسی زمانے میں یورپ کے لوگوں کے دلوں میں اللہ بھی موجود تھا۔ جس کی طرف وہ اپنی خلوت میں لو لگاتے، اور کلیسا میں اسی کی عبادت کرتے اور تھوڑے بہت اپنے مذہبی اخلاق و روایات پر بھی قائم تھے۔ لیکن یہ سب کچھ بطور عادت تھا۔ اور اس کے پس پشت کوئی ایمانی قوت موجود نہ تھی۔
اس طرح الٰہ چند در چند ہوتے گئے اور ان کے درمیان پیچیدگیاں بڑھتی گئیں۔
چنانچہ جب کلیسا میں نماز پڑھی جاتی، تو اللہ کی ذات محبوب سمجھی جاتی، اور اس سے ڈرا جاتا۔ یا نماز کے علاوہ زندگی کے کسی اور لمحہ میں اللہ کو مالک سمجھ لیا جاتا۔ بلکہ جب کسی فنی شعور کا مسئلہ ہوتا تو طبیعت معبود ہوتی اور اس سے خوف زدہ ہوا جا

کیونکہ تحریک رومانیت[1] نے طبیعت کو بڑی اہمیت دے دی تھی اور ساری شاعری کو طبیعت کے گرد گھما دیا تھا۔

علمی ترقیات میں بھی مرکزِ فکر طبیعت قرار پائی۔ سائنس دانوں نے وہ قوانین طبیعت معلوم کیے جن کے سہارے ساری کائنات چل رہی ہے۔ ان قوانین طبیعت میں نہ تو عقلی لحاظ سے اختلاف کی گنجائش تھی اور نہ خود اس علمی منطق کے لحاظ سے جس نے ان نظریات کو جنم دیا تھا!

حکومت اور اس کے قوانین تیسرا الٰہ تھے۔ جس کی عوام برضا و رغبت یا بجبر و اکراہ اطاعت کر رہے تھے۔

ایک دین تین الٰہوں میں بٹ گیا۔ جب کہ قرونِ وسطیٰ میں دو ہی الٰہ تھے۔ ایک عقیدے کا حاکم تھا اور دوسرا قانون کا!

اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ تبدیلی رونما ہوئی کہ اللہ کو بھلا دیا گیا اور فکر و عمل پہ اللہ کے عقیدے کا اثر کم ہوتا گیا اور اللہ کی جگہ خود انسان نے لے لی۔

صنعتی انقلاب

جاگیرداری ختم ہو گئی۔ کلیں ایجاد ہوئیں اور صنعتی انقلاب آ گیا۔ صنعتی انقلاب کے ساتھ تصورات و افکار میں بھی انقلاب برپا ہو گیا۔

صنعتی انقلاب ایسی جاہلیت میں رونما ہوا۔ جس میں اللہ کی عبادت صرف ظاہری طور پہ ہوتی تھی۔ چنانچہ اس انقلاب نے نہ صرف یہ کہ جاہلیت کے اثرات کو خود قبول کیا۔ بلکہ جاہلیت کو مزید توانائی اور حرکت بخشی۔

ایک طرف اگر دیہاتیوں کے جذبات اللہ کے ساتھ وابستہ تھے ——— دوسرے الٰہ کے شرک کے ساتھ ——— کیونکہ وہ غلہ اگانے والا۔ درختوں پہ پھل لانے والا اور زمین کو آفات سے محفوظ رکھنے والا اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔ اور دوسری جانب جاہلیت کی حکمرانی میں رہنے والے لوگوں کا اللہ سے کوئی رابطہ ہی نہ تھا۔

---

[1] Romantic Movement

صنعتی انقلاب میں ان لوگوں کا جاہلی خیال یہ تھا کہ اللہ صنعتی پیداوار نہیں کرتا بلکہ انسان کرتا ہے کیونکہ انسان نے اپنے علم کی بنیاد پر مادے کے خواص معلوم کیے ہیں۔ انسان ہی نے اپنے علم کے ذریعے پیداوار کرنے والی کلیں ایجاد کی ہیں۔ انسان ہی مشین کو حرکت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ انسان ہی خام مواد کو مصنوعات کی شکل میں تبدیل کرتا ہے۔

جب سب کچھ انسان ہی کرتا ہے تو بجائے اللہ کے عبادت بھی اسی صنعتی انسان کی ہونی چاہیے۔!

اس دوران میں طبیعت کی ساحری میں بھی پہلا سا اثر نہ رہا اور اس کی الوہیت بھی آہستہ آہستہ ختم ہوگئی۔!

کیونکہ ایک طرف تو فنی نقطۂ نگاہ سے طبیعت مرکزِ خیال نہ رہی جیسے دورِ رومانویت[لے] میں تھی۔ بلکہ اس عملی زندگی میں انسان ہی الٰہِ جدید تسلیم کر لیا گیا!

دوسری طرف علمی نقطۂ نگاہ سے جب انسان نے طبیعت کے رازوں کا پردہ چاک کر دیا تو خود طبیعت کے رازوں کا پردہ چاک کر دیا تو خود طبیعت پر انسان کی بالادستی قائم ہوگئی۔

اس طرح الوہیت، اللہ سے طبیعت میں آئی اور طبیعت سے انسان میں آگئی۔ اور اس دور کے انسان نے یہ خیال کیا کہ کسی ایسی غیبی طاقت اور ان دیکھی قوت کے سامنے انسان کا سرنگون ہونا جو حواس کی گرفت میں نہ آسکے باعثِ شرم ہے اور انسانیت کے لیے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے افکار اور اپنے اخلاق کا مرجع ایسی ہستی کو بنائے جسے وہ دیکھ نہیں سکتا۔ بھلا انسان کب تک اندھا بن کر ان بے حقیقت اساطیری قوانین پر چلتا رہے گا۔

چنانچہ انسان اس گرفت سے آزاد ہوگیا اور اس نے ان معبودوں کی پرستش چھوڑ دی جن کی پرستش وہ اپنی جہالت اور کمزوری کے دور میں کیا کرتا تھا اور اس نے ہر شے کو عقل کے معیار پر پرکھنا شروع کر دیا کہ جو بات عقل کی گرفت میں آجائے وہ درست ہے اور جو بات عقل میں نہ آئے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ وہ ایک من گھڑت کہانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس لیے انسان نے اپنی زندگی کی تعمیر خود ہی شروع کر دی اور اپنے لیے قانون سازی کا حق بھی حاصل کر لیا کیونکہ انسان اپنی لحظہ بہ لحظہ بدلتی ہوئی ضرورتوں اور نوع بہ نوع حالات سے زیادہ واقف ہے۔

لے Romantic Period

اور جب اس بگاڑ میں مزید اضافہ ہوا۔ تو وہ اپنے ساتھ انسان کی عبادت کو بھی بہا لے گیا!!
موجودہ جاہلیت کے اس آخری مرحلہ کو بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم ان جاہلیتوں کے پیچھے کچھ آثار کی نشاندہی کریں۔ جن کی بنا پر حقیقت الوہیت میں یہ تمام بگاڑ رونما ہوتے ہیں۔ یونانی جاہلیت کا اثر یہ ہے کہ اس نے انسان اور اللہ کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کردی تھی۔ وہ آج بھی قائم ہے!

رومی جاہلیت کا اثر یہ ہے کہ آج بھی انہی حقائق کو تسلیم کیا جاتا ہے، جو حواس خمسہ کے ذریعے محسوس ہو سکیں۔ چونکہ اللہ کا حواس کے ذریعے ادراک ہو نہیں سکتا۔ اس لئے اس پر ایمان لانا بھی غیر ضروری ہے!

رومی جاہلیت ایک نئی شکل میں بھی سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ آج بھی عقل انسانی کو اتنا بلند مقام حاصل ہے کہ وہ اللہ کی وحی کا تنقیدی جائزہ لے اور چاہے تو خود اللہ کے وجود پر بھی تنقید کرے اور آج بھی رومی جاہلیت کا یہ اثر موجود ہے کہ اللہ اور انسان میں بدستور جنگ جاری ہے۔ نشاۃ ثانیہ کے ابتدائی دور میں تو یہ جنگ کھلم کھلا تھی۔ جاہل و کمزور انسان اللہ کے سامنے جھکتا تھا۔ جب وہ علم و طاقت حاصل کر لیتا۔ تو اس کا مقام خدا سے بھی بڑھ جاتا اور خدا کا مقام اس کے مقابلے میں گر جاتا۔ پھر جوں جوں انسان علم حاصل کرتا گیا۔ اس کا مقام بڑھتا رہا۔ اور خدا کا مقام گرتا گیا۔ یہاں تک کہ انسان خود اپنی زندگی کا خالق بن گیا اور خود ہی اللہ بھی بن گیا۔ اور جب اللہ کے ساتھ طبیعت کی بھی عبادت شروع ہو گئی تو یہ کشمکش اللہ سے ہٹ کر طبیعت اور انسان میں شروع ہو گئی۔ کیونکہ انسان طبیعت پر غالب آنا چاہتا تھا اور انسان طبیعت کے راز چھیننا چاہتا تھا۔۔۔۔ جیسا کہ پرومیتھیس نے مقدس آگ چرائی تھی!

جب انسان خود ہی معبود بن بیٹھا۔ تو انسان اور انسان کے درمیان ایک سخت کشمکش شروع ہو گئی۔ ایک کشمکش تھی انسان عابد اور انسان معبود کے درمیان۔! یہ کشمکش تھی فرد کی جماعت کے ساتھ، فرد کی حکومت کے ساتھ۔ فرد کی سوسائٹی میں پائی جانے والی اقدار کے ساتھ اور فرد کی خود انسانیت ہی کے دوسرے فرد کے مقابلہ!!۔۔۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۔۔۔۔ انسان اور انسان کی ان کشمکشوں نے انسان کی عبادت کا خاتمہ کر دیا۔

مادی جبریت

اس کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ انسان اس زمین کا حقیقی معبود نہیں ہے بلکہ جدید علمی مباحث نے کئی اور معبود دریافت کر لیے اور اقتصادی، اجتماعی اور تاریخی جبریتوں کو حاکم تسلیم کر لیا۔ اور ان کی انسان پہ اور انسان کی تقدیر پر بالادستی مان لی۔ چنانچہ مارکس کہتا ہے:۔

"اجتماعی نتائج جو انسان کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ محدود قسم کے تعلقات ہیں۔ جن کے بغیر چارۂ کار نہیں اور جن میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔ مادی زندگی میں نتائج کا طریقۂ کار ہی زندگی کی اجتماعی، سیاسی اور معنوی شکلیں متعین کرتا ہے۔ انسانی شعور ان شکلوں کو متعین نہیں کرتا بلکہ یہ شکلیں انسانی شعور کا رُخ متعین کرتی ہیں۔"

انجلز کہتا ہے:

"مادی نظریہ کی ابتدا یہ ہے کہ پیداوار ہی ہر اجتماعی نظام کی بنیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بھی بنیادی تغیر رونما ہوتا ہے۔ اس کا سبب پیداوار کا طریقہ کار ہی ہوتا ہے۔ نہ کہ لوگوں کی عقل یا حق و عدل کی تلاش و جستجو۔"

جبریتوں کے یہ دیوتا انسانوں کے فکر و تخیل اور ان کے حق و انصاف کی طرف سبقت کی فطری صلاحیت کا خیال کئے بغیر ان کی زندگی کو اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں۔ یہ ایسے دیوتا ہیں۔ جو انسانوں کے ضمیر پر لبیک نہیں کہتے اور نہ ان کے نفس کے ساتھ چلتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ان کے ضمیر کی آواز کو سنتا، اور ان کے نفوس کی رعایت رکھتا ہے۔ بلکہ اتنی رعایت تو جاہلیت اولیٰ کے دیوتا بھی کرتے تھے۔ باوجودیکہ اس جاہلیت میں بہت بڑا بگاڑ پایا جاتا تھا اور انسان اور دیوتا کی وحشیانہ کش مکش بھی تھی۔ یہ دیوتا تو اپنی جبریت میں انسان کو ایک مشین کا پُرزہ بنا دیتے ہیں۔ جو مشین کے ساتھ اپنی مقررہ حرکت کرنے پر مجبور ہے۔

اس طرح انسان اپنی عبادت میں پستیوں کی طرف گرتا چلا گیا۔ پہلے اللہ کی عبادت میں کچھ اور آلہہ کو شریک کیا، اس کے بعد نیچر پرستی کی۔ پھر انسان نے انسان کی پرستش کی جس کے نتیجے میں مہلک کش مکش برپا ہوئی جس نے انسان کو ان ظالم، بے روح اور انسان کو ذلیل کرنے والے دیوتاؤں کی پرستش پر مجبور کر دیا۔ جن کے دامن میں جبریت[1] کی سختی اور ذلت

---

[1] Determinism

کے کچھ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کی جاہلیت بہت ہی بڑی جاہلیت ہے!! اس سارے تنزل کے پس منظر میں نہ کوئی منطق ہے۔ نہ کوئی بصیرت ہے، اور نہ کوئی سند!! کیونکہ جب اللہ کے ساتھ شرک کے بگاڑ کی ابتداء ہوئی تو اس کے لئے بھی نہ کوئی سند تھی اور نہ کوئی تائید!!

جو اللہ کو پوری پوری طرح پہچانتا ہو، وہ کبھی بھی شرک گوارا نہیں کر سکتا۔ یورپ میں جب عقیدہ پہنچا تو کانسٹنٹائن کے ہاتھوں اس میں رومی وثنیت کی آمیزش ہو چکی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ نے اللہ کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ بلکہ دن بدن جاہلیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل کردہ شریعت چونکہ رومی سلطنت کے مختصر حصے میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ اس لئے اتنی وسیع سلطنت میں اس کو نافذ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہ عذر ایک رخ سے تو پردہ اٹھاتا ہے۔ لیکن یہاں اس حقیقت سے غفلت برتی گئی ہے کہ مسیحی تصور میں خود عقیدہ بھی صحیح نہ تھا۔ اگر عقیدہ صحیح ہوتا تو رومی سلطنت اس کا راستہ نہیں روک سکتی تھی جیسا کہ اسلام کے سامنے نہ عرب کی اندرونی طاقتیں ٹھہر سکیں اور نہ بیرونی۔ جب کہ بیرونی طاقتوں میں تمام رومی اور ایرانی سلطنتیں بھی شامل تھیں۔ بہرحال یہ اسباب ایسے ہیں کہ ان سے واقعات کی تشریح تو کی جا سکتی ہے لیکن ان سے راہِ حق سے انحراف کا جواز فراہم نہیں کیا جا سکتا۔

اصل میں یہ بنیادی بگاڑ ہی ہر قسم کے بگاڑ کا پیش خیمہ ہے۔ اگر نفس میں شرک کو قبول کرنے کی گنجائش موجود ہے تو شرک کے بعد تو سب کچھ آسان ہے اور جب یہ بگاڑ پیدا ہو جاتے تو یہ زیادہ سے زیادہ گہرائی میں دھکیلتا اور مزید فساد کا موجب بنتا ہے۔

یورپ کی ابتداء ہی غلط ہوئی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اللہ کی ہدایت سے دور ہی ہوتا چلا گیا! جب کلیسا نے اپنی حماقتوں سے برائیوں اور خرابیوں میں اضافہ کر دیا تو یہ یورپ کے عقیدے میں ایک نئے بگاڑ کا سبب بنا۔ جس نے بتدریج اس بگاڑ کو بیسویں صدی کی جاہلیت سے لا ملایا!! یہ بھی حالات واسباب کی ایک تشریح تو ہے مگر انحراف کا جواز نہیں ہے۔ کیونکہ یورپ والے پہلے ہی سمجھتے تھے کہ کلیسا جو کچھ پیش کر رہا ہے، وہ حقیقی دین نہیں ہے۔

بلکہ کاہنوں اور مذہبی لوگوں کی اپنی ہی تخلیق ہے۔

جس میں ایسے عقائد ہیں۔ جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہیں اور جن کے قبول کرنے سے ان کی عقلیں انکار کرتی ہیں۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ کلیسا کے اس مسخ شدہ دین کا جؤا اتار کر، اللہ کے نازل کردہ صاف سچے دین کی طرف پلٹ آتے۔ انھوں نے سارے "دین" ہی سے یہ کہتے ہوئے ہاتھ جھٹک دیئے کہ "مذہب ہے ہی خرافات"!

نیچر کیا ہے؟

اہلِ یورپ اپنے انحراف کے خواہ کتنے ہی عذر پیش کریں لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ یورپ بگاڑ اور انحراف سے دوچار ہوا اور اس نے تاریک دَور کے شرک میں نیچر پرستی کا بھی اضافہ کر لیا۔ تو اس کا مغرب کے پاس کیا عذر ہے بلکہ یورپ کے روشن دماغ لوگوں نے شرک کی جو نئی صورتیں اختیار کی ہیں ان کا کیا عذر ہے۔

دراصل نیچر پرستی تو ظالم کلیسا کے اقتدار سے بچاؤ کے لیے وجود میں آئی تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود نیچر کیا چیز ہے؟ کیا کوئی صاحبِ عقل آدمی اس عقلیت کے دَور میں وہ بات کہہ سکتا ہے جو ڈارون نے کہی ہے۔ کہ

"نیچر ہر شئے کی خالق ہے اور اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے"

۔۔۔ اور کسی عقل و سمجھ رکھنے والے انسان کے لئے کیسے ممکن ہے کہ وہ نیچر کو ایک ایسی ہستی خیال کرے۔ جو پوری کائنات پر حاکم اور اس کی تقدیر کی مالک ہے[۱] !؟

آخر یہ عقلمند اپنے آپ سے یہ سوالات کیوں نہیں کرتے کہ یہ نیچر جس کی وہ پرستش کر رہے ہیں آخر ہے کیا؟ مخلوق ہے، یا خالق؟ عاقل ہے یا غیر عاقل؟ اس نیچر نے اپنے آپ کو کیسے پیدا کر لیا؟ وہ قوانین کیسے پیدا کیے جن پر کائنات چل رہی ہے؟ یہ قوانین کائنات کو اپنی منشا کے مطابق کس طرح چلاتے ہیں؟ ان قوانین کو یہ "جبریت" کہاں سے حاصل ہوئی کہ کائنات انہی لگے بندھے اصولوں پر چلتی رہے؟

پھر بتائیے کہ اس نئے معبود میں، جس کو ہر قسم کی قوت و طاقت کا سرچشمہ قرار دے دیا گیا

---

[۱] ڈارون کہتا ہے کہ "نیچر نواندھے کی لاٹھی ہے"

ہے اور اس اللہ میں جس کو غیر معقول سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ کیا فرق ہے ؟
جب یہ کسی غیبی قوت کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ تو یہ اپنے آپ سے سوال کیوں نہیں کرتے کہ نیچر غیب ہے یا مشاہدہ ؟! اگر نیچر کے مظاہر آسمان، زمین، مادہ اور شعاع کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ تو خود نیچر کیا ہے ؟ نیچر کی اپنی حقیقت کیا ہے ؟ وہ نیچر جس نے آسمان کو آسمان، زمین کو زمین اور مادے کو مادہ بنا دیا ہے۔ کیا یہ نیچر ایسا غیب نہیں ہے جس کو حواس محسوس نہ کر سکیں ؟ اور کیا اللہ بھی اسی طرح غیب نہیں ہے ؟
ایسا غیب جو محسوس تو نہیں ہوتا لیکن اس کے مظاہر آسمان، زمین، مادہ اور شعاع کی شکل میں ہمیں نظر آتے ہیں !؟!
یہ وہ عظیم ترین حماقت تھی جس میں یورپ کے روشن دماغ لوگ مبتلا ہوئے !
پھر جب نیچر کی پرستش ختم ہو گئی اور اس کی جگہ خود انسان کی پرستش ہونے لگی تو یہ انسان کی پرستش آخر کیوں ہوئی ؟
کیا اس لئے کہ انسان نے علم سائنس حاصل کر لیا اور اس کی قوت میں اضافہ ہو گیا۔!
اس بدترین جاہلیت سے ذرا چشم پوشی کیجئے۔ اس جاہلیت کی برائی کا یہ عالم ہے کہ یہ اپنے اُس خالق کو بھی پہچاننے سے انکار کرتی ہے جس نے اسے علم عطا کیا۔ سبب صرف یہ کہ سرمایۂ علم ہاتھ آ گیا ! بجائے اس کے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اس عظیم عطا و بخشش پر اس کی جناب میں سجدۂ شکر بجا لائے۔ انسان نے خود نعمت ہی کو اپنے لئے کفر و نفرت کا سبب بنا لیا۔
تھوڑی دیر کے لیے اس جاہلیت سے درگذر کیجئے کہ جو قدیم یونانی جاہلیت کے اس بگاڑ سے زہر آلود ہے کہ انسان اور دیوتاؤں میں کش مکش رہی ہے اور جب بھی انسان دیوتاؤں سے کچھ علم "غصب" کر لیتا ہے تو اس طاقت کے بل بوتے پر سرکشی اور نافرمانی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

سائنس کی بے چارگی

تھوڑی دیر کے لیے ان سب باتوں سے درگذر کیجئے۔ ذرا دیکھئے آخر اس علم کی مقدار کیا ہے جس نے انسان کو سرکشی اور نافرمانی پر مجبور کر دیا۔
ایک امریکی سائنس دان ماریت اسٹینلے کونگڈن اپنے مضمون "گلاب کے پودے کا مطالعہ"

میں لکھا ہے :-

"اگرچہ سائنس مشاہداتی حقیقتوں کا نام ہے۔ لیکن یہ بھی انسانی تحقیق، مطالعے اور نتیجہ اخذ کرنے کے مختلف طریقوں سے ضرور متاثر ہوتی ہے۔ سائنٹیفک مشاہدات اس حد تک تو قابل قبول ہیں۔ لیکن کمیت کے میدان میں یہ بڑے محدود ہیں۔ ان کی ابتدار بھی احتمالات ہیں اور انتہا بھی احتمالات ہیں۔ یقین کا کوئی واسطہ نہیں بلکہ تمام سائنٹیفک نتائج غلطی کے متحمل ہیں اور یہ کہ ان میں کسی بھی وقت تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی ہمیشہ رہنے والے ٹھوس اصول نہیں ہیں"[1]

یہ کسی مذہبی آدمی کا نہیں۔ بلکہ ایک سائنس دان کا قول ہے۔! تمام انسانی علم احتمالات ہی کا مجموعہ ہے یقین تو کہیں بھی نہیں۔ خواہ تجربات اور آلات کی دنیا میں کتنی ہی باریک بینی سے کام کیوں نہ لیا جائے -!

ذرا علم سائنس کا میدان بھی دیکھئے!

ایک زمانہ ہوا کہ علم اس بات پر مجبور ہو چکا ہے کہ اشیار کی اصل حقیقت اور کنہہ معلوم کرنے کے بجائے صرف اشیار کی ظاہری ہیئت ہی معلوم کر لی جائے اور اشیار کی اس ظاہری ہیئت کے بارے میں بھی یہ سائنس دان کہتا ہے کہ یقینی نہیں ہے بلکہ اس کی ابتدار اور انتہا سب ہی احتمالات ہیں! اصل علم کی بنسبت اس علم کی حقیقت ہی کیا ہے اور انسان اس علم کی بدولت کس فریب کا شکار ہو گیا ہے۔؟!

پھر اس علم کی کیا حقیقت ہے۔ اس مقدار علم کے بالمقابل جو انسان حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ علم غیب آخر کہاں ہے۔ جس کی تلاش میں انسان ابتدائے آفرینش سے ہے اور ہزار ہا برس سے اس کی یہی خواہش چلی آ رہی ہے۔

بتایئے! انسان کو تو ابھی آنے والے لمحہ کا بھی علم نہیں ہے۔ ہر آنے والا لمحہ اور ثانیہ ایک ہزار پردوں کے پیچھے پوشیدہ ہے۔؟! بس صرف یہی ہے انسانی علم کی پونجی!

بلاشبہ انسانی قوت و طاقت میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ انسان نے اپنے ماحول پر غلبہ پالیا

---

[1] "اللہ اور سائنسی دور" ڈاکٹر و مردانش عبدالمجید سرحانی

ہے۔ انسان نے نیچر پر قدرت حاصل کر لی ہے۔ ایٹم ایجاد کیا، فضائے بسیط میں راکٹ چھوڑے اور اب چاند تک رسائی حاصل ہو چکی ہے۔

لیکن انسان جو قوت چاہتا تھا۔ وہ اس کو کہاں حاصل ہوئی؟

انسان تو موت سے بچاؤ، اور دائمی زندگی چاہتا تھا یہی تو خواہش تھی جس پر شیطان نے آدم کو بہکایا تھا۔۔ ۔ اور یہی خواہش آدم کی اولاد میں آج تک موجود ہے۔

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ
(سورۂ اعراف ۲۰)

تمہارے رب نے جو تمہیں اس درخت سے روکا ہے، اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔ یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیرخواہ ہوں۔

بلکہ انسان تو بیماریوں سے بھی بچاؤ نہ کر سکا۔ آج بھی ایک ادنیٰ سا جرثومہ جو صرف خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے لاعلاج امراض کا سبب بن جاتا ہے!

جولیان ہکسلے جس کے ذہن پر بیسویں صدی کی جاہلیت کی حکمرانی ہے۔ کہتا ہے کہ اللہ کی عبادت کے دو اسباب ہیں، جہالت اور عاجزی۔

ہو سکتا ہے۔ ایسا ہو، لیکن اس علم و طاقت کے دور میں کون سی شئے ایسی ہے۔ جو اللہ کی عبادت کے چھوڑنے پر اکسائی اور اس کی تائید کرتی ہے۔

ہم اس جاہلیت کی طرف دوبارہ آتے ہیں، جس کے سارے پیمانے اُلٹے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو تعلیم حاصل کرنے کی استطاعت اور کائنات کی بعض طاقتوں کی تسخیر کی قوت اس لئے عطا کی تھی کہ انسان میں غرور و تکبر پیدا ہو اور وہ اللہ کی عبادت سے نکل جائے۔!

یہ لعنت مغربی فکر میں پرومیتھیس کی کہانی سے آئی ہے! ——— آج کے ——— اس انسان کو دیکھئے، جس نے اللہ کے بالمقابل ہو کر کہا کہ مجھے کسی الٰہ کی ضرورت نہیں؟!

——— اس انسان نے کون سے گناہ نہیں کیئے!؟

اس نے کہا میں اپنا قانون خود بناؤں گا۔ کیونکہ اب انسان غلامی سے آزاد ہو چکا ہے۔

اس نے کہا کہ میں اپنے عقائد اور مراسم خود ہی وضع کر دوں گا!
اس نے کہا کہ میں اپنا حاضر اور اپنا مستقبل اللہ کی راہنمائی سے بے پرواہ ہو کر خود ہی تراشوں گا!
اور ظاہر ہے کہ یہ سب شیطانی دھوکا و فریب تھا۔ اور

اگر یہ شیطان کے کرتوت نہ ہوتے، تو انسان یہ کارنامے کیسے سرانجام دیتا؟ ساری زمین میں برائی کس طرح پھیل جاتی؟ ہر جگہ یہ ظلم و ستم کیوں ہوتے؟
ساری دنیا میں یہ ذلیل غلامی کیوں ہوتی۔۔۔؟
کبھی سرمایہ کی غلامی! کبھی حکومت کی غلامی! کبھی فرد کی غلامی اور کبھی ہلاکت خیز شہوتوں کی غلامی!

ہر صورت میں غلامی اور ہر شکل میں ذلّت ہے!
دنیا میں برائیاں اس قدر پھیل گئیں کہ ساری دنیا برائیوں کا ایک ایسا گڑھا بن گئی جس میں نوجوان آتے ہیں اور گرتے جاتے ہیں!
بھلا بتائیے۔ یہ جو متمدّن اقوام کے شفاخانے مجنونوں اور پاگلوں سے بھرے ہوئے ہیں۔
آخر اس کا سبب کیا ہے اور اس اختلال اور بے راہ روی کا آخر کیا انجام ہوگا۔ کیا فیشن پرستی سینما، ٹیلی ویژن کا جنون مہلک حد تک نہیں پہنچ چکا ہے؟ یہ سارے ہی بگاڑ اس انسان کے لئے مہلک ہیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبّر کیا!!
انسان کتنا بدبخت تھا۔ جب اس نے اپنے بارے میں سوچا کہ وہ "الٰہ" ہے۔ اور اب وہ اللہ کی راہنمائی اور اس کی غلامی سے آزاد ہو چکا ہے!!

تاریخ کی مادی تعبیر

یہودی فکر نے انیسویں صدی میں جو الٰہہ پیدا کیے اور جن سے غیر یہودیوں کے افکار مسموم ہو رہے ہیں۔۔۔ وہ ہیں اقتصادی، اجتماعی اور تاریخی جبریتوں کے الٰہہ۔ اور یہ الٰہہ تاریخ کی مادی تعبیر[1] میں ہر مقام پر موجود نظر آتے ہیں۔
آخر یہ جبریتیں کیا ہیں؟ تاریخ کی مادی تعبیر پہلے تو یہ کہتی ہے کہ انسان کی تاریخ دراصل

---
[1] Materialistic Interpretation

دَوڑ روٹی کی تلاش و جستجو کا نام ہے ۔۔۔۔ اور یہ تاریخ کی پہلی جبریّت ہے ۔

روٹی کی تلاش میں انسان نے کچھ اوزار بنا لیے۔ جو اس کی زندگی کو کشاں کشاں ایک دَور سے دُوسرے دَور کی طرف دھکیلتے لے گئے ۔!

پہلے شیوعیت تھی، اور انفرادی ملکیت کا کوئی وجود نہ تھا۔ پھر زراعت ایجاد ہوئی تو زمین اور ذرائع پیداوار کی ملکیت رونما ہوئی۔ اس کے بعد زمین کے حصول کے لالچ میں ایک قوم دوسری پر حملہ آور ہوئی اور فاتح قوم نے مفتوح کو غلام بنا کر اپنی زمین میں جبری طور پہ کام لیا۔ جس سے جاگیرداری وجود میں آئی۔ پھر مشین وجود میں آئی تو اس کے ساتھ سرمایہ داری آئی اور جاگیرداری ختم ہو گئی۔ پھر لازمی طور پر سرمایہ دار اور مزدور میں جنگ شروع ہو گئی۔ پھر جبری طریقہ پر تاریخ کی دوسری اور آخری شیوعیت رونما ہوئی اور انفرادی ملکیت پھر ختم ہو گئی۔

یہ ہے جبریتوں کی مقرر کردہ انسانی تاریخ کا خلاصہ ! اور ظاہر ہے کہ یہ طرزِ فکر صرف جاہلیت ہی کا ہو سکتا ہے ۔!

تاریخ کی یہ مادی تعبیر جو اللہ سے بے نیاز ہو کر اور کائنات اور حیاتِ انسانی میں اللہ کی تدبیر سے بیگانہ ہو کر کی گئی ہے۔ یہ تو ایسی تعبیر ہے کہ جس کو آج کا روشن خیال اور آج کے جاہلی علوم کا جاننے والا بھی اپنے ضمیر کے اطمینان کے ساتھ قبول نہیں کر سکتا ۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ زندگی کی یہ ساری مادی تعبیر صحیح ہے۔ (حالانکہ آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ تعبیر درست نہیں ہے) پھر بھی انسان کے ارادے اور اس کے حالات سے بیگانہ تو نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ مارکس کہتا ہے ۔

کیا انسان ہی زمین اور ذرائع پیداوار کا مالک نہیں بنا۔ جب کہ وہ پہلے مالک نہیں تھا۔ کیا زمین نے انسان سے کہا تھا کہ وہ اس کا مالک ہو جائے ۔ ! کیا زمین نے انسان کا گلا دبایا تھا اور کہا تھا کہ اسے زمین کا مالک ہوئے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ یا انسان زمین کا اس وجہ سے مالک ہوا تھا کہ ملکیت اس کی فطرت میں شامل ہے ۔

کیا مشین انسان نے اپنے ارادے سے ایجاد نہیں کی تھی؟

یا مشین نے انسان کی گردن دبوچ کر کہا تھا کہ مجھے ایجاد کر ۔ ؟ ! کیا انسان کی اس فطری خواہش نے کہ وہ اپنی پیداوار کو بہتر سے بہتر بنائے اور اس رغبت و خواہش نے انسان کو سرگرمِ عمل کر دیا۔

اور اب اس نے مشین ایجاد کر لی ؟!

اگر یہ بات غلط بھی لی جائے کہ مشین نے انسانی تاریخ لکھی ہے۔ پھر بھی کیا اس میں انسا ؛
ارادے کا کوئی حصہ نہیں ہے ؟ یقیناً ہے تو پھر بتائیے کہ خود
انسانی زندگی کے حالات کس طرح انسانی ارادے سے باہر ہو سکتے ہیں۔

پھر جب سرمایہ داری آئی۔ تو کیا اس میں انسان کی یہ فطری خواہش کارفرما نہیں تھی کہ ز
ملکیت چاہتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی ملکیت میں اضافہ ہوتا رہے اور انسان ہی یہ
یہ فطری استعداد بھی ہے کہ جب وہ راستے سے منحرف ہوتا ہے تو بغاوت و سرکشی پر آمادہ ہو جاتا
پھر جب شیوعیت آئی۔ تو کیا انسان نے یہ نہیں سوچا کہ حق و انصاف کا راستہ یہی ہے
اور جس کا فریڈریک اینگلز نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ

"انسان دنیاوی معاملات میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں رکھتا ۔"

یہ تو پہلی بات تھی اور دوسری بات جو حقیقت سے زیادہ قریب ہے یہ ہے کہ ان جبریتوں
کی صحت کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو آخر یہ جبریتیں کس کی مقرر کردہ ہیں۔
اور پوری انسانی زندگی پر ان حتمیات کو کس نے مسلط کر دیا ہے ؟
کیا زندگی کی یہ مادی تعبیر ہی زندگی کی ممکنہ شکل تھی ؟
کیا ایسا ممکن نہ تھا کہ انسان ہمیشہ ہی اپنی ابتدائی شیوعیت کی زندگی گزارتا رہتا ؟ اور
کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ انسان ہمیشہ غلامی کی زندگی گذارتا رہتا ؟ یا ہمیشہ جاگیرداری نظام
رہتا ؟ یا ہمیشہ سرمایہ داری رہتی ؟

بلاشبہ مشین کی ایجاد نے انسانی زندگی کو ایک نئے رُخ پر موڑ دیا ۔ جی ہاں ! لیکن کیا
مشین کی ایجاد بھی انسان پر مسلط کردہ کوئی جبریت تھی ؟ اور اس جبریت کو کس نے مسلط کیا ؟
آخر یہ اللہ کی ہدایت سے بیزاری کیوں ؟

کیا اللہ کا اس سارے معاملے میں کوئی حصّہ نہیں ہے (بیشک اللہ کی ذات پاک ہے
ان تمام باتوں سے جو وہ کہتے ہیں) کیا اللہ نے انسان کو پیدا نہیں کیا ؟ کیا مشین ایجاد کرنے
کی قوت انسان کو اللہ نے نہیں دی ہے ؟ کیا انسان کو یہ قدرت و قوت حاصل ہو جانا جبری تھا۔
لیکن یہ جبریت کس کی پیدا کردہ ہے ؟ بلکہ کیا انسان کا اپنا وجود اس زمین پر جبری ہے ؟ بلکہ کیا زمین

کا وجود بھی جبری ہوسکتا ہے؟ بلکہ کیا کائنات کا وجود ہی جبری خیال کیا جاسکتا ہے؟ آخر کس نے انہیں یہ جبریت دے دی ہے؟ آخر یہ اللہ کی ہدایت سے روگردانی کس لئے ہے؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ انسان سچائی کا راستہ اختیار کرتا! کیا اللہ تعالیٰ نے کائنات کو بغیر کسی مجبوری کے پیدا نہیں کیا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا نہیں کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا نہیں کیا۔ حالانکہ اللہ کے لیئے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ زمین اور انسان کو نہ پیدا کرتا۔ یا ایسے حالات ہی نہ پیدا کرتا جو انسانی حیات کے لیئے ضروری ہیں۔

اگر یہ سب کچھ اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ تقدیر نہیں، بلکہ یہ تاریخی جبریت ہے۔ یا اقتصادی اور اجتماعی جبریت ہے۔ یا اس کے علاوہ دیگر الٰہ کارفرما ہیں!؟

یورپی فکر کے اس جاہلیت میں تراشے ہوئے سارے الٰہ نہایت سخت گیر کھوکھلے اور بے رحم ہیں۔ یہ الٰہ انسانی ارادے کا کوئی دخل برداشت نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے دن اور رات میں اس کی کسی استدعا پر لبیک کہتے ہیں!

یہ آلہہ اپنی احمقانہ جبریت میں انسان کو بالکل ہی نظرانداز کر گئے ہیں۔ انہیں اس کے فکر و عمل سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ انہیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ انسانی عمل صحیح ہے یا غلط، انسان کو ترقی حاصل ہوئی یا قعرِ مذلت میں گر گیا۔ یہ ایمان لایا یا کفر پہ قائم رہا۔

ان الٰہہ کا انسان کے ساتھ برتاؤ ایسا ہے۔ جیسے کوئی بے جان شئے ہو اور انسان ان کی جبریت کے سامنے ہیچ ہے۔ یا ان آلہہ کا برتاؤ انسان سے ایسا ہے۔ جیسے انسان نہ ہو، بلکہ بھیڑوں کا ایک گلہ ہو، جسے کسی نامعلوم راستے پر ہنکایا جا رہا ہو۔

اور اس سے بڑھ کر انسانیت کی ذلت و رسوائی اور کیا ہوسکتی ہے کہ انسانی فکر و عمل کی کوئی قیمت ہی باقی نہ رہے۔ حالانکہ فکر و عمل کی اسی قیمت کا نام انسان ہے۔

کیا انسان اللہ کی راہنمائی سے کنارہ کش ہو کر اسی عزت کا خواہاں تھا جو اسے ملی ہے کہ وہ ایسے آلہہ کا بندہ بن کر رہ گیا جو نہ اس پہ رحم کرتے ہیں اور نہ اس کی بات

سکتے ہیں۔!! بیسویں صدی کی جاہلیت میں بے چارہ انسان کتنا قابل رحم ہوگیا ہے۔!

انسان کی جاہلیت اس مرحلہ پر بھی ختم نہیں ہوئی اور نہ ختم ہونا ممکن ہے۔ اگر اللہ کے تصور میں ایک دفعہ بگاڑ رونما ہو جائے۔ تو وہ یقینی طور پر انسان کے سارے فکر و عمل پر چھا جاتا ہے۔ کیونکہ پہلے ہی سمت سفر غلط متعین ہوئی ہے تو راہ کا ہر قدم غلط ہی اٹھے گا۔ کائنات کے تصور، کائنات اور اللہ کے تصور اور کائنات اور انسان کے بارے میں مغربی جاہلیت جدیدہ میں بہت سے بگاڑ رونما ہوئے ہیں۔

کبھی قوانین فطرت کی جبریت پر ایمان لاکر اللہ کی قدرت سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ کائنات خود بخود وجود میں آگئی۔ کیونکہ کائنات میں زندگی موجود تھی۔ مقصد یہ کہ اس اللہ پر ایمان نہ لانا پڑے جس نے کائنات اور زندگی کو پیدا کیا۔

کبھی کہتے ہیں کہ کائنات کے حالات زندگی کے مناسب نہ تھے۔ بلکہ ایک اتفاقی حادثے کے طور پر زندگی وجود میں آگئی۔ اور یہی حادثہ آخر کار انسان کے ظہور کا سبب بن گیا۔

کبھی کہتے ہیں کہ کائنات اور انسان بغیر کسی مقصد کے وجود میں آگئے ہیں غرض ہر قسم کی گمراہیاں انسان کے فکر و عمل پر چھا گئی ہیں۔ اور بنیاد سب کی وہی اللہ کے تصور میں بگاڑ کا رونما ہو جانا ہے۔

ہم پہلے جبریتوں کے بارے میں گفتگو کر چکے ہیں۔ قوانین طبیعت بھی ان بیان کردہ جبریتوں سے مختلف نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ سب ہی انسان کو ایک اور حقیقی جبریت سے بیگانہ بناتی ہیں۔ اور وہ ایک جبریت ہے۔ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیئت!

اللہ کی مشیت

اللہ کی مشیئت آزاد ہے۔ مقید نہیں ہے۔ اللہ کے ارادے کے بالمقابل ہر قید غلط ہے۔ کون ہے۔ جو اللہ کے ارادے پر بندش لگائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی اپنے ارادے سے ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔

فتنہ کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کی سنت کو کائنات کے لیے ناقابل تبدیلی اور دائمی سمجھ لیا گیا ہے۔

حالانکہ اللہ کی سنت کا ناقابل تبدیلی اور دائمی ہونا، اللہ کی مشیئت کے مطابق ہے
اللہ تعالیٰ اپنے ارادے میں مختار ہے۔ مقید نہیں ہے اور اللہ کی مشیئت کائنات
اور انسان کے لیئے رحمت ہے۔ نہ اللہ کا ارادہ مقید ہے اور نہ اسے کائنات میں تصرف
کرنے میں کوئی رکاوٹ ہے۔

چنانچہ اللہ کی مشیئت چاہتی تھی کہ کائنات اللہ کی مقرر کردہ سنت پر چلے جس کا نام جاہلیت جدیدہ
نے قوانین طبیعت رکھا ہے۔ تاکہ اس کے حقیقی نام سنت اللہ سے بچا جا سکے۔
لیکن اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ خود چاہے کہ اپنی مقررہ کردہ سنت کے خلاف کوئی کام
کرے تو کون ہے جو اسے یہ کہہ سکے کہ قوانین طبیعت ناقابل تغیر ہیں۔
جب کبھی اللہ تعالیٰ دائمی سنت سے ہٹ کر کوئی کام کرتا ہے۔ اسی کا نام معجزہ ہے
لیکن یہ معجزہ بذات خود اللہ کی سنت ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی سنت اور اس کا طریقہ کار ہی
کائنات کی واحد جبریت ہے۔ ا معجزے پر ایمان' علم کے مقررہ قوانین کے قیام، اور عقیدے
کے سائے میں علم کے قیام سے نہیں روکتا۔ جیسا کہ جاہل لوگ خیال کرتے ہیں۔ بلکہ معجزے پر ایمان
تو علم کے تقدم کا باعث ہے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔
سارا اسلامی علم جو درحقیقت ایک بہت بڑی میراث ہے۔ ایسی میراث جو مسلمانوں کی
عظمت کی نشاندہی کرتی ہے اور جس اسلامی علم کی یورپ کی جدید علمی ترقیات مرہون منت
ہیں۔ خاص طور پر تجرباتی اسکول میں تو یورپ نے نہایت عظیم فائدے اٹھائے ——— اور
——— یہ سارا اسلامی علم عقیدے اور معجزے پر ایمان کے سائے تلے پروان چڑھا ہے۔
مسلمانوں کے فکر و نظر میں اس بات میں کوئی تعارض نہ تھا کہ وہ معجزے پر بھی ایمان
رکھتے ہیں اور اللہ کی دائمی سنت اور کائنات کے مقررہ قوانین پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جب کہ
علمی مباحث کا دارومدار تمام تر اسی دائمی سنت پر تھا۔ کیونکہ معجزہ ایک علیحدہ حقیقت ہے اور
اللہ کی دائمی سنت ایک علیحدہ حقیقت اور حقائق میں کوئی تعارض نہیں ہوا کرتا ——— البتہ
جن لوگوں کی چھوٹی چھوٹی عقلوں میں بڑے بڑے امور نہ سما سکیں تو وہ ضرور تعارض محسوس کرتے ہیں۔
مغرب کے تنگ ذہن کی ساری مشکل یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر کسی وقت معجزہ رونما
ہو جائے تو ساری کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ کیونکہ کائنات کے سارے

قوانین باہم ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ اس لئے ہر واقعے کے معین نتائج رونما ہونے ضروری ہیں۔

ان قوانین کو باہم مربوط کس نے کیا ہے۔ کیا وہ ان قوانین کا خالق نہیں ہے۔ کیا خالق کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اگر وہ کسی عظیم مقصد کے لیئے کسی وقت کسی واقعے کے وہ نتائج مرتب نہ ہونے دے۔ جو اس واقعے کے لئے ضروری ہیں .... اور اس عظیم مقصد کے حصول کے بعد اللہ کی سنت پھر اپنے فطری تقاضوں کے مطابق رواں دواں ہو جائے۔

اس کے باوجود بھی علم اور تمام جبری قوانین طبیعت سب کے سب احتمالات ہی تو ہیں۔ ایک طبیعیات اور ریاضیات کا ماہر انگریز سائنس دان جو پہلے ملحد تھا اور آخر میں اللہ کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہتا ہے۔

"قدیم علم میں یہ بات طے شدہ تھی کہ طبیعت[1] صرف ایک ہی راستے پر چل سکتی ہے اور وہ راستہ ہے جو علت و معلول کی شکل میں اس کے لیئے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم کر دیا گیا ہے۔ اس کے سوا کوئی شکل ہو ہی نہیں سکتی کہ جب بھی حالت "ا" وجود میں آئے تو اس کے بعد "ب" وجود پذیر ہو۔ لیکن جدید سائنس کے لحاظ سے "ا" کے بعد "ب" بھی آسکتی ہے "ج" بھی آسکتی ہے۔ اور "د" بھی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ "ب" کے وجود میں آنے کا زیادہ احتمال ہے۔ بہ نسبت "ج" کے۔ اور "ج" کے وجود پذیر ہونا زیادہ محتمل ہے بہ نسبت "د" کے۔ بلکہ "ب" "ج" اور "د" تینوں کا درجہ احتمال بھی متعین کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ کون سی حالت کس حالت کے بعد رونما ہو گی۔ کیونکہ علم جدید کی بنیاد ہی احتمالات ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ کس بات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے تو یہ تقدیر کا مسئلہ ہے .... جو بھی کچھ تقدیر کی حقیقت ہو۔"

تخلیقِ کائنات کے بارے میں نظریہ

انیسویں صدی اور بیسویں صدی کی جاہلیت جدیدہ کی جاہلیتوں میں ایک تعجب خیز

[1] Physical Structure — طبیعت

جاہلیت کا تصور ہے کہ کائنات از خود وجود پذیر ہو گئی ہے۔ چنانچہ

ڈارون نے زندگی کے مختلف ادوار کا مطالعہ کر کے، زندگی کی ابتدائی اور موجودہ شکل کی درمیانی کڑیاں مرتبط کیں۔ مگر وہ خداوند کلیسا کے وجود کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، کیونکہ وہ کلیسا سے ہی برسرپیکار تھا، چنانچہ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ کائنات خود بخود وجود میں آ گئی ہے اور کوئی خدا اس کا خالق نہیں ہے لیکن یہ تصور کہ کائنات خود بخود وجود میں آ گئی ہے اس قدر بودا تھا کہ بیسویں صدی کے سائنس دانوں کو اس کو ترک کرنا پڑا۔ چنانچہ

رسل چارلس ارنسٹ ـــ جو جامعہ فرینکفرٹ۔ جرمنی میں حیاتیات اور نباتیات کے پروفیسر ہیں ـــ کہتے ہیں:

"جمادات سے زندگی کے وجود میں آنے کے بارے میں مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ بعض محققین نے کہا کہ زندگی، پروٹوجین، یا فیروس یا بعض بڑے پروٹونی اجزا کے جمع ہو جانے سے وجود میں آئی ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظریات سے عالم حیات اور جمادات کا درمیانی خلا پر ہو گیا ہے۔ لیکن جو حقیقت ہم تسلیم کرنے پر مجبور ہیں، وہ یہ ہے کہ زندہ مادے کو غیر زندہ مادے سے علیحدہ کرنے کی تمام کوششیں انتہائی ناکامی کا شکار ہو گئی ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ اللہ کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے پاس بھی اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ صرف ذرات اور اجزا کے اچانک جمع ہو جانے سے بھی زندگی رونما ہو سکتی ہے اور وہ شکل اختیار کر سکتی ہے۔ جو ہم زندہ خلیوں میں دیکھتے ہیں۔ ہر شخص کو پوری پوری آزادی ہے کہ اگر وہ چاہے۔ تو زندگی کی اس تعبیر کو قبول کر لے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس نظریہ کو قبول کرنے کے بعد تو عقل کو اتنی مشکلات پیش آتی ہیں کہ اتنی تو خود اللہ کا وجود تسلیم کر لینے میں نہیں ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ زندہ خلیوں میں سے ہر خلیہ اتنا پیچیدہ ہے کہ ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے اور زمین پر بکھرے ہوئے لاکھوں کروڑوں خلیے اس کی قدرت کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایسی شہادت جس کی بنیاد عقل اور منطق پر ہے۔ اسی لئے میں اس اللہ پر پکا سچا ایمان لاتا ہوں۔"

رہ گیا یہ خیال کہ کائنات اتفاقی طور پر وجود میں آگئی ہے تو اس خیال کے بودے پن کو واضح کرنے کے لئے بھی گذشتہ پیراگراف میں جو سائنس دان کا قول نقل کیا گیا ہے وہ کافی ہے۔

پھر بھی اگر ہم علم و سائنس کو ایک طرف رہنے دیں اور صرف کھلی ہوئی آنکھوں اور بصیرت افروز دل سے غور کریں تو بھی یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ آسمانوں کی گردش اور کائنات کی ہر شے کا انتہائی دقیق نظام اچانک اور اتفاقی طور پر وجود میں نہیں آسکتا، بلکہ یہ کسی مدبر خالق کی تخلیق ہی ہوسکتا ہے۔

اگرچہ یہ نظریہ قطعی غیر علمی ہے۔ پھر بھی اگر مان لیا جائے تو بھی کوئی ایسی چیز جو اتفاقیہ رونما ہوگئی ہو۔ اس کے نظام میں اتنی باریکی پیدا نہیں ہوسکتی کہ کروڑہا سال گذرتے چلے جا رہے ہیں اور آج تک کبھی بھی اور کہیں بھی اس نظام میں کوئی معمولی سا نقص رونما نہیں ہوا۔

اس گمراہ کن نظریہ کی بنا پر کہ کائنات اتفاقیہ وجود میں آگئی ہے۔ ایک اور گمراہی رُونما ہوگئی۔ وہ یہ کہ کائنات اور انسان کی تخلیق بے مقصد ہے، ہر گمراہی کی اصل و بنیاد ایک ہی گمراہی ہے۔ اور وہ ہے اللہ کی ہدایت سے دُور ہونا۔ کیونکہ جس کا دل اللہ کی قدرت تخلیق پر ایمان رکھتا ہو۔ اس پر اس گمراہی کا غلبہ نہیں ہوسکتا۔

کائنات کی تعمیر میں یہ معجز نما باریک بینی خواہ مخواہ نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ضرور اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس تخلیق کوئی نہ کوئی منشا و مقصد ضرور ہے۔

یہ ہوسکتا ہے انسان اس مقصد کو نہ پا سکے۔ کیونکہ انسان کائنات سے باہر نہیں ہے، بلکہ خود بھی کائنات کا ایک جز ہے۔ اور جز کل کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ لیکن پھر بھی اگر انسان کھلی آنکھوں سے دیکھے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس معجز نما باریکی کا۔ جس کا انسانی عقل اندازہ بھی نہیں کرسکتی۔ کوئی مقصد تو آخر ہوگا ہی۔ بہر حال یہ خیال کہ کائنات اور انسان کا وجود بے مقصد ہے۔ ایک ایسی گمراہی ہے جس سے زندگی کے تصور و عمل میں بڑے بڑے بگاڑ رونما ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے۔ جو زندگی بغیر کسی صاحب تدبیر خالق کے وجود میں آگئی ہو اور انسان بھی اتفاقیہ پیدا ہوگیا ہو۔ اس زندگی میں نہ تو کوئی ربط و ہم آہنگی ہوسکتی ہے اور نہ کوئی مقصد

سامنے ہو سکتا ہے!

ڈارون کہتا ہے۔ کہ " زندگی تو بس اندھے کی لاٹھی ہے " . . . اس خیال میں انسان کی پیدائش اور ارتقا بھی شامل ہیں۔ ! اور یہی تصور ہے۔ جہاں سے گمراہی انسان کے ذہن پر اور اس کی زندگی کے مقاصد پہ اپنے اثرات مرتسم کرتی ہے۔

یہ بلاشبہ ایک عظیم نقصان ہے انتہائی بدبختی ہے یہ مہلک لذت پرستی اور ایسی ناامیدی اور حسرت کی کشمکش ہے جس میں انسان خدائے رحمان کی مہربانیوں سے محروم ہو چکا ہے۔

اگلے باب میں ہم ان فاسد اثرات کی نشان دہی کریں گے جو اس فرسودہ اور گمراہ تصور انسانیت کی روش پر مرتسم کیے ہیں، کیونکہ جب انسان کا اللہ سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس کا ہر رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور انسان بغیر کسی رہنما کے بھٹکنے لگتا ہے۔ چنانچہ بیسویں صدی کا ـــــ انسان بھٹکتا رہا اور اسے اپنے وجود کے مقصد کا علم نہ ہو سکا نہ ہی انسان کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا مقام ہے اور اسے اس کائنات میں کیا کردار ادا کرنا ہے .... حتیٰ کہ اس نے اللہ کے بالمقابل اپنے آپ کو الٰہ بنا لیا لیکن جونہی انسان اللہ کی ہدایت و راہنمائی سے باہر آیا، شیاطین نے اسے اچک لیا۔ اسے جبریتوں کے آلہہ نے اچک لیا اور ان الٰہ نے انسان کی ناک مٹی میں رگڑ کر اسے ایسا ذلیل و خوار کیا کہ انسان انہی کے سامنے سربسجود ہو گیا۔ انسان نہ اپنی حقیقت کا اندازہ کر سکا اور اپنے مقصد وجود کا پتہ چلا سکا۔!

انسان کا مقام

کیونکہ ڈارون کی نظر میں انسان بھی دوسرے جانوروں کی طرح ایک جانور ہے اسی لیے انسانی زندگی کے بارے میں اور انسانیت کے بلند مقام کے بارے میں اس کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ انسان کی حیثیت کائنات میں ایک حقیر کیڑے سے زیادہ نہیں ہے۔ بقا ہی دراصل فلسفۂ ارتقاء میں کامیابی کی علامت ہے۔ اس لیے کائنات کی ہر شے کی قیمت برابر ہے۔ آگے بڑھنے کا تخیل صرف انسانی تخیل ہے۔ یہ بات اگرچہ تسلیم شدہ ہے کہ اس وقت انسان سید المخلوقات ہے، لیکن یہ مقام اپنے ارتقائی مراحل میں ایک چیونٹی بھی حاصل کر سکتی ہے "۔[1]

---

[1] جدید دنیا کا انسان — جولیان ہکسلے (Man in the Modern World)

یہیں سے انسان اپنی ذات اور اپنے مقصد کے حیوانی تصور میں الجھ گیا اور حقیقتاً اس کا مقام ایک چیونٹی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اور

انسان یہ اندازہ نہیں کر سکا کہ زندگی کا اس زمین پر اس مختصر سے وقفہ میں ختم ہو جانا ناممکن ہے۔ اگر زندگی اسی دنیا میں ختم ہو جاتی تو یہ تصویر کا ایک نامکمل رُخ ہے۔ کیونکہ دنیاوی زندگی اپنی اس تمام کش مکش حیات اور اپنے گوناگوں مظالم کے اگر صرف اتنی ہی ہے۔ جتنی دنیا میں ہے تو یہ بالکل ہی بیکار رہے۔ یہ تو ایسا جھوٹ ہے جس میں سچائی کا نام ونشان نہیں۔ یہ تو اتنی بیکار ہے کہ انسان بھی اس کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ!!

جب ان کی رسّی اللہ سے منقطع ہو گئی اور جب انہوں نے اپنی نظریں صرف دنیا ہی کے محدود دائرے میں مرکوز کر لیں تو دنیاوی زندگی ان کے سامنے بد نما بھدی اور بیکار شکل میں سامنے آگئی۔ جس زندگی کے نہ کوئی معنی ہیں اور نہ مطلب! جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اس باطل زندگی میں سوائے بے چینی اور اضطراب کے کچھ بھی نہیں ہے تو جو لذتیں انہیں مل سکتی تھیں۔ ان کی طرف مجنونانہ دوڑ پڑے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ زندگی کے جو لمحات وہ لذت اندوزی اور عیش پرستی میں گذار سکتے ہیں ان کو ضائع کر دیں۔ کیونکہ اس زندگی کے بعد تو زندگی ہی نہیں ہے۔

جانوروں کی طرح بے مقصد جدھر مُنہ اُٹھا چل دیئے . . . پھر اس بے پناہ جنون میں نہ کوئی اطمینان ہے۔ نہ سعادت ہے اور نہ کوئی راحت ہے۔

جاہلیت جدیدہ، انسان اور انسانوں کے آپس کے تعلقات کے بارے میں جو نظریہ رکھتی ہے۔ وہ ہی درحقیقت اس دور کی سب سے بڑی گمراہی ہے اور یہ عظیم ترین گمراہی بھی اسی ایک بنیادی گمراہی یعنی اللہ کی ہدایت سے انحراف سے پیدا شدہ ہے۔

انسان کے اوپر جاہلیت کے جتنے بھی ادوار گذرے ہیں، وہ ہر دور میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ انسان ہے۔ لیکن دورِ جدید کی جاہلیت میں ڈاردن نے آکر بتایا کہ انسان دراصل حیوان ہے!

جب سے انسان عالم وجود میں آیا ہے۔ اس وقت سے لے کر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ تک اللہ کے بھیجے ہوئے انبیا انسان کی انسانیت کا پرچار کرتے رہے: اور اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ انسان اپنے اس بلند ترین مقام کو حاصل کر لے جو اس کی انسانیت کا تقاضا ہے۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو اللہ کی روشنی میں راستہ دکھایا اور معجزات

لے کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ لیکن انیسویں صدی کا علم و سائنس کا پیغمبر جب دنیا میں آیا تو اس نے بتایا کہ انسان حیوان ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ انیسویں صدی کا پیغمبر شیطان کا بھیجا ہوا ہو۔ ڈارون کے افکار و نظریات نے اس جاہلیت جدیدہ میں انسانیت کو وہ عظیم ترین نقصان پہنچائے ہیں۔ جو ہزاروں برس میں شیطان بھی نہ پہنچا سکا۔ اس لیے کہ انسان اب تو حیوان بن چکا ہے... حیوان سے آپ کیا توقع کر سکتے ہیں۔

ڈارونیت کے زہریلے اثرات پورے مغربی فکر پر بُری طرح اثر انداز ہوئے ہیں سیاست ہو یا اقتصاد، اجتماعیت، نفسیات ہو یا اخلاق و فن، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی شکل نہ بگڑ گئی ہو جب انسان جانور ہی بن گیا تو ظاہر ہے کہ اس کے لازمی نتائج ضرور رونما ہو کر رہیں گے۔

فکر کے اس جابجا بگاڑ اور انسان کی اس حیوانی تعبیر کے نتائج یہ ہیں کہ انسانی فکر کے تمام زاویے اور انسانی اخلاق کے تمام گوشے زوال پذیر ہو گئے اور انسان اپنے بلند مقام سے گر کر بالکلیہ حیوانیت کی آغوش میں آگیا۔

ڈارون نے جب انسان کی جسمانی ساخت[1] کا مطالعہ کر کے یہ محسوس کیا کہ انسانی جسم اور حیوانی جسم میں کافی کچھ مشابہت ہے تو اسے یہ دھوکہ ہو گیا کہ انسانی درحقیقت حیوان ہی ہے۔ مگر ——— ظاہر ہے ڈارون کے اس نظریہ کو کوئی سائنٹیفک حقیقت نہیں کہا جاسکتا!

جدید ڈارونیت

جدید ڈارونیت فلسفہ ارتقاء پر ایمان رکھنے کے باوجود ڈارون کے اس نظریہ کو علمی حیثیت غلط ٹھہراتی ہے۔ اس اسکول کا لیڈر لاڈمذہب جولیان ہکسلے صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ انسان حیوان نہیں ہے بہرحال نظریہ ڈارون کے بعد انسان اپنی حیوانیت سے انکار تو نہ کر سکا۔ البتہ یہ سمجھنے پر ضرور مجبور ہو گیا کہ وہ کوئی علیحدہ نوعیت کا جانور ہے، بلکہ بعض صورتوں میں اس میں انفرادیت بھی پائی جاتی ہے جبکہ انسان کی حیاتیاتی تحقیق[2] ابھی تک نامکمل ہے[3] گویا

جس حیاتیاتی مشابہت کی بناء پر ڈارون یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ انسان حیوان ہے۔ اب وہ ہی انسانی حیاتیات اپنی ساخت اور ترکیب کے لحاظ منفرد ثابت ہو چکی ہے۔

ہکسلے کہتا ہے: کہ تمام جانوروں کے بھیجوں میں دو قسم کے اعصاب آ کر مل جاتے ہیں۔

---

[1] نئے دور کا انسان۔ جولیان ہکسلے، ص ۳ [2] ایضاً ص ۲۷ - ۲۱ - [3]

ایک عضلات قابضہ اور دوسرے عضلات باسطہ۔ ایک لمحہ میں ایک حیوان ایک ہی قسم کے عضلات کو حکم دے سکتا ہے۔ یا عضلات قابضہ کو یا عضلات باسطہ کو، مثال کے طور پر کتا یا تو دوڑ سکتا ہے۔ یا پھاڑ سکتا ہے۔ ایک وقت میں دونوں کام نہیں کر سکتا۔ صرف انسان ہی تمام مخلوقات میں ایک ایسا جانور ہے جو ایک لمحہ ہی میں متعارض کام سرانجام دے سکتا ہے۔ کیونکہ انسانی بھیجہ متعارض امور کو بیک وقت ترتیب دے سکتا ہے۔"

ہکسلے انسان کی حیاتیاتی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"انسان کی سب سے بڑی اور بہترین خوبی یہ ہے کہ وہ فکر تصویری پر قادر ہے اگر آپ اصطلاحی عبارت استعمال کرنا چاہتے ہیں تو کہہ لیجئے کہ انسان واضح گفتگو کر سکتا ہے۔"

انسان کی اسی خصوصیت کی بناء پر رسم و روایات پیدا ہوئیں اور رسم و روایات کی زیادتی سے انسان کے سامان آرائش و آسائش میں حسن و خوبی پیدا ہوئی۔ جس کی بناء پر انسان کو کائنات میں یہ ممتاز مقام حاصل ہوا۔ جس پر وہ فائز ہے۔

موجودہ دور میں انسان کی یہ حیاتیاتی اہمیت بھی انسان کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ کیونکہ انسان کی ترقی اور باقی دنیا پر اس کی حکمرانی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اور انسانی زندگی کا تنوع بڑھتا چلا گیا ہے۔

غرض جس طرح تمام مذاہب نے انسان کو اشرف المخلوقات بتایا ہے کچھ اسی قسم کا تصور انسان کو علم حیاتیات بھی دیتا ہے۔

قوت گویائی، رسم و روایت اور عددی کثرت نے انسان کے لئے کچھ ایسی خوبیاں پیدا کر دی ہیں جو کسی اور مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔ چونکہ یہ خوبیاں واضح طور پر سامنے ہیں۔ اس لئے میں ان کا تذکرہ کرنے کے بجائے ایسی خصوصیات کا تذکرہ کرتا ہوں۔ کیونکہ انسان اپنی حیاتیاتی بناوٹ کے لحاظ سے بالکل ایک علیحدہ نوع ہے۔ پھر یہ خصوصیت جن کا میں تذکرہ کرنے والا ہوں۔ ایسی خصوصیات ہیں۔ جن کی طرف نہ تو علم حیوان نے توجہ دی اور نہ ہی اجتماعیات نے۔

"تمام ارتقاء پذیر حیوانات میں انسان اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔"

جدید ڈارونیت نے ان الفاظ میں انسان کی انفرادیت کا اعلان کیا ہے۔ لیکن یہ اعلان اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ ہکسلے ملحد ہے اور اپنے الحاد میں بہت ہی بے باک واقع ہوا

ہے۔ بلکہ یہ اعلان خالص علمی اور سائنٹیفک تجربات پر مبنی ہے۔

ڈارون نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے بغیر کسی سائنٹیفک دلیل کے انسان کو حیوان بنا دیا۔ حالانکہ اس کو مزید غور و فکر کرنا چاہیے تھا۔ تاکہ اسے بھی انسان کی انسانیت کا علم ہو جاتا۔ جیسا کہ جدید ڈارونیت کو ہو گیا ہے۔

ڈارون کی یہ "حیوانی تعبیر" ایک سرکش جن بن کر تمام افکار و تصورات پر چھا گئی اور اتنا عظیم بگاڑ پیدا کر دیا کہ تاریخ کی کسی بھی جاہلیت میں نہ ہوا تھا۔ اور اس بگاڑ کے زیر اثر ساری انسانی زندگی مسخ ہو کر رہ گئی۔ انسان حیوان بن گیا۔ بلکہ حیوان سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر!

فرائڈ کی جنسی تعبیر

غرض انسان کو مذہب سے بیگانہ اور خدا سے بے نیاز بنانے کے لیے انسانی تعبیر کے علاوہ ہر تعبیر اختیار کی گئی۔ چنانچہ تاریخ کی مادی تعبیر، عمل کی جنسی تعبیر اور شعور کی جسمانی تعبیر کی گئی۔

تاریخ کی مادی تعبیر کا ہیرو کارل مارکس ہے جس نے پوری انسانی زندگی کی مادی تعبیر کی ہے اور بتایا ہے کہ انسان کی تاریخ دراصل دو روٹی کی تلاش کی تاریخ ہے اور بھوک ہی انسانی زندگی پر مسلط ہے۔

خالص مادیت انسانی وجود اور اس کے شعور کی راہیں متعین کرتی ہے اور معنوی اقدار زوال پذیر اعراض ہیں جوہر نہیں ہیں جبکہ جوہر صرف انسانی زندگی کا مادی ڈھانچہ ہے۔ صرف تاریخ کی مادی تعبیر ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ڈارون کا فلسفہ ارتقاء بھی ہے جس نے خاص طور پر تمام اقدار کو زک پہنچائی ہے۔

ڈارون کے نزدیک چونکہ معنوی اقدار ہمیشہ تغیر پذیر رہی ہیں۔ اس لئے دنیا میں کسی ازلی حق و انصاف کا وجود تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ جو بات آج کسی مادی یا اقتصادی سبب کی بنا پر برائی سمجھی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مستقبل میں خوبی بن جائے۔ چنانچہ

جاگیرداری نظام میں مذہب پرستی خوبی تھی۔ لیکن یہی دینداری صنعتی دور میں جمود و رجعیت سمجھی جانے لگی اور الحاد اس دور کی اچھائی بن گیا۔ جنسی پاکبازی جاگیرداری دور میں اچھائی

خیال کی جاتی تھی۔ اب ایک ترقی یافتہ صنعتی سوسائٹی میں اس کی حیثیت ایک مذاق سے زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ عورت اقتصادی طور پر مرد کی گرفت سے آزاد ہو چکی ہے۔ اور اب مرد عورت کی اقتصادی زندگی کا مالک نہیں رہا ہے کہ وہ اس کے بدلے میں عورت سے پاکدامنی اور پاکبازی کا مطالبہ کر سکے!! خود مرد بھی اخلاقی قیود سے آزاد ہو گیا۔ اسے بھی فکر و عمل میں پاکبازی کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ انسان کا نیا دیوتا ــــ خواہ وہ مغرب کا سرمایہ ہو یا مشرق کی حکومت ــــ انسان سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ پاکباز رہے، بلکہ اس کی دلچسپی تو کسی اور ہی بات سے متعلق ہے۔

یہ تعبیر انسان کی صرف مادی اور حیوانی زندگی کو مدّ نظر رکھتی ہے اور روح کا مذاق اڑاتی ہے۔ کیونکہ جاہلیت جدیدہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتی اور اس پر بھی ایمان نہیں رکھتی کہ انسانی وجود میں روح اللہ کی ودیعت کردہ ہے۔

جنسی تعبیر کی بھیانک گمراہی کا ہیرو فرائڈ ہے۔ اور اس نے انسان کو حیوان بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور حیوان بھی بہت بگڑا ہوا بد ہیئت بنا کر پیش کیا اور اس نے بتایا کہ انسان کے ہر عمل ہر حرکت اور ہر سوچ کا مرکز جنس ہے

کیونکہ حیوان کو جب لذت اکل محسوس ہوتی ہے، تو وہ کھاتا ہے۔ جب پینے کی خواہش ہوتی ہے تو پیتا ہے۔ جب دوڑنے کا جذبہ ابھرتا ہے تو دوڑنے لگتا اور جب جنسی جذبات سے مجبور ہوتا ہے، تو جنسی عمل بھی انجام دیتا ہے ۔۔۔ لیکن ۔۔۔ فرائڈ کا بگڑا ہوا بدنما و بدشکل انسان!! جب ماں کا دودھ پیتا ہے تو لذت جنس سے۔

جب انگوٹھا چوستا ہے تو اس میں بھی جنسی لذت کارفرما ہوتی ہے۔ جب پیشاب پاخانہ کرتا ہے تو یہاں بھی محرک جنسی ہوتا ہے!

جب اپنے عضلات کو حرکت دیتا ہے تو اس حرکت کا سبب بھی جنس ہوتی ہے۔

پھر فرائڈ کا انسان جب اپنی ماں سے محبت کرتا ہے تو اس پہ محبت بھی جنسی ہوتی ہے!

اسی پر بس نہیں، بلکہ مذہب، اخلاق، رسوم و روایات سب جنس کے اسی گندے گھوڑے پر اُگنے ہیں!!

فکر کا بگاڑ

فکر کا بگاڑ

نفسیات کے "تجربی اسکول[1]" کے ارباب تمام انسانی زندگی اور اس کے جملہ مشاعر کی حیوانات کے مانند جسمانی تعبیر کرتے ہیں۔

چنانچہ ان کے نزدیک انسانی شعور اور افکار انسان کے جسم میں ہونے والے غددی اور کیمیائی عمل کا نتیجہ ہیں۔ اور ان کی رائے کے مطابق "جنسی غدود سے "جنسی شعور" ابھرتا ہے۔ "غدۂ امومہ" مادری شعور پیدا کرتا ہے۔ "غدۂ کظر" سے بہادری یا بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ اور ... "غدۂ درقیہ" سے عصبی، معتدل یا بارد مزاج بنتا ہے۔

ولیم جیمز[2] اپنی کتاب "نظریۂ میلانات" میں کہتے ہیں۔ (ص - ۶۰)

"عواطف اور میلانات کے بارے میں لوگوں کا عام طور پر یہ نظریہ ہے کہ کسی چیز کا ایسا 'عقلی ادراک' جس سے 'حالتِ وجدانی' میں ہیجان پیدا ہو۔ میرا اپنا نظریہ یہ ہے کہ کسی مؤثر کے ادراک کے فوراً بعد جسم میں تغیرات واقع ہوتے ہیں اور جو احساس ہمارے اندر ابھرتا ہے۔ وہ انہی تغیرات کا نتیجہ ہوتا ہے، اور اسی کا نام میلان ہے"!

حاصل کلام یہ کہ 'نفس' جسم کی پیداوار ہے اور اس لیے 'انسانی تشخص' میں کوئی بنیادی اور جوہری اہمیت نہیں رکھتا۔

---

[1] Experimental Method

[2] ولیم جیمز۔ "نفسیات کے تجربی اسکول" کے پیش رو ہیں۔

میں انسانی زندگی کی ان تمام تعبیرات پر پہلے بھی اپنی کئی کتابوں[1] پر تنقید کر چکا ہوں یہاں زیادہ تفصیلی تنقید کی ضرورت نہیں ہے کہ انسانی زندگی کے جس پہلو کو یہ تعبیرات واضح کرتی ہیں، وہ کتنا گمراہ کن ہے۔ البتہ رہنمائی کے لئے چند امور کا تذکرہ ضروری ہے۔

انسانی زندگی کی یہ تمام تعبیریں ایک ہی گمراہی کا شکار رہیں کہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر ایک کمتر پہلو کو فوقیت دے دی گئی ہے۔ انسانیت کا یہ کمتر پہلو جسم اور اس کی ضروریات ہیں۔ پھر ان تمام تعبیرات کا رشتہ ایک ہی بنیادی نظریہ سے جا ملتا ہے۔ جس میں انسان کو قطعی طور پر حیوان سمجھ لیا گیا ہے۔!

انسانیت کے بارے میں ہر جزئی نظریہ غلط ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں انسانیت کے بقیہ پہلوؤں کو نظر انداز کر کے انسانیت کو ایسی گھناؤنی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے حقیقت کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور اس شکل کے گھناؤنے پن میں اس وقت تو کوئی کسر باقی نہیں رہتی جب ساری انسانیت کو اسی یک طرفہ نظریہ کے گرد گھما دیا جاتا ہے۔ اور انسان کو اسی ایک خاص عینک سے دیکھا جانے لگتا ہے۔

پھر لطف کی بات یہ کہ انسانیت کے جس گوشے کو یہ تمام تعبیریں نظر انداز کر چکی ہیں۔ وہ ہی درحقیقت انسانیت کا وہ عظیم پہلو ہے۔ جس کی بنا پر انسان، انسان کہلایا اور حیوانات سے ممتاز ہو گیا ——— یعنی ——— انسان کا روحانی پہلو، جس کو تمام تعبیرات میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ تاریخ کی "مادی تعبیر" نے دو روٹی کی تلاش ہی کو انسانی فکر کا راہنما قرار دے دیا۔ اعمال انسانی کی "جنسی تعبیر" نے پوری انسانیت کو جنس کے اندھیارے میں دھکیل دیا۔

---

[1] ملاحظہ کیجئے مصنف کی کتابیں:-

○ الانسان بین المادیۃ والاسلام ——— اس کتاب کا راقم الحروف کا اردو ترجمہ "اسلام اور جدید مادی افکار" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

○ معرکۃ التقالیہ۔

○ دراسات فی النفس الانسانیہ۔

شعور کی جسمانی تعبیر" نے جسم کو نفسیات انسانی کا سرچشمہ بنا دیا۔

غرض انسانی زندگی کی یہ تمام تعبیرات انسانی زندگی میں روح کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔ بلکہ ان تمام تصورات کا مرکزی فکر صرف انسان کی حیوانیت ہے۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ انسان اور دیگر حیوانات میں اس ظاہری مشابہت کے باوجود بھی بہت بڑا اختلاف موجود ہے!!

حیوانات کھانے کی تلاش و جستجو کرتے ہیں۔ اور... حیوانات جنسی اختلاط بھی کرتے ہیں اور... اُن کے اِن تمام تصرفات کا سرچشمہ بھی اُن کا جسم ہی ہوتا ہے۔

پھر... آخر... انسان حیوانات سے مختلف کیوں ہے اور انسان اور حیوانات کی زندگی کی راہیں جُدا جُدا کیوں ہیں؟

بات دراصل یہ ہے کہ ان تمام جدید تعبیرات نے انسانی زندگی کی حقیقت واقعیہ کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے ——— یا ——— اپنے خبیث شیطانی جذبات کے ماتحت بالارادہ انسان کی تصویر کشی جانور کی شکل میں کی ہے[1]

کچھ بھی ہو... بہر کیف... یہ فرسودہ تصورات انسانیت کی صحیح تعبیر سے عاجز رہے اور اس معمے کو نہ حل کر سکے کہ:۔

انسانیت اپنے ابتدائی دور میں تو دو روٹی، جنس، رہائش اور لباس کی تلاش میں رہی۔ پھر اچانک انسان نے اپنی اس تگ و دو کے لیے باقاعدہ اجتماعی، معاشی اور سیاسی نظام مرتب کر لیے۔ اور ان تنظیمات کو چلانے کے لیے کچھ اقدار، چند عقائد اور بعض افکار بھی ترتیب دے لیے ——— کیوں اور کس طرح؟ کیا اس لیے کہ انسان ہر قسم کی اقدار سے کنارہ کش ہو کر اپنے اعمال کو سرانجام دے سکتا تھا؟

انسان بھوک کو اس طرح بھی مٹا سکتا ہے۔ جس طرح جانور مٹاتے ہیں۔ لیکن انسان اسی بھوک کے دفعیہ کے لیے معاشی، اجتماعی اور سیاسی نظام ترتیب دیتا ہے (خواہ یہ نظام اپنی جگہ پر صحیح اصولوں پر قائم ہوں یا غلط؟) پھر ان تنظیمات کے ذریعے ہر انسان کو اس کا حصہ پہنچاتا

---

[1] ملاحظہ کیجیے "التطور والثبات" جس کا راقم الحروف کا ترجمہ "انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ہے ـــ یہ ہی نہیں ـــ بلکہ اس حصہ رسانی اور اس کے طریقوں کے لازمی نتیجہ میں حکومت معاشرت اور لوگوں کے آپس کے تعلقات ایک خاص نہج پر ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے انسان اپنی جنسی بھوک صرف جنسی جذبات کے تحت نہیں مٹاتا بلکہ اس ضرورت کے رفع کرنے کے لیے ادارے تشکیل دیتا ہے اور ان اداروں کے ذریعے اپنی جنسی ضرورت پوری کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ ادارے اس کے اس مقصد کے حصول کی راہیں متعین کرتے ہیں۔ انسان چاہے یا نہ چاہے اس کی دلچسپی کے ہر پہلو کی تکمیل کے کچھ ادارے وجود میں آجاتے ہیں اور ان اداروں میں کچھ اقدار، چند افکار اور بعض عقائد کا سہارا لیا جاتا ہے۔ فکر کی یہ بنیادیں غلط ہوں یا صحیح ہوتی ضرور ہیں اور اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ انسان جسم اور روح دونوں کا مرکب ہے اور انسان کے ان دونوں اجزا کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ جدید جاہلیت نے انسان کے جسم کو مدنظر رکھ کر روح کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے[1] زندگی کی یہ تمام تعبیریں کھوٹی، نکمی اور بیکار ہیں۔

زندگی کی یہ تمام تفسیریں کھوٹی، نکمی اور بیکار ہیں۔

اور یہ سب جاہلیتیں ہیں اور ایک ہی بھیانک جاہلیت سے پھوٹی ہیں جس نے اللہ کی ہدایت کو ٹھکرا دیا ـــ اور جان بوجھ کر زندگی کی ہر تفسیر اللہ سے ہٹ کر کرتی ہے ـــ اور اسی خدا بیزاری کے نتیجے میں بکواس اور جہالت میں الجھ کر رہ گئی۔

انسانی نفسیات کی تحلیل کے بارے میں جاہلیت جدیدہ کا ہی "انحراف" یہ ہے کہ اُس نے انسان کے 'جسم' اور 'روح' کو علیحدہ علیحدہ کر کے جسم کو تو اہمیت دی۔ لیکن رُوح کو کچل کر رکھ دیا ـــ کیونکہ روح کا براہِ راست اللہ سے تعلق ہے جس سے جاہلیت نہ صرف اپنا بچاؤ کرتی ہے بلکہ اس کی نشانیوں کو بھی مٹانے سے دریغ نہیں کرتی ـــ اور انسان کے جسمانی پہلو ابھار کر ساری زندگی کی تعبیر اسی کے مطابق کر دی حالانکہ زندگی کی اس یکطرفہ تعبیر کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

فردیت اور اجتماعیت

درحقیقت جاہلیت جدیدہ کا یہ ایک ہی "انحراف" نہیں ہے۔ بلکہ اس ایک انحراف

---

[1] ملاحظہ کیجئے: "دراسات فی النفس الانسانیہ"

سے کئی اور انحرافات نے جنم لیا ہے۔ کیونکہ جاہلیت جب اللہ کے راستے سے منحرف ہو جاتی ہے تو اس کے تمام تصورات و افکار میں اعتدال ختم ہو جاتا ہے اور لوگ انتہا پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اعتدال کی راہ تو انسان جب ہی اپنا سکتا ہے۔ جب وہ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر چلے اور کائنات و زندگی کی تفسیر و تعبیر اللہ کی ہدایت کی روشنی میں کرے۔

چنانچہ جب جاہلیت جدیدہ اعتدال کی راہ سے منحرف ہو گئی۔ تو اس کی فکر انسان کی 'فردیت'[1] اور 'اجتماعیت'[2] کی ظاہری شکلوں پر مرتکز ہو کر رہ گئی!

کچھ 'جاہلیت زدہ' اشخاص نے "فرد" کے پہلو پر زور دیا اور کچھ زرے "اجتماعیت پسند" بن گئے —— اور ہر گروہ نے دوسرے پہلو کو یا تو بالکل نظر انداز کر دیا۔ یا زیادہ قابل توجہ خیال نہیں کیا۔ اگر انسانی معاشرہ میں حقیقی اہمیت 'فرد' کو حاصل ہے تو "اجتماعیت" فرد کی شخصیت کو کچل کر اس کے وجود کو پامال کر رہی ہے۔

اور —— اگر حقیقت 'اجتماعیت' میں پنہاں ہے۔ تو فرد کی انفرادیت معاشرے کے خلاف ظلم و بغاوت ہے اور فرد اپنی 'ایگو' (انا) کے اثبات کے لیے 'اجتماعیت' پر زیادتیاں کر رہا ہے!

'فرد' اور 'جماعت' کے بارے میں یہ دونوں تصورات جاہلیت جدیدہ کے ہیں اور دونوں تصورات اعتدال و توازن سے یکسر خالی ہیں۔

پھر انہی اعتدال سے خالی تصورات پر سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی نظام گھڑ لیے گئے[3] اور جاہلیت جدیدہ کے پرستاروں نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا۔ کہ "انسانیت" 'فرد' اور 'جماعت' کا ایک متوازن اور معتدل مجموعہ ہے ۔ ایک انسان ایک ہی وقت میں مستقل فرد بھی ہے اور اسی وقت وہ معاشرے کا ایک حصہ بھی ہے —— انسان اپنے ذاتی

---

[1] Individulism

[2] Collectivism

[3] ہم اگلے باب میں ان تمام امور پر تنقید کریں گے۔

شعور کے ساتھ اپنے تشخص کو بھی نکھارتا ہے ___ اور ساتھ ہی وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے، اپنے ہم جنسوں میں مل بیٹھنے کا خواہاں ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ان میں پاکر خوش بھی ہوتا ہے۔

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ "فردیت" اور "اجتماعیت" میں کبھی کبھی کش مکش پیدا ہوجاتی ہے لیکن یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس کش مکش سے بچنے کے لیے فردیت اور اجتماعیت کے حقیقت واقعیہ[1] اور ایک نفسیاتی امر ہونے سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس بات سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ اگر انسانیت زندگی کا صحیح راستہ اختیار کرے تو اسے فردیت اور اجتماعیت کی اس کش مکش سے کافی حد تک چھٹکارا مل سکتا ہے اور انسانی معاشرہ اعتدال کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے۔

لیکن چونکہ ہر جاہلیت راہ حق سے روگردانی کرتی ہے اور اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر نہیں چلتی۔ اس لئے اس کے سارے نظام میں فکر وعمل کی بے پناہ خرابیاں اُبھر آتی ہیں۔ چنانچہ نفس انسانی کے تصوّر میں جاہلیت جدیدہ نے انحراف کیا ہے اور درحقیقت یہ انحراف بھی اللہ کی عبادت سے روگردانی ہی کا نتیجہ ہے۔

جاہلیت جدیدہ نے انسانوں کے آپس کے انفرادی، اجتماعی، جنسی اور قومی تعلقات کو ملیامیٹ کرکے رکھ دیا ہے۔

فرد انسانی اور اس کے نفس کی تصویر کشی کچھ اس انداز سے کی گئی ہے کہ وہ ایک مسلسل کش مکش کا شکار ہے۔ جو کسی وقت بھی کم نہیں ہوتی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ کشمکش اس کی ترقی اور قوتِ کارکردگی میں اضافہ کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور اطمینان و سکون تو منفی بیماریاں ہیں۔ جن سے انسان کو بچنا ہی چاہیئے اور قلق و بے چینی ہی زندگی کو رواں دواں رکھتی ہے ....!

بے شک اس قلق و بے چینی نے زندگی کو رواں دواں رکھا۔ لیکن حیرت، اضطراب جنون، بلڈ پریشر، عصبی اور نفسیاتی اختلال کی طرف! اب حالت یہ ہے کہ ہسپتال دماغی

---

[1] Actual Fact

اور نفسیاتی مریضوں سے بھرے پڑے ہیں۔ حد یہ کہ پاگل پن ایک متمدن مرض اور اختلال علامات تہذیب میں سے خیال کیا جانے لگا ہے!

درحقیقت یہ سب جاہلیت کے شاخسانے ہیں ــ کیونکہ "زندگی سے بھرپور حرکت" اور قلق و بے چینی میں بہت بڑا فرق ہے!

دورِ اوّل کے مسلمان

دُورِ اوّل کے مسلمان تاریخ کی سب سے زیادہ متحرک اور زندگی سے بھرپور جماعت تھی ــــ ایک طرف مسلمانوں نے آدھی صدی سے بھی کم وقت میں سمندر پار تک کے علاقے فتح کر ڈالے۔ تو دوسری طرف مسلمان ایک بلند ترین علمی تحریک کے علم بردار بھی بن گئے ــ ان کے پاس سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی تنظیمات بھی تھیں وہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے چند در چند فکری مذاہب بھی رکھتے تھے۔ پھر ان فکری مذاہب کو معاشرے کی واقعی صورتِ حال پر منطبق بھی کرتے تھے۔ جس کی بنا پر فقہی مذاہب وجود میں آئے ــــ جن میں زندگی تھی۔ حرکت تھی اور نشاط تھا۔ پھر یہ سارے کارنامے اپنے تمام کاموں میں اللہ کی طرف متوجہ تھے اور اللہ کے ذکر سے ان کے قلب مطمئن تھے!

رہ گیا فرد کا معاشرے کے ساتھ تعلق۔ تو اس کے بارے میں جاہلیت جدیدہ بتاتی ہے کہ فرد اور معاشرے میں ایک نہ ختم ہونے والی جنگ جاری ہے ــــ پھر اس فکر کو سامنے رکھ کر انسانی زندگی کی تفسیریں کی گئیں ــــ جس میں ممتاز ترین تاریخ کی مادی تعبیر ہے۔ جس کے تحت نہ تو انسان کو کبھی اس جنگ سے چھٹکارا مل سکتا ہے اور نہ ہی اس کش مکش میں کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ کش مکش حق و باطل کے درمیان نہیں ہے۔ حالانکہ جس انسان کو اللہ نے مکرم اور صاحب عزت بنایا تھا اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ حق کا علم بردار بنے اور باطل سے برسرپیکار رہے۔

جاہلیت حق و باطل کو نہیں جانتی۔ بلکہ جاہلیت تو حق و باطل کا مذاق اڑاتی ہے ـــ جاہلیت کے خیال میں تو انسانوں کے درمیان "طبقاتی جنگ"[1] برپا ہے۔ جس کے لئے نہ کوئی

---

[1] Class Struggle

اخلاقی اصول ہے۔ اور نہ حق و باطل کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے ـــــ اس مفاد پرستی کی جنگ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ حق سے اور اللہ کی متعین کردہ حدود سے تجاوز کرکے زیادتی کا مرتکب ہوا ہے۔ بلکہ ہر طبقہ اپنے تئیں حق پر ہے اور چونکہ ہر دو طبقوں کے مفادات مختلف ہیں۔ اس لئے طبقاتی جنگ ناگزیر ہے اور اس جنگ کے نتیجے میں وہ نظام فیل ہو جاتا ہے۔ جس کے فوائد ختم ہو گئے ہوں۔ اس میں حق و انصاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ جس طبقہ کو معاشی انقلاب نے بالادستی عطا کردی ہے۔ اسی کے مفادات کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوگی۔

اور درحقیقت جاہلیت میں ہوتا بھی یہی کچھ ہے ـــ 'طبقاتی مفادات' آپس میں ٹکراتے ہیں اور جس طبقہ کے ہاتھ میں طاقت ہوتی ہے، وہ ہی غالب آجاتا ہے ـــ اور آخرکار ـــ 'مارکسی جاہلیت' کے مطابق ـــ پرولتاریوں کو فتح ہوتی ہے۔ اور آناً فاناً تمام طبقات ختم ہو کر غیر طبقاتی معاشرہ[1] قائم ہو جاتا ہے ـــ اور دنیا اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔

رہ گئے ـــ انسان کے جنسی تعلقات ـــــ تو درحقیقت سب سے زیادہ بگاڑ یہیں رونما ہوا ہے۔ کیونکہ جاہلیت جدیدہ کہتی ہے ـــ کہ ـــــ جنس ایک 'حیاتیاتی عمل' ہے اور اخلاق کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جنس کا خاندان سے کوئی تعلق نہیں! دراصل جنس انسانی وجود کا اثبات ہے! اور جنس آرٹ اور فنون لطیفہ کا موضوع ہے! اور جنس آزادی کے ہم معنی ہے! نیز جنس کا تعلق ہر شخص کے مزاج سے خواہ اس میں اعتدال ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی شخص جنس کے معاملے میں اعتدال پسند ہے تو وہ بھی ٹھیک ہے اور نہیں ہے سو وہ بھی درست ہے۔ اس قسم کی لاتعداد مثالیں اس امر کی گواہ ہیں ـــــ کہ جاہلیت جدیدہ کے متوالے جنس کی حقیقت اور انسانی زندگی میں اس کے فطری اور متوازن ہونے کو نہ پا سکے۔ اور انسانیت کو تاریخ کی عظیم ترین 'جنسی بے راہ روی'[2] میں مبتلا کر دیا۔

---

[1] Classless Society

[2] Sexual Pervesions

قوموں کے باہمی تعلقات

'قوموں اور قبائل کے تعلقات' جاہلیت جدیدہ کی نظر میں ایک دوسرے پر حیوانات کی طرح غلبہ پانے کی جدوجہد ہے ـــــ اگر دو قومیں آپس میں ملیں تو وہ 'قومیت' کی حدبندیوں میں پلیں، جیسے جانور چراگاہوں کی باڑ پر ملتے ہیں۔ یا پھر ان اقوام کا اختلاط جنسی حدود میں ہو یا کسی مشترکہ مفاد کی خاطر دو قومیں متحد ہو جائیں!

بہرکیف جاہلیت جدیدہ میں قوموں کا اتحاد اللہ کی خلقت کے مطابق نہیں ہو سکتا اور نہ ان بنیادوں پر ہو سکتا ہے کہ جو انسان کے لیے انسانیت کی حیثیت میں ہونی چاہئیں:

یہ انسانی تعلقات کے بارے میں جاہلی تصورات کی صرف چند جھلکیاں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم الکسیس کارل کی کتاب سے چند سطور نقل کر کے اپنی گفتگو ختم کر دیں ـــــ الکسیس کارل ایک ہم عصر سائنس دان ہے جو مذہب سے متاثر ہو کر نہیں لکھتا بلکہ سائنس کی طرف سے جو "وحی" آتی ہے وہ ہی کہتا ہے ـــ

"سچ تو یہ ہے کہ انسان نے اپنے آپ کو سمجھنے کی بے پناہ کوششیں کی ہیں، اور ہر زمانے میں علماء، فلاسفہ، شعراء اور روحانی پیشواؤں نے ان گنت افکار پیش کیے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود ہم اپنے وجود کے صرف چند گوشے ہی سمجھ پائے ہیں ـــــ ہم انسان کو مکمل حیثیت سے نہیں جانتے... بس اتنا جانتے ہیں کہ انسان چند مختلف اجزاء سے مرکب ہے اور یہ اجزا خود ہمارے ذہن کے تراشیدہ ہیں، بس ہر شخص چند سایوں کے پیچھے دوڑ رہا ہے اور ان سایوں کے پیچھے کچھ ان دیکھی حقیقتیں ہیں"۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارا جہل ہمارے علم سے زیادہ وسیع ہے کیونکہ انسانیت کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے 'انسان' کے بارے میں جو سوالات آتے ہیں۔ ان میں اکثر کا ابھی تک کوئی حل نہیں پیش کیا گیا اور ہماری اندرونی ساخت کے بہت سے حصے ابھی تک نامعلوم پڑے ہیں۔ بہرکیف سائنس دانوں نے انسان کے بارے میں جتنی بھی تحقیقات پیش کی ہیں، وہ ابھی تک بالکل ابتدائی ہیں اور قطعاً ناکافی ہیں"۔

پھر آگے چل کر یہ سائنس دان بتاتا ہے کہ ہماری اس گمبھیر جہالت کا انسان کی معاشی اجتماعی، تہذیبی اور فکری زندگی پر کیا اثر پڑا ہے۔

"تہذیب جدید" انسانیت کے لیے ایک دلدل ہے۔ کیونکہ یہ قطعاً ہمارے مزاج کے مطابق نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ اس تہذیب کی بنیاد انسان کی طبعی حقیقت پر نہیں رکھی گئی۔ بلکہ اس تہذیب کی بنیادیں چند سائنسی، ایجادات لوگوں کی توہم پرستی اور ان کی خواہشات ہیں ــــ اور باوجودیکہ یہ تہذیب ہماری ہی کوششوں کے نتیجے میں عالم وجود میں آئی ہے۔ پھر بھی یہ انسانیت کے لیے غیر صالح ہے۔ ہمارے دور کے "نظریہ پرست" انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے مختلف تہذیبوں کی بنیاد رکھتے ہیں ــــ لیکن ان تہذیبوں میں انسان کی ایک بھدی اور نامکمل تصویر کو سامنے رکھا جاتا ہے ہونا تو چاہیئے کہ ہر بات کی ناپ تول کا پیمانہ خود انسان ہو۔ لیکن حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے انسان تو اپنی اس خود ساختہ دنیا میں خود ہی اجنبی ہو کر رہ گیا ہے ــــ اب انسان اپنی دنیا کی تنظیم از خود نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کو طبیعت انسانی کی کوئی عملی معرفت ہی حاصل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے "حیاتیاتی علوم" کے بالمقابل "جماداتی علوم" کی ترقی ایک بھیانک مصیبت بن کر انسان کے سامنے آ رہی ہے ــــ ہم بھی بڑے ہی بدبخت ہیں، کیونکہ ہم عقلی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے زوال پذیر ہیں ــــ وہ قومیں جو آج مادی تہذیب کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں۔ ذرا غور سے دیکھا جائے تو وہ کمزوری کا شکار نظر آئیں گی بلکہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے پہلے یہی ترقی یافتہ اقوام پھر بربریت اور لاقانونیت اختیار کرنے والی ہیں"۔

"جاہلیت جدیدہ نے انسانی تصورات میں جو فساد برپا کیا ہے، یہ اس کی تھوڑی سی جھلک ہے ــــ اس جاہلیت نے فکر کا کوئی بھی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس فساد نہ پیدا کر دیا ہو ــــ

یہ سارا بگاڑ صرف ایک بڑے اور بھیانک بگاڑ سے پیدا ہوا ہے ــــ یعنی اللہ

تاریخ کی ساری جاہلیتوں میں سب سے زیادہ جاہلیت جدیدہ اس وہم میں مبتلا ہے کہ مذہب انسان کا ذاتی اور شخصی معاملہ ہے اور عملی زندگی سے مذہب کا کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ مذہب خدا اور انسان کے تعلق کا نام ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ فکر کا خالص جاہلی بگاڑ ہے اور جو حقیقت آج یورپ اور مغربی تہذیب کے اپنانے والوں کے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ عقیدہ کا فساد اور اللہ کی عبادت سے روگردانی صرف ضمیر کے کسی گوشہ میں چھپ کر نہیں رہ گئی۔ بلکہ اس کا اثر پوری انسانی زندگی پر پڑا ہے اور انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں رہا جو بگاڑ کا شکار نہ ہوا ہو۔

عقیدے کے بگاڑ نے لازمی طور پر زندگی کو فساد سے ہمکنار کر دیا۔ کیونکہ عقیدہ صرف خدا اور بندے کے تعلق کا نام نہیں۔ بلکہ عقیدہ پوری زندگی کو اپنے کنٹرول میں لے لیتا ہے ۔ جہاں عقیدے میں ذرا سا بھی فساد اور معمولی سا بھی بگاڑ رونما ہوا تو وہ فساد اور بگاڑ پوری انسانی زندگی پر چھا گیا اور انسانی زندگی عقیدے اور فکر کے اس فساد و بگاڑ کے زیر اثر سرگشتہ و حیران ہو کر رہ گئی ۔

ہم نے ابھی بتایا کہ عقیدہ کا بگاڑ انسانی افکار و تصورات میں بگاڑ پیدا کرتا ہے ۔ لیکن معاملہ اسی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ افکار و تصورات کا بگاڑ لازمی طور پر عملی زندگی میں فساد پیدا کرتا ہے۔

عمل کا بگاڑ

اللہ کی عبادت سے روگردانی کرنے میں جاہلیت جدیدہ کا گمان تھا کہ ضروری نہیں ہے کہ عقیدے میں بگاڑ پیدا ہونے سے کائنات، زندگی اور انسانیت کے بارے میں تمام تصورات میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔ بلکہ جاہلیت جدیدہ کا ابتدا ہی سے یہ گمان تھا کہ ان کے کسی عمل میں بگاڑ پایا ہی نہیں جاتا۔

إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ (سورۃ اعراف ۳۰)	انہوں نے خدا کے بجائے شیاطین کو اپنا سرپرست بنا لیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔

گذشتہ باب میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ عقیدے کا بگاڑ کس طرح تمام جاہلی افکار و تصورات پر چھاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جاہلی افکار میں نہ کوئی منطقی استدلال باقی رہا اور نہ ہی سچائی کی کوئی رمق، سارے افکار کی لگام خواہشات کے ہاتھ میں آ گئی۔ حتیٰ کہ "تجرباتی سائنس" بھی خواہشات کی تابع ہو گئی۔ حالانکہ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ سائنس کا اور خواہشات کا کیا رشتہ؟ بلکہ سائنس تو تمام معاملات میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے اور حق و باطل کا معیار ہے!

سائنس دانوں کے اقوال سے ہمیں یہ تو علم ہو ہی گیا ہے کہ خود سائنس دانوں کے نزدیک جہاں عقیدہ خود صحیح بنیادوں پر قائم نہیں، وہاں سائنس بھی کسی یقینی حقیقت کا پتہ نہیں دیتی۔ سائنس خود انسانی خواہشات و تصورات کے پیچھے دوڑ رہی ہے اور سائنس کی جو کچھ بھی تحقیقات ہیں۔ وہ صرف ظاہر اشیاء کے بارے میں ہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود لوگ جاہلیت سے اتنے متاثر ہیں کہ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اگر

تصورات میں بگاڑ پیدا بھی ہو جائے تو بھی انسانی زندگی صحیح خطوط پر چلتی رہے گی اور سیاسیات اجتماعیات، معاشیات، اخلاق اور فن غرض زندگی کے کسی گوشے میں بھی ابتری پیدا نہ ہوگی کیونکہ نظریات ایک علیحدہ شئے ہیں اور عملی زندگی ایک علیحدہ شئے ہے۔ نظریات لوگوں کے افکار و خواہشات سے پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ عملی زندگی کا مدار واقعیت اور تجربہ پر ہوتا ہے پھر اسی واقعیت اور تجربہ کی بنیاد پر تنظیمات وجود میں آتی ہیں۔ جو ایک دوسرے کی اصلاح کرتی رہتی ہیں۔ اس طرح سارا نظام خود بخود درست ہوتا چلا جاتا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔

(سورۃ کہف ۱۰۴)

کیا ہم تمہیں ان لوگوں کے بارے میں نہ بتلا دیں جو اعمال کے بارے میں خسارے میں ہیں جن کی زندگی کی ساری کوششیں ناکامیوں کا شکار ہو گئیں اور وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔

ایک پرانی ضرب المثل ہے کہ "جب لکڑی ہی ٹیڑھی ہو تو سایہ کیسے سیدھا ہوگا"؟

فکر اور عمل کا رشتہ

جاہلیت میں جو کہیں کہیں کوئی بھلائی اور کسی کسی معاملہ میں انصاف پایا جاتا ہے۔ اس نے لوگوں کو اس خیال خام میں مبتلا کر دیا ہے کہ تصورات میں بگاڑ کا اثر عملی زندگی پر نہیں پڑتا۔ بلکہ وہ تھوڑی سی ظاہری بھلائی دیکھ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ زندگی اچھی طرح رواں دواں ہے۔

ہم یہ پہلے ہی بتا چکے کہ کوئی بھی جاہلیت مطلقاً خوبیوں سے خالی نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ضرور ہے۔ البتہ اس کا سرچشمہ حقیقی بھلائی نہیں ہوتا —— ہم نے یہ بھی بتایا تھا کہ جاہلیت جدیدہ کی دو باتوں نے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ ایک علمی موشگافیوں کی کثرت اور دوسرے زندگی کی آسائشات کی زیادتی، جس کی بنا پر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ بھلائی ساری زندگی پر چھائی ہوئی ہے اور زندگی کے تمام معاملات بہتر طریقے پر چل رہے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ بے پناہ "شیطانی وسائل" کام میں لا کر اس شر اور برائی پر پردہ ڈال دیا

گیا ہے۔ جس میں لوگ پھنس کر رہ گئے ہیں۔

اور اگر لوگوں کو اس عظیم الشان شر اور زندگی کے اس بھیانک بگاڑ کا ذرا بھی اندازہ ہو جائے تو وہ فوراً سمجھ جائیں کہ جاہلیت جدیدہ اپنی گندگیاں اور نجاستیں چھپانے کے لئے جس خیر و بھلائی کے راگ الاپ رہی ہے۔ اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے ــــ بلکہ یہ معمولی سی بھلائی بھی برائیوں کے بحر بیکراں میں غرق ہوتی نظر آئے۔ بلکہ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ برائیوں کے اس تلاطم خیز سمندر میں خود انسانی کشتی ٹوٹ پھوٹ چکی ہے اور قریب ہے کہ غرق ہو جائے!!

بعض لوگ جاہلیت جدیدہ کی مدافعت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جاہلیت کا بگاڑ پوری انسانی زندگی کو محیط نہیں ہے، بلکہ زندگی کے کسی ایک گوشے میں پایا جاتا ہے ــــ مثال کے طور پر اخلاق بگاڑ و فساد کا شکار ہو گئے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ساری زندگی نہ صرف یہ کہ بگاڑ سے پاک صاف ہے۔ بلکہ نہایت بہترین زندگی ہے اور ترقی کی ایسی بام عروج پر ہے جس سے مزید کی تمنا اور خواہش نہیں کی جا سکتی۔

ہرگز نہیں! جاہلیت جدیدہ ایسی برائی ہے۔ جو زندگی کے ہر ہر پہلو کو محیط ہے۔
ہم آگے چل کر بتائیں گے کہ جاہلیت کا بگاڑ کس طرح انسانی زندگی پر چھا گیا ہے۔ سیاسیات معاشیات، اجتماعیات، اخلاق، دونوں جنسوں کے تعلقات، آرٹ اور فن، غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں۔ جس میں فساد سرایت نہ کر گیا ہو! لیکن اس سے پہلے
لیکن سب سے پہلے ہم یہ حقیقت ذہن نشین کرا دینا چاہتے ہیں کہ ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے کہ تصورات و افکار بگاڑ کا شکار ہوں اور عملی زندگی بالکل استوار ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔!

یہی وجہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ نے اپنے عظیم ترین وسائل اس بات پر صرف کر دیئے ہیں، کہ لوگوں کی توجہ فکر کے فساد سے ہٹا کر اس بات پر مرکوز کر دی جائے کہ ان کی عملی زندگی نہایت خوب و درست ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں ہے۔

اور ــــ اگر کبھی لوگوں کے ذہن میں بھولے سے بھی یہ بات آجائے کہ ان کی زندگی کا طرز عمل اللہ کی ہدایت کے خلاف ہے ــــ یا ــــ حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا یا اخلاق سے گرا ہوا ہے ــــ تو فوراً ساری جاہلی مشینری حرکت میں آجائے گی اور سارے

نشر و اشاعت کے وسائل اس جاہلی عمل کی تائید و توثیق میں سرگرم ہو جائیں گے اور یہ پراپیگنڈہ ہو گا کہ ـــــ

"بھئی! کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اب تم "ترقی یافتہ" زندگی گذار رہے ہو۔ کیا تم ترقی سے بالکل ہی غافل ہو؟ کیا تم "بیسویں صدی" میں نہیں رہتے؟ آخر کیا بات ہے؟ کیا تم "رجعت پسند" ہو؟ کیا مصیبت ہے کہ ہر بات میں "رجعت پسندی" گھس جاتی ہے! تف ہے اس "رجعت پسندی" پر سب کچھ قابل برداشت ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ تم بیسویں صدی میں بھی رجعت پسند رہو۔"!!

جب بھی کوئی شخص ارادہ کرتا ہے کہ جاہلیت جدیدہ کے اس قبر پر سے پردہ اٹھائے جس میں لوگوں کا دم گھٹا جا رہا ہے۔ تو فوراً جاہلیت جدیدہ اپنے تمام نشر و اشاعت کے ذرائع ـــ پریس، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن ـــ اس شخص کی آواز دبانے پر لگا دیتی ہے ـــ اور جس کسی نے بھی لوگوں کو راہِ حق دکھانے کی کوشش کی، اس کے راستے میں "رجعت پسندی" کا بم چھوڑ دیا۔ اور ـــ جو شخص حق و انصاف کا خون کرنے نکلے اس کے ہاتھ میں "ترقی" کا ہتھیار دیدیا!

اور ـــ معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ جاہلیت مسلسل "حق" و "باطل" کو آپس میں خلط ملط کرتی رہتی ہے ـــ یہاں تک حق و باطل کی ایسی آمیزش ہو جاتی ہے کہ مظلوم یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میری زندگی میں انصاف ہو رہا ہے۔ گمراہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں اور جو برائیوں اور شر میں مبتلا ہیں وہ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ان کے گرد و پیش میں خیر و بھلائی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے! ـــ

خبیث جاہلیت

بس حقیقت تو یہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ تاریخ کی تمام جاہلیتوں میں زیادہ دلدل والی، زیادہ خبیث اور زیادہ سخت گیر ہے!!

جاہلیت کی اس ہمہ گیری اور بالادستی کے باوجود بیان حقیقت کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، کیونکہ حق و سچائی میں وزن ہوتا ہے اور جاہلیت کو خواہ کتنی بھی طاقت حاصل ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ

وہ ایک طویل زمانے تک حق اور سچائی پر پردہ ڈالے رکھے بلکہ ایک ایسا وقت آتا ہے کہ حق پر سے پردہ اٹھ کر رہتا ہے۔

اور ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ لوگ جاہلیت کے خواب گراں سے اُٹھنے شروع ہو گئے ہیں اور انہوں نے جاہلیت کے پھیلائے ہوئے اس عظیم الشان شر کو محسوس بھی کرنا شروع کر دیا ہے لیکن یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ معاملہ آسان ہے اور اب جلد ہی یہ مہم سر ہو جائے گی۔ کیونکہ جتنی بھیانک اور سخت گیر جاہلیت ہوتی ہے اتنا ہی سخت معرکۂ حق و باطل بھی ہوتا ہے اور اس معرکہ میں فتح یاب ہونے کے لیے بڑے جاں گسل اور زہرہ گداز جہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

البتہ ایک حقیقت کو نہ صرف ذہن نشین کر لیا جائے۔ بلکہ اس پر ایمان بھی لے آنا چاہیئے اور وہ یہ کہ باطل خواہ کتنا ہی پھیل جائے۔ لیکن وہ حق کبھی نہیں بن سکتا اور شر خواہ کتنا ہی محیط کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ خیر کبھی نہیں ہو سکتا۔ باطل ہمیشہ باطل رہے گا اور شر ہمیشہ شر رہے گا۔!

اسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے اب ہم جاہلیت کے پیدا کردہ اس بگاڑ اور فساد کو بیان کرتے ہیں۔ جو اس نے انسان کی عملی زندگی میں برپا کیا ہے جیسے ہم پہلے باب میں "فکر کا بگاڑ" بیان کر چکے ہیں۔

جس طرح "فکر کا بگاڑ" "حقیقت الٰہی" "کائنات" زندگی، انسان اور انسانوں کے آپس کے تعلقات کے بارے میں تمام تصورات و افکار کو محیط ہو گیا ہے ۔ اسی طرح "عمل کا بگاڑ" بھی سیاسیات، معاشیات، اجتماعیات، اخلاق، آرٹ اور فن غرض انسان کی ساری عملی زندگی پر چھا گیا ہے۔

سیاست کا بگاڑ

یوروپ کا جاگیرداری نظام

اگرچہ یہ آزادی کا دور ہے۔ لیکن تاریخ کی بدترین آمریتیں اسی دور میں وجود میں آئی ہیں۔ ۔۔۔۔ کچھ تھوڑا سا وقت گذرا ہے کہ پورے یورپ پر جاگیرداری نظام چھایا ہوا تھا۔ لوگ جاگیرداروں کے غلام تھے۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین چھوڑ کر چلا جاتا۔ تو وہ "بھگوڑا" متصور ہوتا۔ اور قانون کے ذریعے اسے پکڑ کر لایا جاتا اور آگ کا داغ لگا کر اس کے جسم پر غلامی کی نشانی ثبت کردی جاتی تھی۔ کیونکہ یہ شخص اپنے خداوند جاگیردار کی نافرمانی کا مرتکب ہوا تھا۔

یہ جاگیردار اپنے غلاموں کو زندگی گذران کے لئے زمین کا ایک ایک ٹکڑا دے دیا کرتے تھے۔ لیکن زمین کے اس ٹکڑے پر ان غلاموں کے حقوق غیر مالکانہ ہوتے تھے۔ بالکل اس طرح جیسے بکریوں کا ایک گلہ چراگاہ میں چرتا ہے اور دودھ گھی دیتا ہے۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ جاگیرداری نظام میں پیداوار آزاد نہیں ہوتی۔ بلکہ اس نظام میں پیدا کرنے والا براہ راست اپنے مالک سے چند اقتصادی منفعتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ مطالبہ یا تو پیداوار کرنے والے کی خدمات میں کچھ رعایت برت کر ادا کیا جاتا ہے یا کچھ نقد ادائیگی کے ذریعے حساب چکا دیا جاتا ہے۔ حقیقت میں جاگیرداری معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

پہلا طبقہ، تو خود مالکان اراضی اور جاگیرداروں کا ہوتا ہے۔ اور دوسرا طبقہ مزارعین کا ہوتا ہے۔ کسان پیداوار کرنے والے ہوتے تھے۔ اور ان کو اس پیداوار کے صلہ میں زمین کا ایک ٹکڑا دے دیا جاتا تھا۔ جس کے ذریعے وہ اپنی روزی کماتے اور ضروریات زندگی مہیا کرتے تھے۔ اس

کے علاوہ وہ اپنے گھروں میں زراعت سے متعلق چھوٹی چھوٹی صنعتیں بھی کرتے رہتے تھے۔ اور ان سہولتوں کے عوض کسانوں پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر انہیں ہفتہ وار مالک کی زمین میں اس کے آلات اور جانوروں سے کاشت کرنا ہوتی تھی۔ تہواروں اور تقریبات کے موقعوں پر مالکوں کو ہدیئے پیش کرنے پڑتے تھے۔ مالک کی قائم کردہ چکیوں میں اس کا آٹا پیسنا پڑتا تھا اور شراب خانوں میں مالک کے لئے انگور نچوڑنا پڑتا تھا۔

ہر قسم کے فیصلے جاگیردار کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ گویا اپنے علاقے کے لوگوں کی اجتماعی اور سیاسی تنظیم اسی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

"اس کے علاوہ جاگیری نظام میں پیداوار آزاد نہیں ہوتی۔ کیونکہ کسان کو نہ تو زمین کے مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں اور نہ ہی اسے فروخت کرنے یا وارث بنانے کا اختیار ہوتا ہے بس وہ تو جاگیردار کی زمین میں اپنی منشاء اور مصلحت کے خلاف ہل چلاتا رہتا ہے اور غیر مقررہ ٹیکس ادا کرتا رہتا ہے۔ تاکہ جاگیردار کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتا رہے اور جب زمین ایک جاگیردار سے دوسرے جاگیردار کے پاس پہنچی تو کسان بیچارہ بھی زمین کے ساتھ ہی بک گیا کسان کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ ایک مالک کو چھوڑ کر دوسرے آقا کے پاس چلا جائے بس یوں سمجھئے کہ اس وقت کا کسان، پرانے زمانے کے غلام اور آج کے آزاد کسان کے درمیان کا ایک درجہ رکھتا تھا۔" [1]

یہ تھی وہ بدترین صورت حال جس میں قرون وسطی کا جاہل یورپ مبتلا تھا اور یہ تھے وہ رسم ورواج جو کلیسا کی زیر نگرانی جاری تھے۔

ہر قسم کے جزئی بگاڑ کے باوجود اسلامی دنیا اس قسم کی بدترین صورت حال سے کبھی بھی دوچار نہیں ہوئی ___ کیونکہ اللہ کا قانون بہر حال کسی نہ کسی طرح نافذ ضرور تھا اور یہی اللہ کا قانون تھا۔ جو اس بے پناہ ظلم کے راستہ میں حائل تھا جو اللہ کی نافرمانی کر کے مشہور یونانی قانون کے نظام عدل پر قائم تھا!!

بہرکیف وہ وقت بھی آ ہی گیا۔ جب جاگیرداری نظام ختم ہو گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ

---

[1] "اشتراکی نظام" - راشد البراوی

یورپ کے ضمیر نے اس کی خرابیاں محسوس کرلی تھیں ۔ کیونکہ جاہلیت کو اپنے نظام میں کبھی بھی کوئی خرابی نظر نہیں آتی ——— بلکہ ——— تاریخ کے مادی فلسفہ کے مطابق ——— جاگیرداری نظام اس لئے ختم ہُوا۔ کیونکہ مشین ایجاد ہو گئی اور نئے معاشی نظام نے جنم لے لیا۔

تاریخ کا مادی فلسفہ کہتا ہے کہ "ترقی پذیر طبقہ" مادی انقلابات کے ماتحت اس طبقے کو ختم کر دیتا ہے۔ جس کا دَور مکمل ہو گیا ہو، اور جس طبقہ کا دَورِ اقتدار پُورا ہو جائے، وہ لازمی طور پر ختم ہو جاتا ہے ۔ اور ان "مادی و طبقاتی انقلابات" میں حق و انصاف کا کوئی دخل نہیں ہوتا چنانچہ جاگیرداری اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ اس لئے کہ اس کا "مادی اور طبقاتی دَور" مکمل ہو چکا تھا اور جاگیرداری کی جگہ نئے نظام نے اس لئے نہیں لی کہ نیا نظام پہلے ظلم کو ختم کرنے کے لئے وجود میں آیا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ اس نئے نظام کا مادی و طبقاتی دور آ گیا تھا۔ یعنی اس کی "تاریخی جبریت[1]" اسے وجود میں لے آئی ؛

"تاریخ کا مادی فلسفہ" ذرائع پیداوار کی تعدیل سے اُبھرنے والے معاشی نظام اور طبقۂ حاکمہ میں کوئی فرق نہیں کرتا ۔ کیونکہ وہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے بجائے اپنے ہوائے نفس کا اتباع کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مالکوں کا طبقہ نفع اندوز اور جابر حاکم بن جاتا ہے اور عوام مستقل ظلم وستم کا شکار ہو جاتے ہیں۔

جاہلیت ۔ خواہ واقعاتی ہو یا نظریاتی ——— کسی ایسی صورت حال کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ جس میں معیشت ذرائع پیداوار میں عملی تغیرات واقع ہونے سے، طبعی طور پر مختلف شکلیں اختیار کرتی رہے اور اس میں ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے ناجائز انتفاع نہیں کرتا ——— کیونکہ جاہلیت کے کے متوالوں نے اپنی طویل ترین جہالت میں کبھی بھی اللہ کے نازل کردہ قانون کو نافذ نہیں کیا اور نہ ہی یہ دیکھا کہ اس نظام میں کس طرح تمام امور حق و انصاف سے انجام پاتے ہیں ۔ خواہ آپ تھوڑی دیر کے لیے اقتصادی نظام کو نظر انداز کر دیں۔ کیونکہ اللہ کا نازل کردہ قانون کسی ایک نظام زندگی سے پیوستہ نہیں ہے اور نہ یہ قانون معاشی، اجتماعی اور سیاسی ڈھانچوں میں بٹا ہُوا ہے ۔ کیونکہ یہ قانونِ الٰہی تو انسان کے لیئے ہے خواہ انسان ترقی و تغیر کے کسی بھی مرحلہ پر کیوں نہ ہو۔

---

[1] Historical Determinism

نئی تبدیلی

بہرکیف مشین کی ایجاد سے یورپ میں جاگیرداری نظام ختم ہو گیا اور اس کی جگہ معاشرے میں ایک نئی تبدیلی رونما ہو گئی۔

کارخانوں کے لئے مزدور دیہات ہی سے مہیا ہو سکتے تھے۔ چنانچہ جاگیرداری کا خاتمہ لازمی قرار پایا۔ تاکہ کسان زمینوں سے اپنی گردن چھڑا کر نئے کام کے لئے دیہات سے شہر میں آ جائیں [۱]

عوام زمین کی غلامی سے چھوٹ گئے اور دیہات کی غلامی سے نکل کر شہروں کی آزادی میں آ گئے۔

بے چارے عوام نے یہ سمجھا کہ وہ تمام زنجیریں توڑ کر آزاد ہو گئے ہیں اور اب ان کا جو جی چاہے گا کریں گے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک "جاہلی نظام" سے نکل کر دوسرے جاہلی نظام کی گرفت میں جا رہے تھے اور اس نئے نظام میں جو غلامی کی زنجیریں تیار تھیں وہ ابھی تک ان کے سامنے نہ آئی تھیں۔ البتہ وہ اپنے پیروں چل کر اس نئی غلامی کی طرف جا رہے تھے۔

تاریخ کا مادی فلسفہ کہتا ہے کہ مشین کی ایجاد کے بعد ایک نئے طبقے نے جنم لیا اور عمل پیداوار جاگیردارانہ کے بجائے سرمایہ دارانہ بن گیا۔ اس لئے یہ دم گھونٹنے والی غلامی وجود میں آئی۔

مادی فلسفہ کے ماننے والے سمجھتے ہیں کہ انہوں نے حقیقت کو پا لیا ہے اور نہایت ہی کام کی بات بتائی ہے۔ حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح جاگیرداری نظام کی جاہلیت نے اللہ کے نازل کردہ قانون کو ٹھکرا دیا۔ اسی طرح سرمایہ داری کی جاہلیت جدیدہ نے اللہ کے نازل کردہ احکام کو ماننے سے انکار کر دیا

دونوں جاہلیتوں میں ایک ہی جذبہ کارفرما ہے کہ محنت کشوں کی کمائی صاحب اقتدار لے اڑیں۔ یا ایک ہی "طاغوت" ہے جو ہر جاہلیت میں لوگوں سے اپنی اتباع کراتا ہے۔ کیونکہ لوگ اللہ

---

[۱] تاریخ کا مادی فلسفہ یہی کہتا ہے اور یہ خبر نہیں کہ تیرھویں صدی میں یورپ کے کسانوں نے اپنی غلامی کے خلاف احتجاج شروع کر دیا تھا۔ قدرت کے اس حکم کے مطابق کہ عوام ایک طویل مدت تک ظلم برداشت کرتے کرتے آخر اس ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ذرائع پیداوار میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی جب تیرھویں صدی میں کسانوں نے زمینیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا تھا اس وقت سرے سے کسی نئے اقتصادی نظام کا وجود ہی نہ تھا۔

کی اتباع چھوڑ بیٹھے!

بے شک یہ "طاغوت" مسلمانوں میں بھی تھا ـــــ اور جس قدر مسلمان اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے بھٹکتے گئے۔ ان پر "طاغوت" کی گرفت مضبوط ہوتی گئی ـــ لیکن چونکہ مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں اللہ کے قانون کو اپنی زندگیوں میں نافذ کیے ہوئے تھے اس لیے "طاغوت" اس طرح نہ چھا سکا۔ جس طرح اس نے یورپ پر چھا کر لوگوں کی زندگیوں کو جہنم بنادیا۔ اور یہی وجہ ہے ـــ کہ ـــ مسلمانوں میں جاگیرداری کبھی بھی اس شکل میں ظاہر نہیں ہوئی جس بدترین شکل میں وہ یورپ پر چھائی ہوئی تھی اور اسلام ہی اس قابل بھی تھا کہ وہ سرمایہ داری کے "طاغوت" کا بھی راستہ روک لیتا۔ اگر مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں اللہ کے قانون کو نافذ کیے ہوتے ـــ

خیر! ہم پھر یورپ کی جاہلیت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جس کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ جو کچھ ہوا، وہ "اقتصادی جبری تغیر" نہیں تھا۔ جیسا کہ مارکسی جاہلیت کہتی ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ طاغوت کا اپنی سرکشی جاری رکھنے اور لوگوں کو مزید غلام بنائے رکھنے کے لئے ایک نیا اقدام ہے۔ اور جو کچھ ہوا وہ جبری بھی نہیں تھا بلکہ اس وقت کے حالات کا طبعی نتیجہ تھا۔ یا ایک حیثیت سے جبری بھی کہا جاسکتا ہے اور وہ یہ جب لوگ اللہ کے نازل احکام کی تعمیل نہیں کرتے تو انہیں ذلت و غلامی کا مزا چکھانے کے لیے "طاغوت" مسلط ہوجاتا ہے۔

ابھرتے ہوئے سرمایہ دار طبقہ کا، گرتی ہوئی جاگیرداری کا اقتدار چھین لینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ موجودہ تبدیلی میں "طاغوت" مسلط نہیں ہے۔ 'طاغوت' تو جاگیرداری میں بھی مسلط تھا اور اب سرمایہ داری میں بھی مسلط ہے۔ کیونکہ طاغوت کسی شخص معین یا کسی خاص طبقہ کا نام نہیں ہے۔ بلکہ طاغوت تو جابرانہ اقتدار کا نام ہے۔ جس کو چند افراد اپنے ہاتھ میں لے کر باقی تمام لوگوں کو غلام بنا لیتے ہیں ـــ پھر اقتدار کے لئے رسہ کشی شروع ہوجاتی ہے اور جس گروہ کو معاشی حالات سہارا دیں، وہ اس اقتدار کو اچک لیتا ہے۔ جیسا کہ جزیرہ نمائے عرب میں قریش اور دیگر قبائل میں اقتدار کی رسہ کشی جاری تھی۔ حتیٰ کہ قریش کے ہاتھ میں طاغوتی اقتدار آگیا اور اقتصادی حالات نے اس اقتدار کو مضبوط تر کردیا۔ چنانچہ قریش نے دوسرے لوگوں کو مختلف طریقوں سے غلام بنا لیا۔

"تاریخ کا مادی فلسفہ" طاغوتوں میں اقتدار کی تبدیلی تو بیان کرتا ہے لیکن خود طاغوت کے پیدا

ہونے کے اسباب کا پتہ چلانے سے قاصر ہے اور نہ ہی اسے یہ علم ہے کہ اگر لوگ چاہیں تو نئے زمین سے طاغوت کے وجود کو ختم کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلی فلسفہ ہے اور جاہلیت ہی کی تشریح کر رہا ہے۔!!

شروع میں اس نئی غلامی (سرمایہ داری) کی نشانیاں واضح نہیں تھیں۔ بلکہ سرمایہ داری آزادی کا جھنڈا لیے ہوئے سامنے آئی تھی۔ جس کے نتیجے میں مزدور زمین کی غلامی سے اور عوام جاگیرداری کی غلامی سے آزاد ہوئے۔ نیز اس کے ساتھ ہی کچھ سیاسی اور اجتماعی تبدیلیاں آئیں۔ جن پر آزادی کی مہریں لگی ہوئی تھیں اور ان سب تبدیلیوں کا نام "جمہوریت" رکھ دیا گیا۔!

حقیقت یہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ نے کچھ آزادی دی اور کچھ عوام کی بھلائی کے کام کیے۔ جس سے لوگ دھوکہ کھا گئے۔ اور نیا طاغوت انہیں آہستہ آہستہ اپنی غلامی میں لیتا گیا۔

اگر آپ کسی ایسے آدمی کو لیں ــ جو قانونی طور پر زمین سے بندھا ہوا ہو اور زمین کو چھوڑنے سے بہت سی مادی اور معنوی رکاوٹیں پیش آتی ہوں یا آپ ایسے شخص کو لیں جو سوسائٹی کی اخلاقی اور سماجی بندشوں کو توڑنے کی جرأت نہ کر سکتا ہو۔ (اگرچہ خود اس سوسائٹی کے لوگ ان بندشوں کی اپنے دل میں کوئی اہمیت نہ سمجھتے ہوں) یا ــ آپ ایسے شخص کو لے لیں۔ جو کلیسا کے اقتدار کے خلاف آواز نہ اٹھا سکے۔ اور اگر ایسا کرنے لگے تو اسے بے دین اور ملعون سمجھا جائے۔

اگر آپ کسی ایسے شخص کو کسی شہر میں لے جا کر چھوڑ دیں کہ وہ گلی کوچوں میں اخلاقی بے راہ روی پھیلاتا پھرے اور کوئی اسے روکنے والا نہ ہو۔ اور وہ کلیسا کے اقتدار کی کوئی پرواہ نہ کرے اور کوئی اسے بے دین کہنے والا نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت یہ شخص اپنے آپ کو آزاد ہی سمجھے گا۔!!

انسانی آزادی

بہرکیف انسان کو کچھ ایسی آزادیاں ملیں۔ جن کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا۔ آزادئ نقل و حرکت، آزادئ عمل... آزادئ اجتماع... آزادئ رائے اور آزادئ صحافت... اور کچھ ایسی ضمانتیں فراہم کی گئیں ــــــــ جن کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا... مثلاً اتہام، تحقیق اور عدالت کی ضمانتیں!

ان آزادیوں اور ضمانتوں کو دیکھتے ہوئے انسان کو بھی سمجھنا چاہیے تھا کہ وہ آزاد ہو گیا ہے! اس کے بعد پارلیمان وجود میں آئی۔ اور پھر آزادانہ انتخابات، عوامی نمائندگی، عوام کی نمائندہ حکومت

اور عوام کی مرضی سے چلائی جاتی والی حکومت کے ڈھونگ رچائے گئے۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کے پیشِ نظر اور لازمی طور پر انسان نے یہی سمجھا کہ وہ آزاد ہو گیا ہے!! اور ان خوش کن نعروں کے ساتھ، دورِ سرمایہ داری میں جاہلیت جدیدہ وجود میں آئی۔ جس کی ظاہری شکل واقعی حد درجہ تابناک ہے۔!

علمی اور مادی ترقیات نے اس تصویر میں مزید رنگ کاری کی اور انسان نہ صرف یہ کہ زمین کی غلامی سے آزاد ہو گیا، نہ صرف یہ کہ اخلاقی بندشوں سے چھوٹ گیا۔ نہ صرف یہ کہ کلیسا کے اقتدار سے نجات مل گئی اور نہ صرف یہ کہ اسے نمائندگی اور قانون سازی کا اختیار مل گیا ــ بلکہ انسان محنت و مشقت سے بھی آزاد ہو گیا ہے۔ کیونکہ علمی اور مادی ترقیات نے انسان کو تھکا دینے والی محنتوں سے نجات دلا کر، یہ سارے کام مشینوں کے سپرد کر دیئے اور انسان بالکل ہلکا پھلکا، خوش باش ہو کر اپنے سرمایۂ زندگی کو محفوظ کر کے بیٹھ گیا!

یہاں پر ہم جاہلیت جدیدہ کے اجتماعی، اقتصادی، اخلاقی اور فکری بگاڑ کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتے، بلکہ صرف سیاسی بگاڑ کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ (اگرچہ زندگی باہم مربوط ہے) اور سیاسی زندگی کا اجتماعی اقتصادی، اخلاقی اور فکری زندگی سے علیحدہ ہو کر کوئی وجود نہیں ہے۔

لیکن جہاں تک سیاست کا تعلق ہے۔ تو جاہلیت جدیدہ جس نے کلیسا کے اقتدار سے فرار اختیار کر کے عوامی رائے اور مرضی کا سہارا لیا تھا۔ حقیقت میں یہ جاہل سیاست عوام کی مرضی سے حکومت نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ ساری سیاست کی بنیاد ایک ایسے وہم پر قائم تھی جس کا حقیقت واقعیہ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں تھا کیونکہ جاہلیت جدیدہ نے جب اللہ کے نازل کردہ احکام کو ٹھکرا دیا۔ تو اس کے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔ کہ وہ طاغوت کی مرضی کے مطابق حکمرانی کرے گویا عوام کی رائے اور مرضی سے حکومت جاہلی سیاست کی تصویر کا وہ رُخ تھا۔ جو لوگوں کے سامنے تھا اور طاغوت کی حکمرانی اس گندی جاہلیت کا اندرونی اور حقیقی رخ تھا۔!!

"تاریخ کا مادی فلسفہ" جاہلیتوں کی تعبیر میں بڑی صداقت سے کام لیتا ہے۔ کہ "جس طبقہ کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار ہوتا ہے۔ وہ بقیہ تمام طبقات کے مفادات کے خلاف اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر حکومت کرتا ہے"۔

گویا، انتخاب، پارلیمان اور دستور، ان سب تنظیمات کے پس پردہ طاغوت ہی حکمران ہے!!

ابتداً یہ سب امور اتنے واضح نہ تھے۔ بلکہ جاہلیت جدیدہ میں زندگی گذارنے والے کچھ خوش فہم یہ سمجھ رہے تھے۔۔۔ کہ وہ نئی زندگی کو بہتر، اعلیٰ، بلند اور انسانی برتری کے لائق بنیادوں پر استوار کر رہے ہیں!! اور جاہلیت کے پرشکوہ مظاہر بھی ان کے اس گمان کی تائید کر رہے تھے۔ کیونکہ یہ بے چارے سمجھ رہے تھے کہ اس جاہلی نظام سیاست میں عوام اپنے نمائندوں کو منتخب کرتے ہیں۔ اور یہ عوامی نمائندے لازمی طور پر عوام کی مرضی اور ان کے مفادات ہی کو مدنظر رکھتے ہیں! لیکن حقیقت یہ تھی کہ سرمایہ داری کا طاغوت ان کے سروں پر حکمران بنا بیٹھا تھا۔!—— لیکن —— اب یہ تمام امور اتنے واضح طور پر لوگوں کے سامنے آچکے ہیں کہ مزید بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ گذشتہ چند سالوں میں سرمایہ داری کے عیوب اور اس کی برائیوں پر نہایت کثرت سے لکھا گیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سرمایہ داری نظام میں کس طرح محنت کشوں کا خون چوسا گیا ہے حتیٰ کہ سچی آزادی، حقیقی انصاف چاہنے والوں اور طاغوت کی حکمرانی سے نجات چاہنے والوں کے لیے سرمایہ داری ایک کھلا ہوا ظلم وستم بن گئی۔

ظلم وستم کی مثالیں

ذیل میں ہم اس ظلم وستم کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

"۱۹۲۶ء میں انگلستان میں ہونے والی ہڑتال کو کچلنے کے لیے حکومت نے تمام ذرائع اختیار کیے۔ سرمایہ داری نظام نے اعلان کر دیا کہ ہڑتال غیر قانونی ہے۔ چنانچہ پولیس اور فوج ہڑتالیوں پر ٹینک اور توپیں لے کر حملہ آور ہوگئی۔ ہڑتال کو ختم کرنے کے لیے صدہا طریقے اختیار کیے گئے۔ یونیورسٹی کے نوجوان طلبہ نے بسیں اور ٹرکیں چلائیں۔ ریڈیو اور اخبارات سے کام لیا گیا۔ ساری حکومتی مشینری مل مالکوں کے ہاتھ میں آگئی۔ عوام اور مزدوروں کی انجمنوں کو حسابات پیش کرنے اور ان کے لیڈروں کو گرفتار کرنے کی دھمکیاں دی گئیں۔۔۔!"

مندرجہ بالا واقعات جمہوریت کے پیدائشی وطن انگلستان میں پیش آئے اور بیان کرنے والا بھی کوئی انگریز دشمن نہیں۔ بلکہ خود انگریز ہے[1]

---

[1] ہنری فورڈ —— ترجمہ عصام الدین حفنی ناصف۔

امریکہ کا حال انگلستان سے بھی بدتر ہے۔ وہاں کے پیشہ ور عمل کی بلیلی، پارٹیاں نام نہاد جمہوریت کے لئے راہیں ہموار کرتی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص سرمایہ داری کے خلاف بغاوت کرے تو اسے جیلوں میں ڈال کر سزائیں دیتے ہیں۔ اور اگر ضروری سمجھیں تو قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

ہارولڈ لاسکی ـــ اپنی کتاب "دورِ جدید کے انقلابات" میں کہتے ہیں۔

"مناسب ہے کہ لوگ مستند تفصیلات کا مطالعہ کریں۔ مثلاً انجمن "لافلوت" کا فیصلہ جس کو امریکی لارڈز کی مجلس نے اس لئے متعین کیا تھا کہ یہ انجمن شہری آزادی میں دخل اندازی کا جائزہ لے تاکہ صحیح اندازہ ہو سکے کہ یہ دخل اندازی کس حد تک پہنچ چکی ہے۔ رشوت، جاسوسی، دھوکہ، دھاندلی اور عدالتی بدعنوانیاں تو ایسے امور ہیں، جن کے امریکی لیڈر اور کارکن اچھی طرح عادی ہیں۔

بڑی بڑی صنعتی انجمنوں کا مقصد یہ ہے کہ وہ ٹریڈ یونین کے مزدوروں کو کچلنے کے لیے بندوقوں اور آنسو گیس سے مسلح لشکر رکھ سکیں۔!

اس کے علاوہ سینیٹر لانگ کے زمانے میں لوییزانا، جرسی اور کیلیفورنیا کے بعض علاقوں میں "اعلان حقوق" کا کوئی اثر ہی نہیں تھا۔ کیونکہ تاجر اور سرمایہ دار ہر قسم کے مفادات اپنے لیے ہی خاص سمجھتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ معیشت کے سرچشمے انہی کے ہاتھوں میں تھے۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ۱۹۴۰ء تک امریکی تاجروں اور سرمایہ داروں کے ذہن میں فاشیت بڑی طرح سرایت کر چکی تھی۔ البتہ جمہوریت کا ایک باریک سا پردہ ضرور پڑا ہوا تھا۔"[1]

بہرکیف امریکہ کی حالت اتنی ظاہر ہے کہ اس کے لیے کتابوں کے اقتباسات دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ امریکی رٹیاری اس حد تک گئی گزری ہے کہ رات دن کھلم کھلا جرائم ہوتے ہیں اور سرمایہ داروں کے اشاروں پر ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ سرمایہ داروں کو خوش کرنے کے لئے دن دہاڑے امریکی صدر کینیڈی کو قتل کر دیا گیا کیونکہ سرمایہ دار ڈرتے تھے کہ کینیڈی کی عالمی کھچاؤ کو کم کرنے کی صلح پسندانہ کوششوں کی بناء پر صنعتوں کا رخ جنگی سامان سے ہٹ کر تمدنی سامان کی طرف منتقل ہو جائے گا اور تمدنی صنعتوں سے سرمایہ دار اتنا زیادہ منافع نہیں کما سکتے جتنا وہ جنگی سازو سامان میں کما لیتے ہیں۔

یہ تو سرمایہ داری کے جرائم کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ ورنہ تخریب اخلاق۔ لوگوں کی معیشت

---

[1] دورِ جدید کے انقلابات ـــ ہارولڈ لاسکی۔ ترجمہ عبدالکریم احمد ص ۱۸۴

پر قبضہ" اور مختلف قوموں کو غلام بنانے کے لئے "سامراجی توسیع پسندی" اس کے علاوہ ہے۔

بہرکیف یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ "خیالی جمہوریت" اب سرمایہ داروں کی آمریت بن گئی ہے اور یہ آمریت ایک طاغوت بن کر لوگوں کو غلام بنا رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ جاہلیت اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتی کہ یہ سب خرابیاں اللہ کی راہ سے روگردانی کی بنا پر پیدا ہوئی ہیں۔ بلکہ جاہلیت تو نہ اللہ کے راستے کو پہچانتی ہے اور نہ اس پر یقین رکھتی ہے۔ جاہلیت تو زندگی کی بنیاد اللہ کی وحی سے انحراف پر رکھتی ہے۔ اس کے غور و فکر کے پیمانے" زمین کی کش مکش "مفاد پرستی کی لڑائی" اور "طبقاتی جنگ" ہیں۔

جاہلیت کے متوالوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سود اور اجارہ داری کو حرام قرار دیا، تو اس کو انسانوں کے بارے میں ان امور کا علم تھا۔ جن کو انسان نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایسی بھلائی اور خیر کا ارادہ کر رہا تھا جو ان کے وہم و گمان سے بھی بالاتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے ایسا راستہ متعین کیا جس میں مصلحتوں کا توازن ہے۔ جس میں عدل و انصاف ہے ظلم و سرکشی نہیں ہے۔

"سیاست" کے زیرِ عنوان ہم سود کے بارے میں تفصیلی گفتگو نہیں کریں گے۔ بلکہ اس کا تفصیلی بیان اقتصادیات کے زیرِ عنوان ہو گا۔ لیکن اتنی بات کہتے چلیں کہ اگر سود اور اجارہ داری نہ ہوتی تو اپنے دامن میں ہزاروں مصیبتیں سمیٹے ہوئے ملعون سرمایہ داری بھی نہ ہوتی۔ سود اور اجارہ داری سرمایہ داری کے دو ستون ہیں اور یہی دونوں اللہ کے قانون میں حرام ہیں۔

سیاست ہو یا اقتصاد اللہ کا قانون ہی انسانوں کی گردنیں طاغوت کے ظالم پنجے میں جانے سے بچا سکتا ہے۔

مزدوروں کی آمریت

اب ہم تاریخ کے ساتھ ساتھ چند قدم اور چلتے ہیں۔

جب سرمایہ داری کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہیں رہی تو لوگ اس کے خلاف جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، لیکن باوجودیکہ لوگ سرمایہ داری نظام سے جہاد کر رہے تھے، پھر بھی وہ جاہلیت ہی میں تھے۔ پھر بھی وہ اللہ کے راستے سے دور ہی تھے۔ چنانچہ جب انتہائی محنت و

مشقت کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو سرمایہ داری کے طاغوت سے چھڑایا تو اس طویل عذاب کے بعد بھی ان کو کوئی آرام و سکون نہیں ملا، بلکہ جونہی وہ سرمایہ داری کے طاغوتی پنجے سے نکلے، انہیں ایک نئے طاغوت نے اچک لیا۔ اس لئے طاغوت کے چہرے پر جمہوریت کا نقاب بھی نہیں تھا۔ بلکہ مزدوروں کی آمریت تھی!

لوگ سرمایہ داری کی آمریت سے نکلے اور مزدوروں کی آمریت میں آپھنسے! ایک طاغوت سے نجات ملی، دوسرے طاغوت کا شکار ہو گئے اور ہر صورت میں اللہ کے راستے سے رُوگرداں رہے۔

تاریخ کی جاہلی تعبیر بعید از عقل اسباب اور ان کے نتائج پر ایک طویل بحث کرنے کے بعد طبقاتی کش مکش کا تذکرہ کرتی ہے۔ اس کے بعد کہتی ہے کہ یہی وہ وقت ہے جب لازمی طور پر اشتراکیت کو وجود میں آنا چاہیے۔ پھر جاہلیت کے متوالے افیون اور بھنگ کا نشہ پی کر "پرولتاری آمریت"[1] کے زیر سایہ حاصل ہونے والی (یوٹوپیا)[2] جنت گم گشتہ کا خواب دیکھتے ہیں۔ یہ جنت جب حاصل ہوگی۔ جب سارے طبقات ختم ہو جائیں گے اور صرف "پرولتاری" طبقہ رہ جائے گا۔!!

مزدوروں اور سرمایہ داروں کی جنگ حق و انصاف کے نام پر نہیں ہوتی، جس حق و انصاف کا فریڈرک اینجلز مذاق اڑاتا ہے ــــ بلکہ اس جنگ کی بنیاد "جبری تناقض" ہے!

سرمایہ دار ہر قسم کے قانونی اور غیر قانونی ذرائع سے مزدوروں کا خون چوستا رہتا ہے لیکن آخرکار تاریخ کا لازمی نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔ وہ یہ کہ مزدور حکومت پر قبضہ کرکے "پرولتاری آمریت" قائم کر دیتے ہیں۔ پھر "پرولتاری آمریت" "انفرادی ملکیت" ختم کرکے تمام ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت میں دے دیتی ہے۔ تمام طبقات ختم ہو جاتے ہیں اور حکومت پرولتاریوں کے مفاد کو سامنے رکھ کر نظام حکومت چلاتی ہے۔ (اس لئے نہیں کہ یہ حق و انصاف کا تقاضا ہے بلکہ اس لئے کہ پرولتاری ہی طبقہ حاکمہ ہے۔) چنانچہ پرولتاری طبقہ ہر شخص سے بقدر طاقت دولت چھین کر ہر شخص کو بقدر ضرورت دے دیتا ہے۔ آخرکار خود حکومت بھی ختم ہو جاتی ہے اور

---

[1] Proletarian Dictatorship

[2] Utopia

بھنگ اور افیون کے نشہ میں جنت گم گشتہ سامنے نظر آتی ہے۔

"تاریخ کے مادی فلسفہ نے" اس موضوع پر جو "دیومالا" گھڑی ہے۔ وہ بھی قابل داد ہے۔ کارل مارکس نے پیشین گوئی کی تھی کہ سب سے پہلے "اشتراکی ریاست" انگلستان میں قائم ہوگی کیونکہ انگلستان صنعتی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ اسی جگہ تاریخ کا وہ لازمی ٹکراؤ ہوگا۔ جس کے نتیجہ میں حکومت سرمایہ داروں کے ہاتھ سے نکل کر مزدوروں کے ہاتھ میں آجائے گی حالانکہ اشتراکیت جن ممالک میں قائم ہوئی، وہ صنعتی لحاظ سے دنیا کے پس ماندہ ملک تھے۔ یعنی روس اور چین — اور انگلستان مارکس کی پیشین گوئی کے اسی برس بعد اس بیسویں صدی میں بھی سرمایہ دار ہی ہے۔

اس میں ان خرافات کا بھی اضافہ کر لیجیے کہ مستقبل بعید میں حکومت ختم ہو جائے گی اور تمام انسان فرشتے بن جائیں گے کہ نہ ان کے دل میں کوئی کھوٹ ہوگا اور نہ کوئی لالچ۔

—— مگر اشتراکیت اپنے چالیس سالہ عملی تجربات کے بعد لینن اور اسٹالن کے اصولوں سے بہت کچھ ہٹ چلی ہے۔ اور اب کچھ پابندیوں کے ساتھ انفرادی ملکیت کی بھی اجازت دی جا چکی ہے۔ اجرتوں اور تنخواہوں میں بھی بہت بڑا فرق موجود ہے اور جب اجتماعی کاشت کے نقصانات سامنے آئے تو اب اشتراکیت یہ بھی چاہتی ہے کہ زمین کی انفرادی ملکیت بھی بحال کر دی جائے

ان کہانیوں سے صرف نظر کر کے ہم صرف سیاست کے موضوع پر گفتگو کریں گے۔ اور اس موقعے پر ہم خروشچیف کی اس تقریر کو لکھوا دیں گے جو اس نے اشتراکی پارٹی کے ۲۲ ویں اجلاس میں کی تھی۔ خروشچیف نے کہا تھا:۔

"اسٹالن کے دور میں پارٹی لیڈر شپ، حکومت اور اقتصادیات میں بہت کچھ خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ بس احکامات جاری ہوتے تھے، نقائص پر پردہ ڈالا جاتا، ڈرڈر کے کام کرتے تھے اور نئی ہر چیز سے خطرہ محسوس کرتے تھے۔

اس قسم کے حالات میں بہت سے چاپلوس اور خوشامدی پیدا ہو گئے"۔

شاید لوگ ابھی بھولے نہ ہوں کہ اسٹالن کے مرنے کے بعد روس کے اخبارات نے اسے قاتل مجرم اور اشتراکیت کے غدار کے القاب سے نوازا تھا!

بیشک پرولتاری آمریت، اپنی سختی، قساوت اور دہشت میں اتنی آگے بڑھ گئی ہے کہ انسان کو اس کے تصور سے بھی کپکپی آتی ہے۔ دستور یہ ہے:۔

— کہ جب جی چاہا۔ غیر معینہ مدت کے لئے قید کر دیا اور ایسی ایسی سزائیں دیں کہ ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ ایسی عدالتیں قائم کی جاتی ہیں جن کا ہر فیصلہ سزائے موت اور عمر قید ہوتا ہے۔ یہ تمام امور اشتراکی دنیا میں بالکل عام ہیں۔ جن سے ہر شخص کو واسطہ پیش آسکتا ہے۔ جس کے ذہن میں اشتراکی لیڈر کے خلاف خیال بھی گذرے۔

پورا نظام حکومت ایک بدترین جاسوسی پہ قائم ہے۔ جس میں لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور انسانی شرافت کو خاک میں ملا کر حکومت کا وفادار بنایا جاتا ہے۔

اور اس سارے ظلم وستم پہ انتخابات، عوامی نمائندگی اور سویت یونینوں کے دبیز پردے پڑے ہوتے ہیں!!

اشتراکی آزاد صحافت، اشتراکی لیڈروں کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہتی ہے اور جب وہی لیڈر مر جاتا ہے تو اس پہ لعنت کے "ڈونگرے" برسائے جاتے ہیں!!

یہ ہے "پرولتاری آمریت" میں سیاسی صورت حال اور یہ صورت حال ہر اشتراکی ملک میں پائی جاتی ہے اور اس کے سوا، اشتراکیت میں اور کچھ ممکن ہی نہیں ہے۔

خوش عقیدہ، اور سادہ مزاج لوگ، جو معاملات پہ سطحی نظر رکھتے ہیں اور جو فکری جاہلیت میں زندگی گذارتے آرہے ہیں۔ وہ حقیقت کی تلاش اور اس کے علاج سے قاصر ہیں۔

اور سب:۔ خوش عقیدہ سمجھتے ہیں اور ان کی تمنا بھی یہی ہوتی ہے کہ سرمایہ داری آمریت اور پرولتاری آمریت کی خرابیوں اور برائیوں کا علاج بس اتنا ہی ہے کہ کچھ آزادی اور جمہوریت پیدا ہو جائے ۔۔ بس یہی انتہائے مقصود ہے۔

اللہ کی ہدایت اور اللہ کے راستے سے ہٹ کر جاہلیت کی زندگی گذارنے والے جاہلیت

کے سارے نظام کی خرابیاں نہیں دیکھ سکتے ان کو یہ علم نہیں ہے کہ جاہلیت طاغوت کی پیروی کرتی ہے اور جاہلیت اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلتی اور نہ ہی اللہ کے قانون پر عمل کرتی ہے۔ طاغوتوں کا وجود کوئی سہل العلاج مسئلہ نہیں ہے کہ کچھ آزادی اور کچھ جمہوریت سے اس کا علاج کر لیا جائے۔ بلکہ طاغوت اپنے دامن میں ایک پورا نظام رکھتے ہیں۔ جس کی بنیادیں نہایت گہری ہوتی ہیں۔

سرمایہ داری بھی لازمی طور پر آمریت ہی ہے اور اشتراکیت بھی لازمی طور پر آمریت ہے اور اللہ کے حکم کے سوا ہر نظام حکومت طاغوت ہے۔ کسی بھی طاغوتی نظام میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اگر اس میں آزادی اور جمہوریت کا امتزاج کر دیا جائے۔ تو طاغوتی نظاموں کی خرابیاں تو دور ہو جائیں اور آزادی اور جمہوریت کے فوائد حاصل ہو جائیں۔ کیونکہ خرابی ان نظاموں کے وسائل نفاذ میں نہیں ہے۔ بلکہ خرابی ان کی جڑ و بنیاد میں ہے۔ چنانچہ اس بنیادی خرابی اور اساسی بگاڑ کا علاج آزادی اور جمہوریت کے امتزاج سے نہیں ہو سکتا ___ اگرچہ ان نظامہائے جاہلیت کے ساتھ آزادی اور جمہوریت کا امتزاج بذات خود ناممکن العمل ہے ___ بلکہ علاج صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ نظامہائے جاہلیت کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جائے ___ اور ان کی جگہ نیا نظام قائم ہو۔ جس کی بنیاد اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم اور اللہ کا نازل کردہ قانون ہو۔

رجعیت کا خاتمہ

سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں آمریتیں آزادی کو کچلنے اور لوگوں کا گلا گھونٹنے کی یہ تاویل کرتی ہیں کہ ہم اس وقت مقدس جنگ میں ہیں۔

سرمایہ داری تو اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتی کہ وہ آمری نظام ہے۔ بلکہ سرمایہ داری تو سو فی صد جمہوری نظام ہے اور عوامی ارادے اور خواہشات پر قائم ہوتی ہے۔ لیکن جب سرمایہ داری سے اس کی خرابیوں کے بارے میں سوال کیا جائے۔ مثلاً مزدوروں اور ان کی انجمنوں کو خوفزدہ کرنا، ان لوگوں کو اپنے راستے سے ہٹانا جو حقیقی آزادی کے خواہاں ہیں، ایسے لوگوں کو یا تو کلیدی مراکز سے ہٹا دیا جائے یا ان کی زندگی کا ہی خاتمہ کر دیا جائے۔ سرمایہ داری ان سب باتوں کا یہ جواب دیتی ہے کہ وہ اشتراکی بنیادوں کو کچلنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔

"پرولتاری آمریت" بھی اسی وہم میں مبتلا ہے کہ اس کا نظام جمہوری ہے ۔اگرچہ اس کا مذہبی اور عملی نام آمریت ہے لیکن جب اشتراکیت سے عوام کو خوفزدہ کرنے ،اور مخالفین کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ بھی نہایت مجبوری سے یہ جواب دیتی ہے کہ وہ "رجعیت" اور سرمایہ داری کے خلاف جہاد کر رہی ہے ۔

میدان جنگ کے دونوں ہی لشکر مقدس جنگ لڑ رہے ہیں اور ہر گروہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے دشمن اس کے نظام کو توڑنا چاہتے ہیں ۔چنانچہ اس نظام کی خاطر ایسے لوگوں کی نہایت سختی سے اور شدت سے پکڑ کرنی چاہیے ۔تاکہ عوامی فائدے اور عوام کے وجود کا تحفظ ہو سکے ۔

ظاہر ہے کہ یہ دلیل کسی قسم کی تنقید برداشت نہیں کر سکتی ۔کیونکہ تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ کسی قائم شدہ نظام کے خلاف بیرونی یا داخلی دشمن پیدا ہو گئے ۔جو اس نظام کو توڑنے اور تباہ کرنے کے لیے دیگر محاربین کے کیمپ میں جمع ہو گئے ۔تاکہ متحدہ کوششوں سے اس نظام کو ختم کر سکیں ۔

اسلام اور جاہلیت کی جنگ

لیکن اس سلسلہ میں بھی جاہلیت اور اسلام کے موقف میں فرق ہے ۔

اسلام کو پہلے ہی دن سے دشمنوں کی نہایت سخت اور تند و تیز مخالفت سے واسطہ پڑا تھا ۔پھر اسلام اور جاہلیت کی جنگ زندگی کے کسی ایک گوشے میں ہی نہ تھی ،بلکہ زندگی کے ہر حصہ میں ایک شدید کش مکش برپا تھی ،چنانچہ عقیدے میں بھی جنگ تھی ،جس طرح سیاسی ،اقتصادی اور اجتماعی میدان میں جنگ تھی ۔اخلاق میں بھی جنگ تھی ،جس طرح افکار میں جنگ تھی ۔غرض اسلام کی صفیں الٹنے کے لئے جاہلیت کی تمام طاقتیں متحد ہو گئی تھیں ۔

مسلمانوں کو سخت ترین سزائیں دی گئیں ۔بھوکا رکھا گیا اور سیاسی ،اجتماعی اور اقتصادی مقاطعہ کیا گیا ۔اور ظاہر ہے کہ یہ ساری جنگ عقیدے کے اختلاف کی بنا پر تھی :

پھر جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو اسلام اور جاہلیت کی جنگ اور بھی شدید ہو گئی ۔

— اب منافقین کو مالی اور جنگی امداد دی جانے لگی۔ فتنے اور ہنگامے برپا کیے گئے۔ اقتصادی جنگ لڑی گئی۔

اور جب اسلام پورے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گیا۔ اور جاہلیت اس نئی دعوت کا سر نہ کچل سکی تو اب جنگ میں اور بھی سختی اور تندی آ گئی۔

ادھر رومی سلطنت اسلام کے خلاف صف آراء ہونے کے لیے تیاریاں کر رہی تھی۔ اور اُدھر ایرانی سلطنت گھات میں بیٹھی ہوئی تھی۔ غرض اسلام اور جاہلیت کی جنگ شدید سے شدید تر ہوتی گئی اور اسلام اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لیے جاہلیتوں سے مسلسل برسر پیکار رہا، مگر جس وقت دو عظیم جاہلی سلطنتیں اسلام کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے کی فکر میں لگی ہوئی تھیں، اس وقت مسلمانوں کا طرزِ حکومت یہ تھا کہ :-

"حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمانے لگے: "سنو اور اطاعت کرو"۔ تو حاضرین میں سلمان فارسی کھڑے ہوئے (واضح رہے کہ سلمان عرب نہیں تھے بلکہ ایرانی تھے) — اور کہنے لگے!

"نہ ہم آپ کی کوئی بات سنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے۔ جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے"؟

اس پر حضرت عمرؓ نہ غصہ ہوئے اور نہ انہوں نے یہ کہا کہ جب میں ایسے دشمنوں سے مقدس جنگ لڑ رہا ہوں۔ جو ہمارے نظام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مجھ سے اس قسم کے سوالات کرے اور میری رائے کے خلاف کرے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے نہایت اطمینان و سکون سے حضرت سلمانؓ کی بات کا جواب دیا اور تمام صورت حال ان کو بتائی تو حضرت سلمانؓ کہنے لگے: کہیے کیا کہنا چاہتے ہیں — اب ہم سنیں گے بھی اور اطاعت بھی کریں گے"۔[1]

---

[1] مسلمانوں میں کچھ یمنی چادریں تقسیم کی گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے حصہ میں بھی ایک چادر آئی — حضرت عمرؓ چونکہ طویل القامت تھے۔ اس لئے ایک چادر سے آپؓ کا پورا بدن پوشیدہ نہ ہوتا تھا۔ اس لئے آپ نے دو چادریں اوڑھی ہوتی تھیں۔ جس پر حضرت سلمانؓ نے سوال کیا کہ لوگوں کو تو ایک ایک چادر ملی ہے۔ آپ کے پاس دو چادریں کہاں سے آئیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے

(بقیہ ۱۲۹ پر)

اور یہ بھی حضرت عمرؓ ہی تھے کہ جب ایک نماز کے دوران آپ خطبہ دینے لگے تو ایک عورت نے آپ کو ٹوکا کہ اے عمرؓ کیا کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ فوراً متنبہ ہو گئے اور کہنے لگے "عمر غلطی پر ہے اور یہ عورت ٹھیک کہتی ہے"

حضرت عمرؓ مستقبل میں آنے والی نسلوں کا خیال کرتے ہوئے مسلمان فاتحین پر فے تقسیم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت بلالؓ — جو عرب نہیں تھے۔ بلکہ ایک حبشی غلام تھے — نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کی نہایت سختی سے مخالفت کی اور دیگر مخالفت کرنے والوں کو بھی اپنے ساتھ جمع کر لیا اور اتنی شدید مخالفت کی کہ حضرت عمرؓ کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے:

"اے اللہ تو مجھے بلالؓ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کافی ہو جا۔"

یہ تھی اللہ کی بنائی ہوئی صراطِ مستقیم اور یہ تھا اس کا وہ عملی نمونہ جو جاہلیت کے طاغوت کے بدنما چہرے سے پردہ ہٹاتا ہے۔

نہ جاہلی کش مکش کوئی مقدس جنگ ہے اور نہ یہ کش مکش آمریت کے وجود کے لئے کوئی دلیل ہے یہ تو سراسر غیر مقدس اور نہایت غیر پاکیزہ جنگ ہے — اس جنگ کا مقصد تو یہ ہے کہ طاقت کا سرچشمہ طاغوت بنا رہے۔!!

انسان پر انسان کی حکمرانی

سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں ہی آمریتیں ہیں اور ہر وہ نظام جس میں انسان انسان پر حاکم ہو، آمریت کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک لوگ اللہ کی بنائی ہوئی صراطِ مستقیم پر نہیں چلیں گے، طاغوت ان پر — اسی طرح مختلف شکلوں میں — حکمرانی کرتا رہے گا۔

سرمایہ داری جب تک حکمران ہے — اور جب تک وہ جاہلیت میں رہتے ہوئے اللہ کے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۸)

عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ وہ جواب دیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ چونکہ میرے باپ طویل القامت ہیں، اس لئے میں نے اپنے حصّہ کی بھی چادر انہی کو دے دی ہے۔ چنانچہ ایک چادر وہ میری اوڑھے ہوئے ہیں اور ایک وہ اپنے حصّہ کی پہنے ہوئے ہیں۔

نظام کو ٹھکراتی رہے گی۔ وہ کبھی بھی اپنی حکمرانی سے دست بردار نہیں ہو سکتی اور نہ ہی دوسرے طبقے کو اس بات کی اجازت دے سکتی ہے کہ وہ اس سے اس کی حکمرانی چھین لے۔ اور نہ ہی وہ اپنے مقابل آنے والے کسی طبقہ کو اس بات کی اجازت دے سکتی ہے کہ وہ آزادی اور جمہوریت کے ساتھ اپنے آپ کو طاقت ور بناتا رہے۔ بلکہ سرمایہ داری ایسے قوانین بناتی رہے گی۔ جس سے اس کی آمریت مضبوط ہو اور اس کے مفادات کا تحفظ ہو اور یہ سب کچھ اس لئے کہ سرمایہ داری نظام کے قیام کے لئے یہ لازمی اور ضروری ہے۔!!

سرمایہ داری نظام میں یہ سب کچھ ہونا اس لئے لازم نہیں ہے کہ سرمایہ داری نظام کا خاصہ ہی یہی ہے ـــ جیسا کہ "تاریخ کا مادی فلسفہ" کہتا ہے ـــ بلکہ یہ اس لئے لازم ہے کہ اللہ کی سنت ہی یہی ہے۔ کہ اگر لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتے تو لازمی ہے کہ طاغوت ان پر حکمرانی کرے ـــ سرمایہ داری نظام میں لوگوں نے ابتداء ہی سے اللہ کی اس صراطِ مستقیم پر عمل نہیں کیا۔ جس نے سود اور اجارہ داری کو حرام کیا ہے ـــ حالانکہ سود اور اجارہ داری سرمایہ داری کی بنیادیں ہیں ـــ اللہ کی صراطِ مستقیم نے اس بات کو بھی حرام قرار دے دیا کہ سرمایہ سمٹ کر چند ہاتھوں میں آجائے ـــ لیکن جب اللہ کے اس قانون پر لوگوں نے عمل نہیں کیا تو لازمی طور پر طاغوت اُن پر حکمران بن بیٹھا اور وہ طاغوت کے غلام ہو گئے۔!

سرمایہ داری کے طاغوت سے لوگ دو ہی صورتوں میں نجات پا سکتے ہیں یا تو لوگ اللہ کی صراطِ مستقیم کو اپنا لیں اور اس طرح طاغوت ہی ختم ہو جائے ـــ یا کوئی دوسرا طاغوت آئے اور سرمایہ داری پر ایک کاری ضرب لگا کر لوگوں کو اپنا غلام بنا لے۔ اور جاہلیت جدیدہ میں بھی دوسری شکل رونما ہوئی۔ کیونکہ یہ بہر حال جاہلیت تھی ـــ اور جاہلیت سے جاہلیت ہی جنم لیتی ہے۔ چنانچہ نیا طاغوت آیا اور وہ لوگوں کی گردنوں کا مالک بن بیٹھا جب تک جاہلیت باقی ہے۔ نیا طاغوت بھی حکمران ہے اور جب تک لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام پر عمل نہیں کرتے اس وقت تک نیا طاغوت بھی اپنی بادشاہت سے دستبردار نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مقابل آنے والے طبقہ کو اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ اس سے اس کی حکمرانی چھین لے۔ نہ کسی کو آزادی اور جمہوریت دے کر یہ موقع فراہم کر سکتا ہے کہ وہ اس کے مفادات کو نقصان پہنچائے۔ یا طاغوت کے ہاتھوں سے قانون سازی کے اختیارات چھین لے

یہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا ۔

آمریت سرمایہ داری کی ہو، یا پرولتاری آمریت ہو یا کوئی اور نام ہو۔ یہ آسانی سے ٹلنے والی مصیبت نہیں ہے۔ جاہلی نظام میں لوگوں کو آزادی اور جمہوریت ہرگز ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ خواہ حکمرانی سرمایہ داری کے طاغوت کی ہو، یا پرولتاری آمریت کے طاغوت کی ۔

انفرادی ملکیت

"تاریخ کے مادی فلسفہ" کی نظر میں بڑا مسئلہ "انفرادی ملکیت" اور اس کے سیاسی نتائج کی ہے۔ سرمایہ داری کی آمریت انفرادی ملکیت کو غیر محدود اور ہر شکل میں جائز قرار دیتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ تمام طاقت سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ نہ صرف جمع ہو جاتی ہے بلکہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ سود جس پر سرمایہ دارانہ آمریت کی بنیاد قائم ہے ـــــ دولت کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ اجارہ داری کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ جیسا کہ اس وقت پوری سرمایہ داری دنیا میں یہی ہے۔ سود اور اجارہ داری سے تمام طاقتیں سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ چند افراد کی جماعت اچھی طرح جانتی ہے کہ وہ عوام کا خون چوس رہی ہے اور اسے یہ بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اگر عوام کو پوری پوری آزادی مل جائے تو وہ اسی مختصر سی جماعت کا خاتمہ کر کے اپنے مال، محنت اور خون پسینہ کا بدلہ لے لیں اس لئے سرمایہ داروں کا ٹولہ قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے مفادات کے تحفظ کی فکر کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حکومت کی مشینری پر قبضہ کر کے یا سیاسی پارٹیاں تشکیل کر کے قانون کے تنفیذی اختیارات بھی خود ہی حاصل کر لیتا ہے اور عوام کو کچھ فائدوں کسی قدر معاشرتی انصاف اور چند دلچسپیوں میں الجھا کر اپنی حرکتوں سے غافل کر دیتا ہے ۔

سرمایہ داری عوام کو ناچ گانے اور اباحیت پسندی کی خوشیاں اور مسرتیں دلاتی ہے کہ جاؤ جو تمہارا جی چاہے کرو۔ تم آزاد ہو۔ تمہیں کوئی روکنے والا نہیں۔ جس قدر جی چاہو پہنو اور جس قدر جی چاہو برہنگی اختیار کرو۔ اپنے جنسی تعلقات جس طرح استوار کرو۔ کیونکہ تم آزاد ہو۔ !! اور ان ہی ذرائع سے سرمایہ داری کا طاغوت لوگوں پر حکمرانی کرتا ہے۔

اجتماعی ملکیّت

اس کے برعکس اشتراکیت قطعاً انفرادی ملکیت کو ممنوع قرار دیتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام افراد سے قوت وطاقت سمٹ کر حکمران ٹولے کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب صورتِ حال یہ ہو کہ کوئی بھی شخص کسی چیز کا مالک ہی نہ ہو اور کوئی فرد ایک لقمہ بغیر حکومت کی مرضی منشا کے حاصل نہ کر سکے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ ہر ہر فرد ایک لقمہ روٹی کے لئے حکومت کے سامنے ذلیل ہو جائے گا اور اس میں حکمران ٹولہ سے مخالفت کی ہمت باقی نہیں رہے گی کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے تو وہ بھوکا مر جائے۔

پھر اس سے بھی کوئی بحث نہیں کہ پرولتاری آمر نیک وصالح ہے جیسا کہ اشتراکی اخبارات ہر اس حاکم کو نیک وصالح بتاتے ہیں۔ جو اس وقت حکومت کر رہا ہوتا ہے... یا پرولتاری آمر وحشی قاتل مجرم اور خائن ہو جیسا کہ اشتراکی صحافت ہر اس آمر کو کہتی ہے۔ جو مر چکا ہو۔ یا جس کے ہاتھ سے حکومت نکل گئی ہو۔ کیونکہ آمریت کسی ایک شخص میں پوشیدہ نہیں ہوتی۔ بلکہ آمریت تو اس نظام کی بنیاد اور اساس ہے۔ تمام ملکیتیں حکومت کے قبضہ میں دے کر اور لوگوں پہ روزی کے تمام ذرائع بند کر کے ان کو ایک ایک لقمہ کا محتاج بنا دینا آمریت نہیں تو اور کیا ہے؟

پرولتاری آمریت کہتی ہے کہ اس نے اُن غریبوں کو آزادی دلائی جو دو روٹی کے لئے جاگیرداری یا سرمایہ داری کے غلام بنے ہوئے تھے۔ لیکن جس غلامی اور ذلت سے ان غریبوں کو چھڑایا تھا۔ دوبارہ ان کو اسی غلامی اور اسی ذلت میں جکڑ لیا ـــــ اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہوا کہ مالک بدل گیا ـــ غلام اپنی جگہ رہے۔ طاغوت بدل گیا۔ لیکن لوگ بدستور جاہلیت کا شکار رہے۔

سرمایہ داری نظام کی طرح اشتراکی آمریت بھی عوام کو کچھ مفادات، برائے نام سا سماجی انصاف اور معمولی سی خوشیاں دے کر بہلاتی اور اباحیت پسندی اور رقص وسرود کی کھلی چھٹی دے کر انہیں اپنے آمرانہ نظام سے غافل بنا دیتی ہے جیسے کتے کے سامنے ہڈی ڈال کر اسے زنجیروں میں جکڑ لیا جائے اور اس طرح کے بہلاوے دے کر تاریخ کی بدترین آمریت وجود میں آ جاتی ہے۔ اور خود حکمران ٹولہ ہر قسم کے فسق وفجور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سرمایہ داری نظام میں ملک کی ساری دولت سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے پاس جمع ہو جاتی ہے اور ان کی زندگیوں کے تعیش کو دیکھ کر محرومین کی آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں اور اشتراکی نظام میں حکمران ٹولہ اور اشتراکی پارٹی دنیا کی ساری نعمتیں خود سمیٹ لیتے ہیں اور مجبور و بے کس عوام میں غربت اور افلاس مساوات کے ساتھ تقسیم کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان آمریتوں کے ذرائع ابلاغ اس پراپیگنڈے میں مصروف ہو جاتے ہیں کہ عوام کو صد درجہ سہولتیں اور آسائشیں مہیا کر دی گئی ہیں۔ حکمران ٹولے کے تمام جرائم پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور اس حقیقت کو چھپایا جاتا ہے کہ ان آمریتوں نے انسانوں سے حقوقِ انسانیت چھین کر انہیں جانور بنا دیا ہے۔

اور تاریخ کی جاہلی تعبیر میں یہ سب کارنامے انقلاب و ترقی قرار دے دیئے جاتے ہیں۔

معاشرہ کا بگاڑ

فرد اور معاشرے کے باہمی روابط جدید علم اجتماعیات کا اہم موضوع ہیں، مگر چونکہ جدید جاہلیت میں سیاست اور معیشت میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ اس لیے فرد اور معاشرے کے باہمی روابط میں بھی ابتری پیدا ہو چکی ہے اور چونکہ معیشت، سیاست اور اجتماعیت باہمدگر ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں اس لیے اصولِ اجتماع بھی بالکل پراگندہ ہو چکے ہیں۔

سیاست و معیشت کے اقتصادیات کے ساتھ ارتباط کی صورت درحقیقت وہ نہیں ہے۔ جو جدید جاہلیت بتاتی ہے کہ معیشت ہی معاشرے کی صورت متعین کرتی اور سیاست کا رخ متعین کرتی ہے بلکہ فی الحقیقت اس ارتباط کی بنیاد یہ ہے کہ یہ تمام پہلو انسانی وجود کے مظاہر ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ فرد اور معاشرے کے باہمی روابط کے بارے میں جدید جاہلیت جس بگاڑ میں مبتلا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جاہلیت کا انسانی نفس کے بارے میں تصور ہی غلط ہے۔ اس لیے کہ جدید جاہلیت اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم سے بھٹک کر اعتدال اور توازن کھو بیٹھی ہے اور اسی عدم توازن کی بنا پر جدید جاہلیت میں فرد اور معاشرے کو جدا جدا رکھ کر غور کیا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ معاشرہ جو فرد کی اہمیت کو سامنے رکھ کر وجود میں آیا ہے۔ اس معاشرہ کا خاصہ یہ ہے کہ وہ فرد کی اہمیت میں مبالغہ سے کام لیتا ہے اور فرد کی ذات کو حد درجہ مقدس بنا دیتا ہے فرد جو جی چاہے کرے۔ جس قدر چاہے اور جس طرح چاہے ملکیت پیدا کرے جو جی چاہے اپنے عقائد اور افکار رکھے اور جس قسم کے اخلاق اور روایات جی چاہے اپنا لے معاشرہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ معاشرہ فرد کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ صحیح ہے۔ یا غلط! کیونکہ معاشرہ کو کیا حق ہے کہ وہ فرد کے معاملے میں مداخلت کرے۔ فرد تو ایک دیوتا ہے۔ اور ہر دیوتا جو من بھائے وہ کرتا ہے اور شخصی آزادی لن

تمام دیوتاؤں کا حق ہے !!

اس کے برعکس جو نظام معاشرے کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تشکیل پاتا ہے۔ وہ معاشرے کو مبالغہ کی حد تک مقدس بنا دیتا ہے اور فرد میں کوئی خوبی باقی نہیں رہتی نہ فرد کسی شئے کا مالک ہے۔ نہ وہ اپنے افکار، عقائد، اخلاق اور روایات خود وضع کر سکتا ہے۔ فرد معاشرے پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں بات صحیح ہے اور فلاں غلط ہے۔ فرد کون ہوتا ہے معاشرے کے بارے میں گفتگو کرنے والا۔ اور اس نظام میں معاشرہ ہی 'الہٰ' ہے، جو اس کا جی چاہے کرے۔ فرد تو معاشرے کے اقتدار کے سامنے ایک عاجز غلام ہے !

فرد کا تقدس

باطل پرستوں کے خیال میں یہ دونوں ہی نظام علمی اور سائنٹیفک بنیادوں پر قائم ہیں۔ لیکن ـــ اس خیال کے غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں نظام ایک دوسرے کے مقابل اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان دونوں میں اتحاد و یگانگت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ تو دونوں ایک ساتھ کس طرح درست ہو سکتے ہیں۔ یا تو ان میں ایک غلط ہے۔ یا دونوں ہی غلط ہیں ـــ اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی غلط ہیں۔

"فرد کی تقدیس" کی کہانی یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد کی ترقی سے شروع ہوتی ہے۔ کیوں کہ ـــ قرون وسطیٰ کی جاہلیت میں یورپ کے لوگ ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے ـــ ـــ ایک طرف تو عوام کے کاندھوں پر کلیسا اور مذہبی لوگوں کے اقتدار کا بوجھ تھا۔ کیونکہ اس وقت انسان اللہ سے بلاواسطہ تعلق قائم نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ ضروری تھا کہ کاہن اور قسیس کا واسطہ درمیان میں ہو۔ بغیر کاہن اور قسیس کے واسطے کے کسی کی مغفرت نہ ہو سکتی تھی۔ اگر کوئی شخص خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرنا چاہے۔ تو اس کی بھی صورت یہی تھی کہ کاہن کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرے۔ غرض ایسی کوئی صورت نہ تھی کہ انسان اپنی انفرادی حیثیت میں بغیر کسی واسطہ کے اللہ سے رابطہ قائم کر سکے۔

دوسری طرف امراء اور لارڈز کا اقتدار عوام کو کچلے دے رہا تھا۔ معاشرے میں سارا وزن اور اہمیت امراء کو حاصل تھی اور ان کا سارا دباؤ عوام ہی پر تھا۔ وہ عوام جن کے کوئی حقوق نہ تھے

ہاں ان پر ان گنت ذمہ داریاں تھیں۔

اس معاشرے میں فرد کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ نہ وہ کسی چیز کا مالک تھا۔ بلکہ ہر شے کا تن تنہا مالک جاگیردار تھا۔ فرد کسی بھی معاملہ میں بذاتِ خود دخیل نہیں تھا اور نہ ہی فرد کا حکومت سے کوئی تعلق تھا۔ اس کا تو مالک جاگیردار تھا۔ اگر وہ چاہتا تو اس کا وجود تسلیم کر لیا جاتا، ورنہ اس کا وجود اور عدم وجود برابر تھا۔ پس جس طرح کاہن اور قسیس فرد کے اور خدا کے درمیان حائل تھے۔ اسی طرح جاگیردار فرد اور حکومت کے درمیان نقطۂ اتصال تھا۔

رہ گئے۔ سیاسی حقوق تو اس کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بلکہ عوام کے لیے تو زندگی اور نہ زندگی میں انصاف کی بھی کوئی ضمانت نہ تھی۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ جاگیرداری نظام بذاتِ خود (اپنی اس جاہل شکل میں جس میں وہ یورپ میں تھا) جاگیردار کے علاوہ کسی اور فرد کی شخصیت پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا ——————

—— بلکہ اس کی ساری توجہ کا مرکز وہ معاشرہ تھا۔ جس میں فرد کا کوئی مستقل وجود نہیں تھا اور جس کا نظام بہت کم قابلِ تغیر تھا۔ دیہاتی زندگی ایک جگہ ٹھہری ہوئی اور جامد سی زندگی تھی۔ ایک فرد آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ نہ آنے والے کی کوئی اہمیت اور نہ جانے والے کا کوئی افسوس۔ ایسے ماحول میں فرد اپنے وجود کا کس طرح احساس کر سکتا ہے۔ بس وہ تو ریت و روایت کے بندھن میں جکڑا چلا آتا تھا۔ ان ریت و روایات پر بھی اس کا ایمان نہیں تھا کہ اس طرح اس کی شخصیت ممتاز ہوتی۔ بلکہ مجبوراً روایات کے ساتھ گھسٹ رہا تھا۔ جیسے کولہو کا بیل اپنے ہی گرد چکر لگا رہا ہو۔

کلیسا کے اقتدار سے چھٹکارا

صلیبی جنگوں اور مغرب اور اندلس کی درس گاہوں میں جب یورپ کا مسلمانوں سے واسطہ پڑا۔ تو یورپ کے مردہ جسم میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی اور عوام کو موقع مل گیا کہ وہ اپنے کاندھوں سے بوجھ اتار پھینکیں چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے کلیسا کا بوجھ اتار پھینکا۔

کلیسا اور کلیسا کے جبری نظام سے چھٹکارا پا کر لوگ "نیچر پرستی"[1] کی طرف لپکے تاکہ خدا کا رشتہ بغیر واسطے کے قائم ہو جائے۔

---

[1] Nature Worship

یہاں ہم کچھ تاریخی واقعات کا تذکرہ کریں گے ۔ اس لیے نہیں کہ ان تاریخی واقعات کی کوئی صفائی پیش کریں۔ کیونکہ کلیسا کے "الٰہ" کو چھوڑ کر طبیعت کو خدا بنا لینا ایسی بڑی حماقت ہے کہ نہ اس کی کوئی علمی صفائی پیش کی جاسکتی ہے اور نہ منطقی! بس ایک بے دلیل منحرفانہ راہِ فرار تھی اور کچھ نہ تھا۔ حالانکہ لوگوں کو چاہیئے تھا کہ کلیسا کے اقتدار سے نکل کر نئے خدا تراشنے کی بجائے اللہ کی صحیح عبادت کی طرف لوٹ آتے۔

جب عوام کلیسا کے اقتدار سے چھٹکارا پا چکے تو انہوں نے جاگیرداری اور امراء کا بوجھ بھی اپنے کاندھوں سے اتار ڈالا اور فرانسیسی انقلاب ملکیت زمین اور جاگیرداری کے خاتمہ کا پیش خیمہ بن گیا۔

کلیسا اور جاگیرداری سے نجات پا کر فرد کو اپنی شخصیت کا احساس تو ہوا۔ لیکن اس خدا ناشناس جاہلیت میں فرد سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے وجود کا احساس اللہ کی ہدایت کے مطابق کرے۔ اس نے یہ کوشش نہیں کی کہ کاہن اور قسیس کے واسطہ کے بغیر براہِ راست اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ بلکہ کلیسا اور کلیسا کے خدا دونوں ہی سے متنفر ہو گیا۔ نہ ہی اس نے یہ کوشش کی کہ معاشرے کی ساری روایتوں کو چھان پھٹک کر قیمتی اور بہتر روایات کو اپنا لیتا اور اس طرح اس کی ایک ممتاز شخصیت وجود میں آتی بلکہ اس نے تمام روایات اور تمام مجموعۂ اخلاق کو نکما اور بیکار سمجھ کر پھینک دیا۔

صنعتی انقلاب نے پرانی بنیادوں کو ڈھا کر نئی سوسائٹی کی تشکیل کی اور انسان کی فردیت کو اہم ترین مقام دے دیا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں مزدور دیہاتوں سے ایک ایک کر کے آتے تھے ان میں آپس میں کوئی تعارف نہ ہوتا تھا۔ پھر شہر میں آ کر اسی طرح علیحدہ علیحدہ رہتے۔ صرف کارخانوں میں ایک دوسرے سے ملتے تھے اس لئے ان میں وہ تعلقات تو ہو نہیں سکتے۔ جو دیہات میں کسانوں میں ہوتے ہیں۔ دیہات میں تو لوگ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ رشتہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ پاس پڑوس کا بھی خیال ہوتا ہے اور ہمیشہ کا میل جول ہوتا ہے اور بہت روایتوں کے ایک ہونے کی بناء پر جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے افکار و مشاعر سے واقف ہوتے ہیں۔

غرض دیہاتوں سے شہروں میں آنے والے مزدور تنہا ہوتے تھے۔ وہ جب تک شہر کے ماحول سے مانوس نہ ہو جاتے اپنے اہل و عیال کو بھی نہ لاتے بلکہ زیادہ تر تو غیر شادی شدہ آزاد

نوجوان ہُوا کرتے تھے۔ اور اس طرح شہر میں آنے والوں پر اجتماعی بندھن سے زیادہ انفرادیت کا احساس چھایا ہُوا ہوتا تھا۔

پھر عورت بھی میدان عمل میں آئی اور اسے بھی اپنی فردیت کا احساس ہُوا۔ جب کہ پہلے عورت کا کوئی مستقل وجود ہی نہ تھا۔ بلکہ عورت تو مرد کے تابع تھی۔ جس طرح مرد زندگی گذارتا تھا، اسی طرح عورت بھی گذارتی تھی، اقتصادی، اجتماعی، نفسی، فکری، غرض زندگی کا کوئی بھی معاملہ ہو۔ اس میں عورت کی اپنی کوئی فکر نہ تھی۔ عورت کی فکر وہ ہی ہوتی تھی۔ جو اس کے باپ کی، بھائی کی اور شوہر کی ہوتی۔ اس کو معاشرے کی کوئی فکر نہ تھی اگر کچھ سوچتی تو وہ بھی شوہر کے اندازِ فکر کے مطابق جو اس کے پاس تمام اشیا تیار شدہ لاتا اور ان کی تیاری میں عورت کا کوئی حصّہ نہ ہوتا۔ پھر عورت نہ کسی چیز کی مالک ہوتی تھی اور نہ کسی چیز میں بذاتِ خود کوئی تصرف کر سکتی تھی۔ مرد ہی ہر شئے کا مالک ہوتا۔ وہ ہی جو چاہتا سو کرتا۔ عورت کی زندگی تو روایات کے زیرِ سایہ گذرتی تھی اور روایات کی گرفت بھی مرد سے زیادہ عورت ہی پر ہوتی اور مرد بالکل آزاد ہوتا۔ عورت بے سوچے سمجھے معاشرتی روایات پر چلتی رہتی اور اپنے مقصد کا لکھا سمجھ کر جیسے تیسے زندگی گذارتی رہتی تھی۔

لیکن جب عورت نے کام شروع کیا تو ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ اس لیے کہ اب عورت کے ہاتھ میں پیسہ تھا۔ جس کو وہ جس طرح چاہتی خرچ کرتی۔ اب معاشرہ میں کارخانے میں، بازار میں راستے میں ہر جگہ وہ اپنے معاملات کی خود مختار رہتی ——— اور ——— اب اس نے مرد سے اپنے معاملات کی ازسرِ نو ابتدا کی کیونکہ اب اگر وہ مرد کی ہمسر نہیں تھی۔ تو اس کی تابع محض بھی نہ رہی تھی۔ بلکہ اب تو اس کی کوشش یہ تھی کہ مرد سے ٹکر لے اور اقتدار میں اپنا حصّہ لگائے۔ حاصل کرے اس طرح عورت کی بھی فردیت ابھر آئی جس کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا۔ پھر عورت کے ساتھ ساتھ بچے بھی میدان عمل میں آ گئے۔ اور عمل کی رزمگاہ اور اپنی کمائی ہوئی پونجی سے بچوں میں فردیت نمایاں ہوتی چلی گئی۔ غرض اب عوام افراد تھے اور ان کی فردیت ممتاز تھی۔

عورت کی آزادی

فردیت اپنے دامن میں ایک خطرناک بگاڑ کو لیے ہُوئے آئی۔

اگرچہ فردیت بذاتِ خود کوئی بگاڑ نہیں ہے۔ کیونکہ فردیت تو انسانی تشخص کا لازمہ ہے۔ لیکن فردیت میں بگاڑ اس لیئے پیدا ہو گیا کہ وہ اللہ کے راستے سے بھٹکی ہوئی جاہلیت میں پیدا ہوئی اور اس لیئے کہ جاگیرداری میں صدیوں تک فرد کے عدم وجود کے تحت اور غیر متوازن ردِ عمل کے طور پر وجود میں آئی تھی۔

عوام نے فردیت غیر مستقیم راستے سے حاصل کی۔ صحیح راستہ یہ تھا کہ ایک متوازن فردیت بھی ہوتی اور اس کے ساتھ ساتھ حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس بھی ہوتا۔

شہر کے باشی رفتہ رفتہ، دین اخلاق اور روایات کے بندھن سے آزاد ہوتے گئے۔ کیونکہ وہ گاؤں کی سخت اور پابند زندگی سے نکل کر شہر کی آزاد اور سہل زندگی میں داخل ہو چکے تھے اور مذہب کے بندھن بھی آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ ڈارون کی حیوانی تعبیر اور فرائڈ کے جنسی مسلک نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ پھر دیہات سے جو نوجوان آتے تھے انہیں کوئی خاندانی بندش بھی گناہ سے بچانے والی نہ تھی۔ چنانچہ شہر کی بدکاریوں میں وہ اپنی جوانی کے مسائل کا سستا حل تلاش کرتے تھے۔

عورت جو رفتہ رفتہ اپنی فردیت سے روشناس ہو رہی تھی وہ اب اس حالت سے نکل رہی تھی جس میں اس کے ذاتی تشخص کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ جب اسے اپنی ذات کا احساس ہوا تو وہ ہر بندش ختم کرنے پر آمادہ ہو گئی اور ساتھ ہی مذہب، اخلاق اور روایات سے بھی برسرِ پیکار ہو گئی۔ کیونکہ انہی ہتھیاروں کو مرد نے جنگِ آزادی میں اس کے خلاف استعمال کیا تھا۔ تاکہ عورت اس کے مدِ مقابل نہ آ سکے۔ حالانکہ خود مرد ہر قسم کی مذہبی، اخلاقی اور روایاتی بندشوں سے آزاد تھا۔

پھر جب مرد نے عورت کی کفالت سے ہاتھ اُٹھا لیا اور عورت کو میدانِ عمل میں آنا پڑا۔ تو اس نے محسوس کیا کہ اس کا اخلاق اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ کیونکہ حیوانی سرشت والا جاہل انسان، جس کے ساتھ اسے مزدوری کرنا تھی۔ وہ اسے اس وقت تک مزدوری نہیں کرنے دیگا۔ جب تک وہ اس کی حیوانی جذبات کے سکون کا سامان نہ کرے۔ پھر عورت مساوات بھی چاہتی تھی۔ اس کا مطالبہ مساوات جہاں اُجرت کے معاملے میں تھا۔ وہاں وہ بے راہ روی، اباحیت پسندی اور اخلاقی بندشوں سے آزادی میں بھی مساوات کی طالب تھی۔

ان تمام اسباب کے پس پردہ مکار یہودی بھی غیر یہودی کا اخلاق تباہ کرنے میں لگا ہوا تھا مارکس، فرائڈ اور ڈرکایم نصیحت کر رہے تھے کہ

"اخلاق ایک بے معنی قید ہے۔ انسانی وجود سراپا جنس ہے اور جنسی اختلاط ہی صحیح راہِ عمل ہے ....." ؎

سارا معاشرہ تباہ کن جلت پسندی کا شکار ہو گیا۔ معاشرتی بندھن ٹوٹ گئے، خاندانی روابط منقطع ہو گئے بلکہ خود جنس پرستی میں بھی کوئی رابطہ اور تعلق باقی نہ رہا۔ اگر اخلاق سے صرف نظر بھی کر لیا جائے تو بھی عورت مرد کے طویل مدت کے میلانات و عواطف اور مشترکہ شعورِ جنس کے لیے رابطہ کا کام دیتا ہے — اب یہ رشتہ بھی باقی نہ رہا۔ اب تو انسان صرف ایک شہوت پرست جسم تھا۔ جب اس کی شہوانی خواہشات پوری ہو جاتیں جنسی رابطہ ٹوٹ جاتا اور جب شہوانی خواہشات دوبارہ بیدار ہوتیں۔ جنسی رابطہ پھر سے استوار ہو جاتا۔ اخلاق سے قطع نظر کر کے بھی میلانات اور احساسات کو پرانی سڑی گلی رومانوی اصطلاحیں خیال کر لیا گیا۔ جن کا واقعاتی دنیا سے کوئی تعلق نہیں تھا واقعۃً جو کچھ تھا۔ سو وہ یہ تھا کہ انسان حیوان تھا اور اس کے ساتھ شہوت پرست جسم تھا۔ بالکل ڈارون فرائڈ اور اس کے متبعین کی تعلیمات کے مطابق!

عورت مرد دونوں ہی کا انسانی تشخص ختم ہو گیا۔ اب وہ مرد و زن نہیں رہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اس لیے کہ مرد تو سارے اجتماعی، خاندانی اور جنسی رابطے ٹوٹنے کے بعد انسان کے بجائے مشین کا ایک پرزہ بن کر رہ گیا۔ اب اس میں فکر اور احساس کا شائبہ تک نہ تھا۔ اب اس مشینی انسان کے سامنے نہ تو زندگی کا کوئی مقصد باقی رہ گیا تھا اور نہ ہی اسے اپنی انسانیت کا کوئی احساس باقی رہا تھا — جب یہ انسان اپنے زندہ تشخص کو کچلنے والی اور شمع روح کو بجھانے والی مادی پیداوار سے فارغ ہوتا تو وہ اپنے حیوانی جذبات کی تکمیل میں لگ جاتا۔ اب اس کی زندگی کے دو مقاصد تھے مشینی پیداوار اور حیوانی آزادی!

تیسری جنس کا ظہور

رہ گئی عورت تو بگاڑ اس کی اندرونی فطرت تک سرایت کر گیا۔ چنانچہ مصر کے روزنامہ

؎ "انسانی زندگی میں جمود و انقلاب"

"الاہرام" میں ڈاکٹر بنت شاطی اپنے مضمون "تیسری جنس ظاہر ہونے والی ہے" میں لکھتی ہیں:
"میں ایک ہفتہ تک لائبریری میں پرانی عربی کتابوں کا مطالعہ کرتی رہی۔ اس محنت طلب مطالعہ کے بعد میں نے اتوار کے روز اپنی ایک دوست سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ میری یہ دوست "فیتا" کے نواحی علاقے میں خاتون ڈاکٹر ہے۔ میرا خیال تھا کہ اتوار ملاقات کے لیئے مناسب دن ہے لیکن میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب میری دوست نے میرے لیے دروازہ کھولا تو اس کے ہاتھ میں آلو تھا اور وہ اسے چھیل رہی تھی۔ وہ مجھے باورچی خانہ میں لے گئی اور ہم وہاں بیٹھ گئے" اور میری دوست نے میرے تعجب کو بھانپتے ہوئے کہا۔

"غالباً تمہیں اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ ایک خاتون ڈاکٹر اتوار کے دن باورچی خانہ میں گھسی ہوئی ہے"

میں نے ہنستے ہوئے کہا

"خیر اتوار کے دن مصروف ہونا تو سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیکن تعجب اس بات کا ہے کہ تم اپنے محنت طلب پیشہ کے باوجود بھی باورچی خانہ میں گھسی ہوئی ہو"

اس نے کہا "اگر تم اس بات کو الٹ لیتیں تو شاید کچھ صحیح بات ہوتی۔ کیونکہ ہمارے یہاں قابل تعجب اتوار کو کام کرنا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ مجھے اتوار ہی کو فرصت ملتی ہے۔ رہ گیا باورچی خانہ کا کام تو یہ تو حقیقت میں اس بے چینی کا علاج ہے۔ جس کا میں اور مجھ جیسی دوسری قومی خدمات کرنے والی خواتین شکار ہیں"

میں نے سوال کیا "آخر اس بے چینی کی وجہ — حالانکہ اجتماعی زندگی بالکل مغربی عورت کے مزاج کے مطابق ہے"

کہنے لگیں "اس بے چینی کا جدید مشرقی عورت کی نئی ذمہ داریوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو آنے والے انقلاب کی صدائے بازگشت ہے۔ ماہرین اجتماعیات، فزیالوجی اور بیالوجی کہتے ہیں کہ عورت کے تشخص میں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ کیونکہ اعداد و شمار بتا رہے ہیں کہ گھر سے باہر کی

زندگی میں حصہ لینے والی عورتوں کے یہاں پیدائش کم ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے پہل تو یہ خیال کیا گیا کہ بیرونی زندگی گذارنے والی عورتیں حمل، ولادت اور دودھ پلانے کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہتیں کیونکہ اس طرح ان کی عملی زندگی متاثر ہوتی ہے لیکن جب زیادہ غور و فکر سے اعداد و شمار کا جائزہ لیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ پیدائش کی کمی میں عورتوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ پیدائش کی کمی بانجھ پن کی وجہ سے ہے اور یہ بانجھ پن عورت کے ظاہری اعضا کی خرابی کی بنا پر رونما نہیں ہوا۔ بلکہ درحقیقت گھر سے باہر کام میں معروف رہنے والی عورت کا تشخص ماں بننے کی صلاحیت ترک کر رہا ہے۔ اور مادی، ذہنی اور اعصابی لحاظ سے وہ اپنے مادی تشخص سے کٹ گئی ہے اور مرد کے ساتھ مشابہت کی کوشش، اور اس کے ساتھ میدان عمل میں شرکت نے بھی عورت کے ماں بننے کی صلاحیتوں کو متاثر کیا ہے۔

عورت کا مادری عمل

علمائے حیاتیات مندرجہ بالا بات کی صحت کے لئے مشہور طبعی قانون[1] کا حوالہ دیتے ہیں کہ "عمل اعضا کی تخلیق کرتا ہے" اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت کا مادری عمل، جو مؤنث کی خاصیت[2] کے طور پر جوہر میں پیدا کیا گیا تھا۔ وہ عورت کے مادری عمل سے کٹ جانے اور مردوں کی دنیا میں گھس جانے کی بنا پر لازمی طور پر رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔

علماء نے مزید غور و فکر کیا تو تجربات انہیں اس سے بھی آگے لے گئے۔ اب علماء بڑے اطمینان سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ ایک تیسری جنس ظہور پذیر ہونے والی ہے۔ جس میں صنف نازک کے وہ چند خصائص ہی باقی رہ جائیں گے جو طویل ممارست کی بنا پر عورت کے تشخص میں راسخ ہو چکے ہیں۔ اس رائے پر کافی کچھ اعتراضات کیئے گئے، پہلا اعتراض یہ ہے کہ بہت سی گھر سے باہر زندگی گذارنے والی عورتیں، بانجھ پن کو ناپسند کرتی ہیں اور اولاد کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ماں بننے والی عورت کو کام میں سہولت دی جاتی ہے اور قانونی طور پر عورت کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے فطری فرائض سے عہدہ برآ ہو جائے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عورت کو اپنی مخصوص دنیا سے نکلے ہوئے، چند نسلیں نہیں گزریں، جب کہ عورت میں ماں بننے کی

---

[1] Natural Law [2] Characteristics

صلاحیتیں ہزاروں سالوں سے موجود ہیں۔

پہلے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اولاد کی خواہش مند عورت کو بچہ پیدا ہونے کی مشغولیت کا بھی دھڑکا لگا رہتا ہے اور ساتھ ہی یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ بچے کی پیدائش و پرورش اس کے کام میں رکاوٹ بنے گی۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عورت کو بچے کی پیدائش و پرورش کی اجازت قانون کے شکنجے میں کسی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اکثر اصحاب عمل ایسی خواتین کا انتخاب کرتے ہیں۔ جن کے پیدائش کا جھگڑا قصہ نہ ہو۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ باوجودیکہ عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا زمانہ کم ہے۔ لیکن عورت نے چونکہ مرد کی ساتھ مساوات اور مشابہت اختیار کرنے میں حد درجہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور یہ فکر عورت کے اعصاب پر سوار اور اس کے ضمیر میں راسخ ہو گئی۔ اس لیئے حیاتیاتی تبدیلیاں بھی جلد ظہور پذیر ہو گئیں۔

اب اس موضوع کا بطور خاص مطالعہ کرنے والے صنف نازک میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا گہرا جائزہ لے رہے ہیں اور اس بارے میں اعداد و شمار کا مطالعہ کیا جا رہا ہے کہ کام کرنے والی عورتوں میں بانجھ پن، سینہ میں دودھ خشک ہونے اور ماں بننے کی صلاحیتوں کے فقدان کے کیا اسباب ہیں؟

رہ گئے بچے جنہوں نے حلت پسندی کے اس طوفان میں اپنی "فردیت" کا احساس کیا، تو ان کا احساس بھی انحراف سے خالی نہ رہا۔

— مرد اور عورت تو کارخانے اور تجارت میں لگ گئے۔ پھر اس پراگندہ خاندانوں میں بچوں کے لیئے عطف و وجدان کا کونسا ربط باقی رہ گیا تھا۔ جو ان کے دلوں میں پیار و محبت کا بیج بو سکتا۔ یہ خاندانی ربط اور پیار و محبت کا رشتہ ہی تو ہے۔ جو بچوں کی اس طرح نشو و نما کرتا ہے کہ ان کی فکر میں توازن اور ان کے شعور میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ ان میں جنسی آداب ہوتے ہیں۔ ان میں اُس تعلق کا احترام ہوتا ہے جو افزائش نسل کا ذریعہ ہے۔ جنس صرف شہوت رانی کا نام نہیں رہتا۔ بلکہ انسانیت کے مقام کے مطابق تعلقات استوار ہوتے ہیں۔

خاندان سے ماں کا رشتہ ٹوٹا تو گویا وجدان کا رشتہ منقطع ہو گیا اور جب رشتہ منقطع ہو

جائے تو بس گھر ایک ہوٹل ہے۔ جس میں مرد اور عورت ٹھہرے رہتے ہیں اور ظاہری طور پر اپنے ماں باپ ہونے کے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں۔ جیسے کوئی ملازم اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہو۔

اب بچے خواہ ایک پراگندہ خاندان میں نوکروں کے ہاتھوں میں پرورش پائیں، یا پرورش گاہوں میں اپنے جیسے ماں باپ سے بچھڑے ہوئے بچوں کے ساتھ نشوونما حاصل کریں، بہرکیف وہ بگاڑ کا شکار ہو ہی گئے۔

الکسیس کارل کہتا ہے:

"دورِ جدید کے معاشرے نے عورتوں کی تربیت اسکولوں کے سپرد کر کے ایک بڑی غلطی کی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پرورش گاہوں میں چھوڑ دیتی ہیں اور خود یا تو اپنے کاموں پر نکل جاتی ہیں، یا اجتماعی دلچسپیوں میں لگ جاتی ہیں، ادبی اور فنی ذوق کی تسکین میں مشغول ہو جاتی ہیں، برج کھیلتی ہیں اور سینما جاتی ہیں۔ غرض اس طرح تفریحات میں رہتی ہیں۔ یہ خاندان کی وحدت پارہ پارہ کرنے، اور مل بیٹھنے کے ان مواقع کو کھو دینے (جن میں بچہ بڑوں سے بہت کچھ سیکھتا ہے) کے بارے میں جواب دہ ہیں۔

کتے کا بچہ اگر اپنے ہم عمر پلوں کے ساتھ ایک گھر میں بند کر دیا جائے تو اس کی نشوونما اتنی تیز نہیں ہو سکتی جتنی اس پلے کی ہوتی ہے۔ جو اپنے ماں باپ کے ساتھ آزاد پھرتا ہے۔ یہی فرق ہے ان بچوں میں جو اپنے ہم عمروں میں گھرے رہتے ہیں اور ان بچوں میں جو بڑوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ کیونکہ بچہ فزیالوجی، عقلی اور جذباتی لحاظ سے وہی کچھ سیکھتا ہے جو اس کے گرد و پیش میں ہوتا ہے اور اپنے ہم عمر بچوں سے بہت کم سیکھتا ہے۔ خصوصاً جب کہ مدرسہ میں تنہائی ہو تو بچہ نامکمل رہ جائے گا اور ایک فرد کے مکمل قوت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے کچھ تنہائی بھی ملے اور خاندان میں مل بیٹھنے کا بھی اتفاق ہوتا رہے۔"[1]

امریکی فلسفی ول ڈیورانٹ کہتا ہے:

---

[1] "انسان مجہول" ص ۳۱۸ - ۳۱۹

"کیونکہ عورت مرد کی شادی موجودہ دور میں صحیح معنی میں شادی نہیں ہے، اور بجائے باپ ماں کا رشتہ ہونے کے ایک جنسی تعلق ہے۔ اس طرح زندگی کو سہارا دینے والی تمام بنیادیں ڈھے جاتی ہیں اور ازدواجی رشتہ کمزور ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور میاں بیوی اس طرح تن تنہا رہ جاتے ہیں۔ جیسے ان میں آپس میں کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔" [۱]

بورژوا طبقہ

اس تمام عرصہ میں نیا پیدا ہونے والا "بورژوا طبقہ" فرد کو مزید آزادی دلانے کی فکر میں رہا۔ پہلے تمام تر اقتدار جاگیرداروں کے پاس تھا۔ وہ جس طرح چاہتے تھے عوام کا خون چوستے تھے کلیسائی نظام بھی جاگیرداروں کا حامی تھا۔ کیونکہ خود کلیسا کے مفادات اسی سے وابستہ تھے اور کلیسا چاہتا تھا کہ عوام اس کے روحانی اقتدار کے سامنے جھکے رہیں، تاکہ پادری اور مذہبی لوگ اپنی حاکمیت منوا سکیں اور آرام و راحت کی زندگی گذار سکیں۔

جب شہری آبادیاں بڑھیں اور ملازموں، صنعت کاروں اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کا طبقہ وجود میں آیا —— تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے حقوق کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی۔ پارلیمان پر جاگیرداروں کی اجارہ داری ہے اور آزادی رائے اور آزادی اجتماع کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے —— چنانچہ جاگیرداروں سے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے نیا طبقہ ایک شدید طبقاتی جنگ میں مصروف ہو گیا۔

اور اس طبقاتی جنگ میں جمہوریت کو فتح حاصل ہوتی رہی اور فرد کو آزادی ملتی رہی۔

مارکسی فلسفہ کہتا ہے کہ یہ طبقاتی جنگ تھی۔ نیا ابھرنے والا بورژوا طبقہ پرانے جاگیردار طبقہ سے جنگ آزما تھا! اگر اس خیال کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی اس بات سے انکار مشکل ہے کہ بورژوا طبقہ (یعنی شہروں کے باسی) محسوس کر رہا تھا کہ یہ دونوں طبقوں کی فردیت کی جنگ ہے۔ ہر فرد اپنی ذاتی تشخص کو ممتاز کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ تاکہ یہ محسوس کرا دے کہ وہ اپنا مستقل وجود رکھتا ہے اور کسی دوسرے کا تابع نہیں ہے۔

---

[۱] "فلسفہ کی نیرنگیاں" ص ۲۲۵

فرد کی آزادی

جاگیرداری نظام سے جتنی آزادی ملتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ فرد کی حریت کو ایک نیا میدان مل گیا اب وہ کچھ مزید امور اپنی شخصی رائے کے مطابق انجام دے سکتا ہے۔

یہ آزادی صرف سیاسی آزادی نہ تھی، بلکہ مذہب اخلاق اور روایات کے بھی سارے بندھن ایک ایک کرکے ٹوٹ چکے تھے اور اس چھوٹ اور اباحیت پسندی کو شخصی آزادی کے نام سے قانونی اور عدالتی تائید بھی حاصل ہوگئی تھی۔

جاگیرداری نظام سے سیاسی اور اقتدار کی جنگ میں بورژوا طبقہ نے فرد کی آزادی پر زور دیا اور اس بات کی کوشش کی کہ فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی اور زیادہ سے زیادہ اقتدار حاصل ہو۔ اور فرد کی آزادی کی جدوجہد میں انسان اپنے وجود کو "الٰہ" بنا بیٹھا اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے وجود کی پرستش شروع کردی۔ اور فرد کی آزادی کے پردے میں سرمایہ داری میدان پر میدان فتح کرتی جارہی تھی۔

سرمایہ داری کی بنیاد یہی تھی کہ ہر فرد آزاد ہو، وہ جس قدر چاہے وسائل کا مالک بن جائے۔ جتنا اس سے ہوسکے وہ لوٹ کھسوٹ لے اور جتنا اس کی طاقت ہو وہ مزدوروں کو اپنا غلام بنالے۔

سرمایہ داروں نے فرد کی آزادی کا خوب پرچار کیا اور فرد کے انسانی حقوق، اور اس کی ہمہ گیر آزادی کے بارے میں بڑے بڑے خوبصورت فلسفے تراشے، یہ بھی کہا گیا کہ فرد کی تقدیس تسلیم کی جائے تاکہ وہ اپنی زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہوسکے۔ نیز یہ کہ معاشرے کو کوئی حق نہیں ہے۔ کہ وہ فرد کی آزادی میں رکاوٹیں کھڑی کرے!

فرد کی آزادی کے سلسلے میں سرمایہ داروں کا نعرہ یہ تھا کہ "فرد بغیر کسی مزاحمت کے جو چاہے کرے اور بغیر کسی رکاوٹ کے جس طرف سے چاہے گذر جائے" (LAISSEZ FAIRE, LAISSEZ PASSER) گویا ہر قید سے چھٹکارا حاصل ہوگیا۔

لیکن فرد کی آزادی، فرد کی تقدیس اور فرد کے حقوق کے بارے میں یہ خوبصورت جملے اور یہ خوش نما الفاظ اللہ کے لیے نہیں تھے۔ بلکہ شیطان کے لیے تھے اکلا غرت کے لیے تھے جو

سرمایہ داری کے بھیس میں جلوہ گر ہو رہا تھا۔ کیونکہ اگر فرد کو اتنی ہمہ گیر آزادی اور اتنی کھلی چھٹی نہ ہو تو سرمایہ داری کو بھی اپنی من مانی کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔

سرمایہ داری نے اپنے سرکش اقتدار کے لیئے بس یہ کیا کہ آزادی کا صور پھونک دیا۔ جس آزادی کے نتیجے میں معاشرے میں مذہب، اخلاق اور روایات کے بندھن ڈھیلے ہو گئے۔ عورت، مرد، بچے اور خاندان پراگندگی کے شکار ہو گئے۔ سرمایہ داری کا مقصد یہ تھا کہ عوام کو آزادی عمل اور آزادی رائے کا ڈھونگ بنا کر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جائے۔ بلکہ معاشرے کی پراگندگی سرمایہ داری کے لیئے زیادہ نفع بخش ہے۔ کیونکہ اس طرح پیسہ خواہشات نفس میں خرچ کرنے کے زیادہ مواقع فراہم ہو جاتے ہیں اور سرمایہ داری دو چند منافع کماتی ہے۔

سرمایہ داری نے فرد کی آزادی، اور اس کے راستے کی ہر رکاوٹ دور کرنے کے لیئے باقاعدہ فلسفہ گھڑ کر کھڑا کر دیا۔ جس کی اشاعت کے لیئے اسکول، استاد، مؤلفین، صحافی اور فن کاروں نے مل جل کر حصہ لیا۔

اور بس اس فلسفہ کی روشنی میں معاشرے کی تصویر نہایت بھیانک بنائی گئی اور بتایا گیا کہ معاشرہ فرد کے تشخص کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے فرد کو بھی چاہیئے کہ وہ معاشرے کو توڑ پھوڑ کر اپنا بدلہ پورا پورا چکالے۔!

مگر کبھی ان فلاسفر، مفکرین، ادیب، صحافی، مؤلفین لکھنے والوں اور فن کاروں نے یہ نہیں سوچا کہ آخر فرد کی آزادی کے لیئے جس معاشرے کی توڑ پھوڑ کی جا رہی ہے۔ وہ ہے کیا؟ کیا معاشرہ انسانوں کا مجموعہ نہیں ہے؟ کیا انسان فرد اور معاشرہ دونوں کو شامل نہیں ہے؟ کیا معاشرہ فرد کی اس خواہش کی تکمیل نہیں ہے کہ فرد اپنے ہم جنس افراد کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہتا ہے؟ اور اگر معاشرہ ختم ہو جاتے تو فرد کہاں رہے گا۔ زندگی کا کون سا نقشہ ہوگا جس کے مطابق فرد زندگی گزارے گا؟

یہ سارے فلسفی، مفکر، ادیب، صحافی، لکھنے والے اور فن کار، اللہ کی صراط مستقیم اور اللہ کے نور سے بہت دُور جاہلیت کے اندھیاروں میں بھٹکتے رہے۔ ان کی عقل میں یہ بات نہ آئی کہ سرمایہ داری کا ہلاکت خیز طاغوت جو آج انہیں ان منحرفانہ آراء کے پرچار کی دعوت دے رہا ہے۔ کل جب سارے معاشرتی بندھن ٹوٹ جائیں گے تو اس کے سامنے صرف ایک ہی

مقصد ہوگا اور وہ یہ کہ ان بکھرے ہوئے افراد کو جن کو کوئی رشتہ آپس میں نہیں جوڑتا، جن میں محبت و قرابت کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا۔ ان سارے انسانوں کے گلہ کو طاغوت کا غلام بنا دیا جائے۔

اور یہ سارا گلہ سرمایہ داری کے طاغوت، اور سرمایہ داروں کے مفادات کا غلام بن کر ذلیل و خوار اور گم کردہ راہ ہو جائے اور پھر سرمایہ داری کا طاغوت اس کی رسی پکڑ کر خواہشات اور شہوات کے بازار میں لیئے لیئے پھرے!

اجتماعیت

ایک طرف تو "فردیت" پر یہ انتہا پسندانہ اصرار تھا تو دوسری طرف اس کے ردِ عمل کے طور پر "اجتماعیت" نے سر اٹھایا۔

چنانچہ "اجتماعیت پسندوں" نے کہا۔ نہ فرد کا کوئی وجود ہے اور نہ فرد کے کوئی معنیٰ ہیں فرد کی زندگی کا سرچشمہ معاشرہ ہے اور فرد کے لیے ممکن نہیں کہ وہ معاشرے کی حتمی روش میں کوئی تبدیلی لا سکے۔

ڈرکایم نے انسانی زندگی کی اجتماعی تعبیر پیش کی جبکہ مارکس نے "تاریخ کا مادی فلسفہ" سامنے رکھا۔ جس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ "معاشیات معاشرے کی شکل متعین کرتی ہے اور معاشرہ فرد کی تخلیق کرتا ہے۔"

ڈرکایم کہتا ہے:

"اجتماعی شعور سے ابھرنے والے نفسیاتی حالات، قطعی طور پر ان حالات سے مختلف ہوتے ہیں جو فرد کے شعور سے پیدا ہوتے ہیں"

نیز "جماعتی عقل" بھی "انفرادی عقل" سے مختلف ہوتی ہے۔ اور اس کے اپنے مخصوص قوانین ہیں"۔ ؎

"عمل اور اجتماعی فکر کی گوناگوں راہیں، افراد کے ضمیر سے باہر پائی جانے والی حقیقتیں ہیں اور افراد مجبور ہیں کہ زندگی کے ہر لمحہ میں ان حقائق کے سامنے سرنگوں رہیں"۔ ؎

؎ "اجتماعیات کے اصول" ترجمہ: ڈاکٹر محمود قاسم۔ نظر ثانی، ڈاکٹر سید محمد بدوی مقدمہ طبع دوم ۱۹۵۱ء بحوالہ سابق ص ۱۳

"عمل مشترک' جس سے اجتماعی ظواہر پیدا ہوتے ہیں اور جو فرد کے شعور سے باہر انجام پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بہت سے افراد کے ضمائر کا نتیجہ ہوتا ہے یہی عمل مشترک' عمل اور فکر کی راہیں متعین کرتا ہے اور یہ راہیں ہمارے وجود سے باہر پائی جاتی ہیں۔ اور فرد کے ارادے سے متاثر نہیں ہوتیں"۔[1]

"اجتماعی ظواہر کی جوہری خصوصیت، چونکہ افراد کے ضمیر پہ باہر سے اثر انداز ہوتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ظواہر افراد کے ضمیر کی پیداوار نہیں ہیں"۔[2]

"دیکھ لیجیے۔۔۔ اجتماعی، خارجی ظاہر افراد کے داخلی شعور پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے"[3]

مارکس اور انگلز اپنے مادی فلسفہ میں انسانیت کی تعبیر میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔

"مادی زندگی میں طریقہ پیداوار ہی، زندگی کی اجتماعی سیاسی اور معنوی صورتوں کی تشکیل کرتا ہے" (مارکس) ۔۔۔مارکس۔۔۔

"پیداوار اور تبادلۂ پیداوار ہی کی بنیاد پر سارے اجتماعی نظام کی عمارت کھڑی ہے" (انگلز) "انگلز"

گویا مارکس اور انگلز کی رائے میں نہ تو انسان کا کوئی ذاتی وجود ہے۔ نہ اس کے اپنے شعور و افکار اور جذبات ہیں۔ انسان تو بس اقتصادی نظام کا ایک پرتو ہے اور وہ اقتصادی نظام خود انسان سے باہر پایا جاتا ہے۔!

"جس اجتماعی پیداوار کے لوگ عادی ہو جاتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ کچھ ایسے تعلقات قائم کر لیتے ہیں جو ان کے ارادے کے تابع نہیں ہوتے۔۔۔ حقیقت میں لوگوں کا شعور ان کے وجود کو متعین نہیں کرتا۔ بلکہ ان کا وجود ان کے شعور کی تشکیل کرتا ہے"۔۔۔(مارکس)

"تمام تغیرات اور اساسی تبدیلیوں کے آخری اسباب کا پتہ، لوگوں کی عقلوں اور

---

[1] تعجب ہے کہ ڈورکایم یہاں اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ "اجتماعی ظاہر بہت سے افراد کے ضمیر سے پیدا ہوتا ہے"۔ لیکن پھر فوراً ہی فرد کے تشخص کا انکار کر دیتا ہے [2] بحوالہ سابق ص ۲۵

[3] بحوالۂ سابق ص ۱۲۶ [4] بحوالہ سابق ص ۴۴

ان کے حق وانصاف کے متبع ہونے سے نہیں چلتا، بلکہ ان اسباب کا پتہ ان تبدیلیوں سے چلتا ہے۔ جو پیداوار اور تبادلۂ پیداوار میں ہوتی ہیں ۔۔۔ (انگلز)

اہم بات یہ ہے کہ "مادی فلسفہ" فرد کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کرتا۔ بلکہ مستقل اجتماعی شکلوں کے بارے میں کلام کرتا ہے۔ جیسے ان اجتماعی شکلوں میں فرد کا وجود اسے محسوس ہی نہ ہوتا ہو۔

مارکس اور انگلز کی رائے میں فرد کا کوئی وجود نہیں ہے۔ فرد "طبقہ" کا ایک جزو ہے، اور جس طبقہ سے منسوب ہے اس کے مفادات کی تکمیل میں لگا رہتا ہے اور فرد کا کسی طبقہ سے منسوب ہونا ہی، اس کے شعور، افکار، اخلاق، روایات اور زندگی کے بارے میں اس کا مؤقف متعین کرتا ہے۔ رہ گیا یہ خیال کہ فرد کا اپنا ذاتی تشخص بھی ہوتا ہے اور اس کے اپنے ذاتی افکار و خیالات بھی ہوتے ہیں۔ مادی فلسفہ کی نظر میں ایسا ہونا محال ہے اور تاریخی واقعات جن افراد کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو یہ لوگوں کی گھڑی ہوئی کہانیاں ہیں۔ (آخر کیوں ؟) سائنسی مطالعہ سے جو حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ ہے کہ فرد کا ذاتی وجود کبھی بھی نہیں رہا۔ بلکہ فرد نے ہمیشہ اپنے طبقہ کی نمائندگی کی ہے اور اگر آنے والے طبقہ کی طرف جھانک کر دیکھا جائے۔ جس کا آنا مادی اور اقتصادی انقلابات نے یقینی قرار دے دیا ہے۔ تو بھی فرد ایک انسان ہے۔ جو آنے والے جبری رخ کی بشارت دے رہا ہے !

گویا انسانیت اقتصادی اور مادی جبری انقلابات کی تابع ہے۔ فرد معاشرہ کا تابع ہے اور معاشرہ ان انقلابات کا تابع ہے !

انسان نے 'انفرادیت' سے 'اجتماعیت' کی طرف آ کر نئے 'الٰہ' بنا لیے۔ اور لبعد ازاں اب اس کے 'الٰہ' "مادی جبریتیں" بن گئے۔ !!

"اجتماعیت پسندی" بھی ایک جاہلی بگاڑ ہے۔ جو اپنی انتہا پسندی میں سابقہ جہالت سے کسی طرح کم نہیں۔ جس جاہلیت میں جماعت کے مقابلہ فرد کی اہمیت ہے !۔

اجتماعیت پسندی ہو، یا انفرادیت پسندی دونوں اپنے سے پہلے بگاڑ کا رد عمل ہیں۔ دونوں پر 'انتہا پسندی' چھائی ہوئی ہے ۔

دونوں جاہلیتیں یہ سمجھنے سے عاجز ہیں کہ فرد جماعت کا ایک حصہ ہے۔ فرد اور جماعت

دونوں ہی حقیقت ہیں۔ اگر افراد کا مجموعہ نہ ہو، تو معاشرہ کیسے تشکیل پائے۔

انسانی زندگی کو "اجتماعیت" پر محمول کرنے میں سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ اس میں زندگی کا ایک ہی پہلو مدّنظر رہتا ہے کہ فرد اپنی خواہشات کے علی الرغم ان امور کو ماننے پر مجبور ہوتا ہے جو معاشرہ اس پر لاگو کر دیتا ہے۔

یہ اگرچہ ایک حقیقت ہے لیکن یہ حقیقت کس بات پر دلالت کرتی ہے۔

ڈرکایم نے اقرار کیا ہے (اگرچہ اقرار کر کے فوراً پھر گیا) کہ اجتماعی ظاہر بہت سے افراد کے ضمیر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ فرد کسی نہ کسی شکل میں معاشرے کی نمائندگی کر رہا ہے اور اس کی اس نمائندگی کا معاشرے میں وزن ہے۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ معاشرہ کچھ امور فرد پر لاگو کرتا ہے (چلیئے مان لیتے ہیں کہ تمام امور معاشرہ لاگو کرتا ہے) تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

یا تو بہت سے صالح اور نیکوکار افراد کے ضمیر مل کر کوئی بات ایک منحرف شخص پر لازم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "دیکھو! تم ان حدود سے باہر نہیں جا سکتے"!

یا کچھ غیر صالح افراد کے ضمیر مل کر صالح افراد کو اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیتے ہیں اور کہ یا تو ہمارے ساتھ ساتھ چلو، ورنہ ہم تمہیں راستے سے ہٹا دیں گے۔"

دونوں صورتوں میں بہت سے افراد کے ضمیر ایک بات پر متحد ہو جاتے ہیں اور اس اتحاد کی بنا پر ان کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کسی صورت میں بھی طبیعت انسانی سے رشتہ منقطع نہیں ہوتا۔ فرد اور معاشرہ دونوں انسان ہیں یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ صرف فرد انسان ہے یا صرف معاشرہ انسان ہے۔

اجتماعی اور مادی فلسفہ سارے مسئلہ کو غلط بحث میں ڈال دیتا ہے اور فرد کے ذاتی تشخص کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ مادی فلسفہ تو زندگی کے ایک ہی پہلو کو مدّنظر رکھتا ہے اور وہ یہ کہ "فرد تمام حالات میں معاشرہ کا تابع رہتا ہے"

مادی فلسفہ والوں کو جاہلیت کے اندھیارے میں یہ حقیقت سجھائی نہیں دیتی کہ اکثر افراد معاشرے کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور معاشرے سے نبرد آزما ہو جاتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ معاشرے باغی افراد کو کچل سکتے ہیں تو یہ قول دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ فرد اپنے ذاتی تشخص کو اس حد تک اہمیت دیتا ہے کہ معاشرے سے بھی ٹکر لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور معاشرے کے اقتدار کو چیلنج کر دیتا ہے۔

پھر بھی یہ صحیح نہیں کہ ہر مرتبہ معاشرہ افراد کو کچل دیتا ہے۔ یہ خیال نہ خیر کے پہلو میں صحیح ہے اور نہ شر کے پہلو میں۔ پہلے ہم شر کی مثال دیتے ہیں کہ کس طرح فرد کی رائے معاشرے پر چھا گئی۔ خروشچیف نے اسٹالن کے بارے میں کہا تھا کہ اس نے اپنی انفرادی لیڈری پورے معاشرے پر عبادت کے درجہ میں مسلط کر دی تھی۔ اس تاریخی حقیقت کے بارے میں تاریخ کے مادی فلسفہ کا کیا خیال ہے۔

اسٹالن معاشرے کی حقیقی مصالح کی نمائندگی نہیں کر رہا تھا نہ طبقۂ حاکمہ اور پرولتاری طبقہ کی نمائندگی کر رہا تھا۔ بلکہ اسٹالن اپنے انفرادی سرکش اور بے رحم اقتدار کی نمائندگی کر رہا تھا۔۔۔ اب بتائیے اگر ہم فرد کی تاریخ کو نظر انداز کر دیں تو اس واقعہ کا کیا مطلب لیا جائے۔

خیر کی جانب انبیاء، پرہیز گار، داعی اور مصلحین ہیں جو سرکش معاشرے میں افراد کی شکل میں آتے ہیں۔ وہ سچائی، بھلائی اور حق و انصاف کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ کبھی تو انہیں یہ کامیابی ان کی زندگی ہی میں نصیب ہو جاتی ہے اور کبھی ان کے افکار کی اشاعت بعد میں ان کی کامیابی کی ضامن بنتی ہے۔ اگر فرد کی تاریخ کو نظر انداز کر دیا جائے تو ان مثالوں کی کیا توجیہہ کی جائے گی۔ اس لیے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نہ انسانی تاریخ کو صرف افراد کے گرد گھمایا جا سکتا ہے اور نہ ہی صرف معاشرے کو مد نظر رکھ کر فرد کو بالکلیہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ دونوں جاہلی افکار ہیں اور تاریخی واقعات کے خلاف ہیں۔

اصل حقیقت

انسان کی تعبیر انسان ہی کو سامنے رکھ کر کی جا سکتی ہے، وہ انسان، جو بیک وقت فرد اور معاشرہ دونوں کو شامل ہے اور فرد و معاشرہ زندگی کے میدان میں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی فرد نمایاں ہو جاتا ہے اور کبھی معاشرہ نمایاں ہو جاتا ہے۔

لیکن جس حقیقت سے جاہلی مکاتیب فکر نا آشنا ہیں۔ وہ یہ ہے کہ تاریخ کے تمام ادوار میں انسان

کے دونوں حصے (فرد اور معاشرہ) عرصۂ حیات میں مل جل کر رواں دواں رہے ہیں کبھی علیحدہ نہیں ہوتے۔ فرد معاشرے کے طور پر کام کرتا رہا اور معاشرہ فرد کے طور پر کام کرتا رہا، اور کبھی بھی ایک کا وجود دوسرے سے ہٹ کر نہیں پایا گیا (جیسا کہ انفرادیت پسند جاہلیت اور اجتماعیت پسند جاہلیت کا خیال ہے۔)

اور اب جاہلیت جدیدہ کے زیر سایہ انسانیت کے سامنے صورت حال یہ ہے کہ وہ سرکشی اور طغیان کے کسی ایک رنگ میں رنگی جانے پر مجبور ہے۔

یا تو انسانیت فرد کی سرکشی کو اپنا لے اور انفرادیت پسند سرمایہ دار ملکوں میں شامل ہو جائے۔

یا اجتماعیت کی سرکشی کو پسند کرے اور اجتماعیت پسند ممالک کے ساتھ ہو جائے۔

بشرطیکہ انسانیت کو انتخاب کا اختیار ہو۔ کیونکہ جاہلیت کے زیر سایہ زندگی گذارنے والی انسانیت کو کوئی اختیار نہیں ہوتا ۔ بلکہ اس پر طاغوت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جس کو حالات اقتدار سونپ دیتے ہیں۔

یہ تباہی نتیجہ ہے اللہ کی صراط مستقیم سے انحراف کا۔ اور اسی انحراف کے نتیجے میں انسان کی اپنی حقیقت ہی گم ہو گئی۔ معاشرے سے کٹ کر فرد اپنے ہی ایک حصے سے جدا ہو گیا ہے جس کے نتیجہ میں فرد اپنی ہی ذات کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گیا اور نوبت جنون، خودکشی، بلڈ پریشر، اعصابی کھچاؤ، اور نامعقولیت تک پہنچ گئی۔

اور معاشرہ جو اپنے افراد کو کچل رہا ہے۔ وہ آخر کار اپنے آپ کو کچل رہا ہے۔ ایسے معاشرے میں زیادتی آبادی بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی کیونکہ سب لوگ طاغوت حاکم کی سواری ہیں۔ جو جب تک حاکم ہوتا ہے تو "یگانہ لیڈر" ہوتا ہے اور جب مر جاتا ہے یا اقتدار ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو مجرم اور وحشی بن جاتا ہے۔

اخلاق کا بگاڑ

لوگ ایک بہت بڑے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ وہ یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت جدیدہ اخلاق کی حامل ہے ۔

مشرقی لوگ اشارے کر کر کے کہتے ہیں کہ "ذرا اس مہذب شخص کو دیکھو، یہ کتنا صاحب اخلاق ہے! نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ دھوکا دیتا ہے۔ سیدھی سیدھی بات کرتا ہے، اور ایمان داری سے معاملہ کرتا ہے۔ پھر اپنے کام میں مخلص ہے۔ سچے دل سے وطن کی خدمت میں مصروف ہے۔ گویا ایک مثالی نمونۂ اخلاق ہے .... جنسی مسائل کو رہنے دو، کیونکہ مغرب میں جنس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ کوئی ایسی اہم بات بھی نہیں۔ کاش ہم بھی ان جیسے ہو جائیں، لیکن ہمارے پاس اخلاق آجائے"!!

ہم یہاں جاہلیت جدیدہ کے اخلاق کا تاریخی مطالعہ ضروری خیال کرتے ہیں۔ تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ مغربی اخلاق ترقی پذیر ہے یا مسلسل انحطاط اور تنزل کا شکار ہے۔ اس سلسلہ میں ہم صرف واقعیاتی حقائق سامنے لا کر بتائیں گے کہ مغرب کا معیار اخلاق کیا ہے؟

تاریخی مطالعہ سے پہلے ہم اس بات کا دوبارہ ذکر کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں کہ "تاریخ کی کوئی بھی جاہلیت بالکلیہ اخلاق سے خالی نہیں ہوتی"۔ پوری کی پوری انسانیت، زندگی کے ہر ہر گوشے میں فساد سے ہمکنار نہیں ہوتی اور نہ ہی نفس انسانی مکمل طور پر شر پسند بن جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں فساد کا بگاڑ خواہ کتنا ہی کیوں نہ سرایت کر جائے۔ پھر بھی چند بھلائیاں اور کچھ خیر باقی رہتی ہے۔ ہاں یہ بھی ہے کہ یہ غیر مربوط سی خیر جاہلیت کو بگاڑ سے ہمکنار ہونے اور بگاڑ کے لازمی نتائج کا شکار ہونے سے نہیں بچا سکتی۔

جاہلیت عربیہ میں بھی بہت سی خوبیاں اور بھلائیاں تھیں۔

عربوں میں بہادری اور جرأت تھی، وہ مقصد کی خاطر جان تک کی بھی بازی لگانے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ ان میں کرم تھا، خودداری تھی، اور ایسے کاموں سے دور بھاگتے تھے۔ جن سے ان کی خودداری کو ٹھیس پہنچتی ہو۔

لیکن یہ ساری خوبیاں عربوں کو جاہلیت اور جاہلیت کے نتائج سے نہیں بچا سکیں۔ چونکہ ان خوبیوں کا رشتہ اللہ کی ہدایت سے قائم نہیں تھا۔ اس لئے یہ خوبیاں بھی سیدھے راستے سے منحرف ہوتی چلی گئیں۔

بہادری، جرأت اور جان کی بازی لگا دینے کی صفات، خون کا بدلہ لینے، اور اپنے ساتھی کی ناحق مدد کرنے میں ضائع ہو گئیں کیونکہ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ ان کی مدد حق کے مطابق ہے۔ یا باطل کے۔ جب جنگ کا نقارہ بجتا۔ وہ خون کا بدلہ لینے نکل جاتے، نہ اس میں حق کو قائم کرنے کا عزم ہوتا اور نہ باطل کو مٹانے کا ارادہ!

چنانچہ باطل تہ بہ تہ جمتا چلا گیا۔ سخاوت فخر و مباہات ہو کے رہ گئی تھی۔ جانوروں کو اس لئے ذبح کیا جاتا اور مہمانوں کے لیے کھانے اس لئے تیار رہتے۔ تاکہ مسافر اور سوار ان کی مہمان نوازی کے قصے سنائیں۔ چاہے وہاں سے کسی مسافر کا گذر ہی نہ ہوتا ہو اور ان کی مہمان نوازی کا کوئی قصہ نہ سنایا جاتے ـــــــ پھر اگر کمزور اور محروم کی مدد صرف اللہ کے لئے کرنی پڑ جائے تو فوراً طبیعتوں میں بخل پیدا ہو جاتا تھا اور بخشش سے رک جاتے تھے۔ خودداری تکبر کی شکل اختیار کر کے اتباع حق سے مانع بن چکی تھی۔

گویا عربوں کی خوبیوں اور اخلاق کی بنیاد حق و انصاف نہیں تھا۔ بلکہ ان کی "انا" تھی۔ اگرچہ یہ انانیت پسند عرب اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے۔ وہ سراپا گمراہی ہے۔

اسی طرح مغربی جاہلیت بھی انفرادی معاملات میں کئی خوبیوں کی حامل ہے۔ مثلاً سچائی خلوص، مستقل مزاجی، امانت اور پاکیزگی۔ لیکن چونکہ یہ تمام خوبیاں اللہ کی صراط مستقیم سے دور ہیں۔ اس لئے ان خوبیوں میں بھی راہ راست سے انحراف پیدا ہو گیا ہے۔ اور راہ راست سے انحراف کی بنا پر تمام خوبیاں، مادی فوائد کا لالچ بن کر رہ گئی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان خوبیوں کو

اپناتا ہے تو اس لئے کہ یہ خوبیاں انفرادی معاملات میں فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں اور زندگی کی گاڑی کو بغیر دھچکے لگئے ایک ہموار سڑک پر رواں کردیتی ہیں۔ اگر ان اخلاقیات کے یہ مادی فائدے ختم ہو جائیں تو "مغرب کا مہذب انسان" ان اخلاق سے فوراً دست بردار ہو جائے اور اس کی نظر میں یہ اخلاقیات ایک ناقابل عمل مثالی حماقتیں بن جائیں۔

اب ذرا مغربی اخلاق کے سلسلہ میں تاریخی حقائق کا مطالعہ بھی کرتے چلیئے۔۔۔

مغربی اخلاق کا سرچشمہ

مغربی اخلاق کا سرچشمہ مذہب تھا۔ انسانیت کچھ عرصہ حق پر رہنے کے بعد اپنے عقیدے سے منحرف ہو جاتی ہے اور عقیدے سے منحرف ہو جاتی ہے اور عقیدے سے انحراف کے ساتھ ساتھ۔ اخلاق بھی منحرف ہوتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اخلاق میں انحراف حد سے زیادہ سست اور آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ اخلاق میں انحراف اتنا زیادہ سست رفتار ہوتا ہے کہ بعض اوقات اس انحراف کے رونما ہونے میں کئی کئی نسلیں بیت جاتی ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے جس کی بناء پر جاہلیت جدیدہ کے متوالے دھوکہ کھا گئے ہیں۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ عقیدے میں ظاہری اور کھلم کھلا انحراف ہے لیکن اس کے باوجود اخلاق میں انحراف دبگاڑ نہیں پایا جاتا۔ اس صورت حال سے متاثر ہو کر لوگ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ عقیدے اور اخلاق میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اور اگر لوگ عقیدے سے منحرف بھی ہو جائیں تو بھی اخلاق باقی رہ سکتا ہے۔

یہ حقیقت میں ایک بہت بڑا دھوکا ہے اور اس دھوکہ کا سبب عقیدہ اور اخلاق کی رفتار تنزل کا اختلاف ہے۔

کیونکہ اخلاق بہت زیادہ سست روی کے ساتھ تنزل پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان عادات اور روایات کے ماتحت بہت طویل عرصہ تک اپنے اخلاق کو محفوظ رکھتا ہے۔ اگرچہ عقیدے کے طور پر ایمان پہلے ہی ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ بلکہ اخلاق کا ایمان اور عقیدے سے رشتہ منقطع ہونے کے بعد ایک زمانہ ایسا بھی آتا ہے کہ جب لوگ یہ سمجھتے ہوتے ہیں کہ اخلاق بذات خود ایسی شئے ہے۔ جسے بہر حال موجود ہونا چاہیئے۔ لیکن بہر حال اس حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی کہ عقیدہ کا بگاڑ لازمی طور پر اخلاق میں بگاڑ پیدا کرتا ہے اور جب بھی اخلاق کا رشتہ عقیدہ سے منقطع ہو جاتا ہے اخلاق

کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح مغربی اخلاق بھی تدریجی تنزل کا شکار ہوا۔ جس کے باقی ماندہ آثار نے لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کر دیا کہ جاہلیت جدیدہ اخلاق کی حامل ہے۔

کسی زمانہ میں مغربی اخلاق کا بھی سرچشمہ وہی تھا۔ جو ہر اخلاق کا ہوتا ہے۔ یعنی مذہب! اور مذہب کے سوا اخلاق کا کوئی سرچشمہ ہے نہیں!

اور مغربی اخلاق کے دو مصادر رہے تھے۔ ایک دین مسیحی اور دوسرا اسلام!

کانسٹینٹائن' دین مسیحی کو یورپ میں لے کر آیا۔ تو اس دین کے زیر سایہ مغربی زندگی نے چند معین اخلاقی نمونے اپنا لیے۔ جو ایک مدت تک لوگوں کے دلوں میں قائم رہے۔ باوجودیکہ خود کانسٹینٹائن کے ہاتھوں مسیحی دین میں کئی انحراف پیدا ہو گئے تھے[1]

دین مسیحی سے مغرب نے جو اخلاق لیا، وہ زیادہ تر منفی انداز رکھتا تھا اور واقعات سے اس کا تعلق نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰؑ فرمایا کرتے تھے۔

"جو تمہارے داہنے رخسار پہ تھپڑ مارے۔ بایاں بھی اس کے سامنے کر دو"

اگرچہ حضرت عیسیٰؑ کا مقصد اس نصیحت سے لوگوں کے باطن کی صفائی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں ذلت اور بزدلی کا بیج بونا مقصود نہیں تھا۔ لیکن قرون وسطیٰ کے مسیحی اخلاق پر سلبی اور منفی پہلو غالب رہا اور اس سلبیت کی وجہ اس وقت کی رومی بادشاہت اور اس کا جبر و فساد تھا۔

اس کے بعد صلیبی جنگوں میں یورپ کو اسلامی دنیا سے واسطہ پیش آیا اور عیسائی اسلامی شہروں میں آئے اور شام کے بعض علاقوں میں اپنی ریاستیں بھی قائم کر لیں۔ اس طرح عیسائیوں کو مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور مسلمانوں سے انہوں نے اخلاق سیکھنے کے ساتھ ساتھ زندگی کا مثبت نظریہ بھی لیا۔

عیسائیوں نے مسلمانوں کے یہاں دیکھا کہ اگر مؤذن نے اذان دے دی، تو مسلمان اپنی دکانیں قیمتی سامان سے بھری ہوئی چھوڑ کر نمازوں کے لیے دوڑ جایا کرتے تھے اور جب نمازوں سے واپس آتے۔ اپنی دکانیں حسب سابق پاتے اور کوئی چیز چوری نہ ہوتی۔ کیونکہ اسلام نے لوگوں

---

[1] اسی کتاب کے صفحہ ۳۲ پہ دریپرامریکی کا بیان دیکھیے۔

کو ایمان دار بنا دیا تھا۔

مسلمان ایک مربوط قوم تھی، کم از کم خطرات کے وقت ان میں ایک قوم ہونے کا شعور بیدار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ آپس میں تعاون کرتے، محبت کرتے، رحم کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ خلوص سے پیش آتے تھے۔

عیسائی دیکھتے تھے کہ مسلمان صنعت کار نندہی، چستی اور امانت سے اپنا کام کرتے ہیں۔ اور مسلمان صنعت کار کا سرمایہ اس کی امانت داری ہے اور اس کی جدوجہد ترقی کی ضامن ہے اس وجہ سے مسلمانوں میں صنعتیں ترقی پذیر تھیں اور پیداوار کی کثرت تھی۔

اس قسم کی صدہا خوبیاں عیسائیوں نے مسلمانوں میں دیکھیں۔ بالخصوص عیسائیوں نے مسلمانوں سے جو معاملات کیے، اس میں ان کے ایفائے عہد سے متاثر ہوئے اور صلاح الدین ایوبی کی وعدہ ایفائی تو یورپ میں ضرب المثل بن گئی تھی۔

وہ مجموعی سرمایہ اخلاق اور علم و فن کا وہ ذخیرہ جو عیسائیوں نے مغرب اور اندلس کی درسگاہوں میں مسلمانوں سے حاصل کیا تھا، یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد بنا۔

لیکن یورپ کی نشاۃ ثانیہ۔ (ان اسباب کی بناء پر جو پہلے بیان کر چکے ہیں) اللہ کی عبادت سے منحرف ہو کر ثنوی، یونانی اور رومی بن گئی۔ اگرچہ عقیدہ کچھ دنوں ضمیر کے کسی گوشہ میں پوشیدہ رہا۔

قدیم یونانی فلسفہ

اس مرحلہ پر آکر مغربی اخلاق کے گذشتہ دو مصادر کے علاوہ ایک تیسرا مصدر بھی شامل ہو گیا۔ اور وہ تھا قدیم یونانی (لیٹنی) فلسفہ ——— ہاتھی دانت کی برجیوں والی ثقافت۔ جس کے اخلاق نمونے فضا میں معلق تھے۔

اور یہیں سے مغربی اخلاق میں بگاڑ رونما ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن چونکہ اخلاقی بگاڑ بڑا سست رفتار ہوتا ہے۔ اس لئے لوگوں کو صدیوں تک اس بگاڑ کا علم نہ ہو سکا۔

مغربی اخلاق میں یونانی اثرات سے یہ تصور پیدا ہو گیا کہ یہ ممکن ہے کہ اخلاقی نمونے، عاجی برجیوں اور فضا کی وسعتوں میں پائے جا سکتے ہیں۔ جب کہ عملی زندگی ضرورتوں کے مطابق اخلاقی قیود سے آزاد گذاری جا سکتی ہے۔

فکر و عمل کا اختلاف جاہلیت جدیدہ کا پیدا کردہ خالص مغربی نقطہ نظر ہے اور آج ساری دنیا کی اخلاقیات اسی دورخی کا شکار ہیں۔ لوگ اخلاقی نظریہ کے بارے میں گفتگو بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس اخلاق کی عملی زندگی میں تطبیق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ زندگی حالات کے مطابق چلتی رہتی ہے۔

فکر کی اس جاہلیت کے زیر سایہ میکیاویلی فلسفہ وجود میں آیا اور ساری مغربی زندگی میکیاویلی فلسفہ سے متأثر ہوگئی اور یہ کہ اخلاقی نمونے سے کوئی فائدہ مطلوبہ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر میکیاویلی فلسفہ سیاسیات میں اثر انداز ہوا اور سیاست بھی فکر و عمل کے تضاد کا شکار ہوگئی۔

میکیاویلی فلسفہ کے ماتحت مغربی سیاست نے یہ تصور اپنا لیا کہ حصول مقصد کی خاطر خواہ کتنے ہی برے وسائل کیوں نہ اختیار کیے جائیں ان میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

غرض پوری مغربی سیاست پر میکیاویلی فلسفہ چھا گیا۔

بادشاہوں، امراء اور مذہبی لوگوں نے اپنے اقتدار کے بچانے کے لیے بدترین سے بدترین وسائل اختیار کئے۔ اس کے بعد سرمایہ داری نے اپنے غیر قانونی مفادات کے حصول کے لیئے زیادہ سے زیادہ بدترین وسائل اختیار کئے۔ حتیٰ کہ امریکی سرمایہ داری نے اپنے نفع کو بچانے کے لیئے کینیڈی کے قتل سے دریغ نہیں کیا۔

یہ تو ان کے گھر کی بات تھی۔ بیرونی دنیا میں تو سامراج لوگوں کا خون چوسنے اور اپنے اقتدار کو مستحکم رکھنے کے لیے دنیا کے ارذل ترین وسائل اختیار کر رہا ہے۔ سامراج کو اس میں کوئی بگاڑ نظر نہیں آتا۔ کیونکہ سامراج کے خیال میں حصول مقصد کی خاطر کوئی بھی وسائل اختیار کیے جا سکتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مقصد ہی پاکیزہ ہو۔ کیونکہ پاکیزگی عالم مثال میں پائی جاتی ہے۔ اس دنیا میں نہیں — غرض اس طرح مغربی سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹ گیا۔ اور اب لوگ کہتے ہیں کہ یہ سیاست ہے۔ اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ سب کچھ بھی مکمل بگاڑ نہیں تھا۔ بلکہ بگاڑ کا آغاز تھا۔

اصل میں لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے کہ اگر اخلاق کا رشتہ ایمان باللہ سے ٹوٹ جائے تو نہ اخلاق قائم رہ سکتا ہے اور نہ کسی قسم کی مزاحمت برداشت کر سکتا ہے۔

لوگوں پر یہ حقیقت اس لئے منکشف نہ ہو گی کہ وہ دیکھتے ہیں کہ بہت سی اخلاقی خوبیاں ابھی تک باقی ہیں اور ابھی تک فساد کا شکار نہیں ہوئیں اور انہوں نے خیال کیا کہ سیاست تابع اخلاق نہیں ہے اور موجودہ واقعات اخلاق کو ختم کرنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ اشیاء کی طرف واقعیاتی نظر ہے اور واقعات کا اخلاق پر منطبق ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اللہ کی سنت یہی ہے جو کبھی نہیں بدل سکتی۔ اگر اخلاق کا رشتہ عقیدہ سے ٹوٹ جائے تو اخلاق بھی باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ عقیدۂ اخلاق کا طبعی اور حیات بخش سرچشمہ ہے اور عقیدہ اخلاق میں خلوص اور سچائی پیدا کرتا ہے۔

یورپ نے بجائے مذہب کے اپنی اخلاقیات کی بنیادیں فلسفہ میں تلاش کر لیں۔ یا یہ کہیے کہ مذہب بیزاری میں آ کر رہے سہے اخلاق پر فلسفہ کا پردہ ڈال دیا۔ اب جو لوگ روایاتی اخلاق اپنائے ہوئے ہیں انہیں اخلاق کا مذہب سے تعلق ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ "ضمیر" اور "فرض" جیسے الفاظ کے سہارے لیتے پھرتے ہیں لیکن یہ اخلاق جس کا رشتہ اپنے سرچشمہ سے منقطع ہو چکا ہے زیادہ دیر باقی رہنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ سیاسیات کا اخلاق سے رشتہ ٹوٹ جانے کا بعد معاشیات کا رشتہ بھی اخلاق سے منقطع ہو گیا ہے۔

نظام اقتصاد کی غیر اخلاقی بنیادیں

حقیقت تو یہ ہے کہ یورپ کا اقتصادی نظام شروع ہی سے غیر اخلاقی بنیادوں پر قائم ہے۔ مسیحیت سے پہلے، رومی سلطنت میں جاگیرداری نظام اپنی انتہائی برائیوں کے ساتھ لوگوں کو زمین کا غلام بنا کر چل رہا تھا۔ کانسٹینٹائن کے زمانہ میں بعینہٖ یہی جاگیرداری نظام یورپ میں آ گیا اور کلیسا نے اس نظام کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیا اور کلیسا کی مسیحیت اس نظام کو مذہبی اخلاق کا پابند نہ بنا سکی، بلکہ خود کلیسائی نظام تھوڑے عرصہ بعد جاگیرداری بن گیا، کلیسا بھی اپنی جاگیر میں وہی مظالم کرتا تھا۔ جو دوسرے جاگیردار کرتے تھے۔ فرق یہ تھا کہ کلیسا کا ظلم و ستم مذہب کے

لہ یہ تصور اسلامی مشرق میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ "میں شراب نہیں پیتا" پھر جلدی سے کہے گا جیسے کوئی بہت بڑی تہمت دور کرنے کی فکر میں ہو" ایسا میں کسی دینداری

نام پر تھا!

اس کے باوجود بھی جاگیرداری معاشیات کا اخلاقی بگاڑ اسی دائرے میں محدود تھا جس کی مسیحی کلیسا کوئی اصلاح نہ کر سکا تھا اور مذہبی تعلیمات نے باوجود تحریف کے سود کو ایک ناگوار کام قرار دیا اور بتایا کہ لوگ اپنے معاشی معاملات میں بدرجہ مجبوری سود کا لین دین کریں۔

جب صنعتی انقلاب آیا اور سرمایہ داری نے جنم لیا۔ تو لوگ اخلاق اور عقیدے سے بہت دُور ہو چکے تھے اور سرمایہ داری کو اخلاق کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوئی۔

سُود مسیحیت اور یہودیت دونوں مذاہب میں حرام تھا۔ لیکن سرمایہ داری کی بنیاد اسی سُود پر قائم ہوئی اور سرمایہ داری اپنے ساتھ تمام برائیاں اور ظلم لے کر جلوہ گر ہوگئی۔ غریبوں کی محنت پر ڈاکے پڑے اور سرمایہ دار جس نے کوئی محنت نہیں کی، آرام و راحت سے تمام آمدنی سمیٹ کر اپنے گھر لے گیا۔!

مزدوروں کی محنت و مشقت پر دو روٹی کے بدلے ڈاکہ ڈالا گیا۔ بلکہ اکثر اوقات تو انہیں دو روٹی بھی نصیب نہ ہوئی! بچوں سے چند ٹکوں کے عوض کئی کئی گھنٹے کام لیا گیا!

جب مزدوروں نے اجرتوں میں اضافہ اور مزدوری کی بہتر شرائط کا مطالبہ کیا تو ان کے مقابلہ پر عورتوں کو لایا گیا، تاکہ ان کی ہمتیں پست ہو جائیں۔

پھر عورتوں کو مردوں کی خواہشات پر بھینٹ چڑھایا گیا اور ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ ایک لقمہ کے لیے اپنی عزت کا سودا کریں!

تخریب اخلاق میں یہ مقصد پنہاں تھا کہ سرمایہ داری، کھیل کود، لذتیں، زینت و لباس، فیشن اور دنیا بھر کی بدعات پھیلا کر زیادہ سے زیادہ نفع کما سکے۔

اسی بے نفع کمانے کی دُھن میں نو آبادیات کے ہر قسم کے خام مواد لوٹے گئے اور اصلی مالکوں کو تنگ دستی، پس ماندگی، جہالت، مرض اور بے چارگیوں کا شکار بنا کے چھوڑ دیا گیا اور ساتھ ہی ان کو اخلاقی بے راہ روی بھی درآمد کر دی۔ تاکہ اس راستہ سے بھی سرمایہ دار نفع کما سکے!

داخلی سیاست میں بُرائیوں کی اشاعت اور ضمیر کی خریداری کا مقصد یہ تھا کہ سرمایہ دار کے مفادات محفوظ رہیں اور سامراج مسلّط رہے۔!!

سرمایہ داری نے ان لوگوں کا مذاق اڑایا جو اخلاق کی دعوت کے علمبردار تھے۔!

پھر ایسے نظریات بھی سامنے آئے۔ جن میں کہا گیا کہ معاشیات کے اپنے خاص حتمی قوانین ہیں جن کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا انسان سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح معیشت بھی اخلاق سے بالکلیہ علیحدہ ہوگئی اور لوگ شانے لہرا کر کہنے لگے۔

"یہ معاشیاتی مسئلہ ہے اس کا اخلاق سے کیا تعلق؟" !!

سیاسیات اور اقتصادیات کے بعد جنس کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹا۔!

اور انسان کی حیوانی تعبیر عمل کی جنسی تعبیر اور جاہلیت منحرفہ میں آنے والے صنعتی انقلاب نے انسان کو مجنونانہ جنس پرستی کی بھٹی میں جھونک دیا!

لوگ شروع شروع میں تو اس اخلاقی بگاڑ کو محسوس کرتے رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ سب باتیں بھول گئے! یا شیطانوں نے بھلا دیں! مارکس۔ فرائڈ۔ ڈرکایم اور دوسرے شیاطین ایک دوسرے کو جھوٹ اور پرفریب باتیں القا کر رہے تھے!! چنانچہ مارکس کہتا ہے کہ:۔

"جنسی عفت تباہ شدہ جاگیرداری معاشرہ کی بچی کھچی چیز ہے۔ اور اس کی وقتی قیمت اسی اقتصادی دور کے ساتھ تھی"

ہرگز نہیں! بلکہ اس کی اپنی ذاتی قیمت ہے اور معاشیات سے صرف نظر کر کے بھی انسان کو اس کی اتباع کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ صفت اس انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو حیوان سے ممتاز ہے!

فرائڈ کہتا ہے۔

"انسان بغیر جنسی بھوک رفع کیئے اپنے ذاتی وجود کو محقق نہیں کر سکتا۔ مذہب، اخلاق معاشرہ اور روایات کی تمام بندشیں غلط ہیں اور انسان کی طاقت کو کچلنے والی ہیں۔ نیز یہ بندشیں غیر قانونی بھی ہیں"

ڈرکایم کہتا ہے

---

[1] دیکھئے "انسانی زندگی میں جمود و انقلاب" کا باب "تین یہودی"

[2] "اجتماعیات کے اصول" ص ۶۵

"ماہرینِ اخلاق انسان کے اپنے نفس پر فراتفس کو اخلاق کی بنیاد بتاتے ہیں۔ یہ ہی مذہب کا بھی معاملہ ہے۔ کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب ان خیالات کی پیداوار ہے جو طبعی قویٰ پیدا کرتے ہیں۔ یا جو بعض یگانہ شخصیتوں کے ذہن میں آتے ہیں۔ (رسول اور انبیاء مراد ہیں) لیکن اس طریقہ کا اجتماعی ظواہر پر منطبق کرنا ممکن نہیں، سوائے اس کے کہ ہم ان ظواہر کی طبیعت ہی بدل ڈالیں"۔ [۱]

مزید کہتا ہے:

"بعض علماء کہتے ہیں کہ انسان میں ایک فطری مذہبی میلان ہے۔ آخری میلان کسی درجہ میں جنسی غیرت، والدین سے نیکی، بیٹوں کی محبت اور اسی قسم کے دوسرے جذبات سے کچھ ملا جُلا ہے۔ کچھ لوگوں نے مذہب، نکاح اور خاندان کی بھی اس انداز سے تعبیرات کی ہیں۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کے یہ تمام جذبات فطری نہیں ہیں"۔ [۱]

مزید کہتا ہے:

"سابقہ رائے کو بنیاد بناتے ہوئے اب یہ کہنا ممکن ہے کہ قانونی اور اخلاقی قواعد سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ اگر یہ تعبیر درست ہو۔ اسی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ جن اخلاقی قواعد کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ وہی علم اخلاق کا موضوع بن جائیں"۔ [۲]

جنسی تعلقات کے بگاڑ کے بارے میں ہم آئندہ باب میں گفتگو کریں گے۔ یہاں ہم صرف تاریخی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

ان فاسد اصولوں کی بنا پر لوگ جنس کی گہری کھائی میں گر پڑے۔ پھر یہ بھول کر وہ اخلاق سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ وہ یہ کہنے لگے کہ جنس ایک خالص حیاتیاتی عمل ہے۔ اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جبکہ وہ اس سے پہلے کہہ چکے تھے کہ سیاست بس سیاست ہے۔ اخلاق سے اس کا کیا تعلق! گویا لوگ جب اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح حقیقت واقعیہ بھی بدل جاتے گی یا

---

[۱] بحوالہ سابق ص ۱۲۳ [۲] بحوالہ سابق ص ۵۹ - ۶۰

وہ اپنے اوپر سے بگاڑ اور بگاڑ کے نتائج کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔!

بہرکیف جنس کا بھی اخلاق سے رشتہ منقطع ہوگیا۔ جیسے پہلے سیاسیات اور معاشیات کا منقطع ہو چکا تھا۔ اور اخلاق کے اپنے حقیقی سرچشمہ یعنی مذہب سے تعلق ختم ہونے کے بعد اخلاق کا ایک ستون اور گر گیا۔ حقیقت میں مذہب سے ہٹ کر اخلاق کا کوئی وجود نہیں ہے۔

اخلاقی سرمایہ کا خاتمہ

کیونکہ اخلاقی تنزل بہت سست رفتار ہوتا ہے اور چونکہ اخلاقی سرمایہ صدیوں میں جا کر جمع ہوا تھا۔ اس لئے اس کے ختم ہونے کے لیے بھی صدیاں چاہیئے تھیں۔ اس لئے سیاسیات، معاشیات اور جنس کے اخلاق سے علیحدہ ہونے کے باوجود بھی اخلاق کا بہت کچھ سرمایہ باقی رہ گیا، جو ابھی بگاڑ کا شکار نہیں ہوا ہے۔ اس لئے لوگوں کو اپنی جاہلیت میں یہ محسوس ہونے لگا کہ اخلاق عقیدہ سے جدا ہونے کے بعد بھی زندہ اور فعال رہ سکتا ہے۔ اور چونکہ لوگوں کے ذہنوں میں شیاطین نے مختلف نظریات ٹھونس دیئے ہیں۔ اس لئے وہ یہ بھی محسوس کرنے لگے کہ سیاسیات معاشیات اور جنس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سیاسیات، معاشیات اور جنس خالص غیر اخلاقی اقدار کے ماتحت ہیں۔ سیاسیات، معاشیات اور جنس کا رشتہ ٹوٹ جانے کے باوجود بھی اخلاق بدستور زندہ اور فعال شکل میں موجود ہے۔ اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں اسے فساد نہ کہنا چاہیئے ہمیں اسے ترقی اور حتمی ضرورت کہنا چاہیئے اور ترقی اور حتمیت میں تو کسی کو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ ان کو کسی میزان میں تولا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ خود میزان ہیں کسی خارجی شے سے ان کی پیمائش نہیں ہو سکتی۔ یہ الٰہہ اور دیوتا ہیں۔ ان کے کسی فعل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں ان کا حکم عاجزی سے قبول کرنا چاہیئے۔ بلکہ خوشی سے قبول کرنا چاہیئے۔

اخلاق بدستور تنزل پذیر رہا اور جب اخلاق کا تنزل شروع ہوتا ہے۔ تو پھر رکنے میں نہیں آتا۔ یہاں تک کہ لوگ قعر مذلت میں نہ گر جائیں۔

یورپ میں ابھی حقیقی اخلاق کا تھوڑا سا سرمایہ باقی تھا۔ کچھ پسندیدہ انسانی اخلاق۔ مثلاً سچائی، ایمانداری، مستقل مزاجی، کوشش پیہم، تنظیمی صلاحیتیں، پیداوار پر توجہ اور اس کے مقتضیات پر صبر اور زندگی کو حسین و جمیل بنانے کی جدوجہد!

اور یہ تمام خوبیاں یورپ نے اخلاق کے اصل سرچشمہ مذہب سے حاصل کی ہیں۔ خواہ وہ دین مسیحی ہو یا دین اسلام! البتہ اس اخلاق میں قدیم رومی مزاج بھی شامل ہو گیا، رومی مادہ اور مادی پیداوار میں تندہی سے کام لیتے۔ اور ہر مسئلہ کو تنظیم اور خوبصورتی سے انجام دیتے تھے۔

لیکن حقیقتاً رومی مزاج ہی نے مغربی اخلاق کے اس باقی ماندہ سرمایہ کو خراب کیا ہے۔ جیسا کہ قدیم یونانی (ہیلینی) تہذیب نے مغربی اخلاق کے ایک بڑے حصہ کو تباہ کر دیا تھا اور مثالیہ اور واقعہ میں فصل پیدا کر کے اس امر کو صحیح قرار دے دیا تھا کہ اخلاقی مثالیہ سے عاجی برجیوں — میں لطف اندوز ہوا جائے۔ خواہ عملی زندگی اس سے متاثر ہو یا نہ ہو! (اسی سے سیاسی دنیا میں میکیاویلی فلسفہ پیدا ہوا۔) اسی طرح رومی مزاج بھی مغربی اخلاق کے باقی ماندہ سرمایہ پر دو طرف سے حملہ آور ہوا۔ کیونکہ رومی مزاج ایک جانب نفع پرستانہ تھا اور دوسری طرف انانیت پسندانہ اور اس کے نتیجے میں جدید جاہلیت میں مغرب کا بچا کھچا اخلاق بھی متاثر ہو کر نفع پرستانہ اور انانیت پسند بن گیا۔ سچائی، خلوص، وغیرہ بیشک خوبیاں ہیں۔ لیکن ان کے کئی معیار ہیں اور کوئی ایک صورت نہیں ہے یہ تمام خوبیاں انسانیت کے معیار کے مطابق بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ ہونا چاہیئے اور مذہب کا سرچشمہ جس اخلاق کو سیراب کرتا ہے وہ بھی یہی "انسانی اخلاق" ہے۔

اخلاق قومی معیار کے مطابق بھی ہو سکتا ہے۔ یہ اخلاق قومیت کی حدود میں محدود ہے قومی حدود سے نکلتے ہی اخلاق پر ختم ہوا اور انسانی حدود سے گذر کر صرف انانیت رہ جاتی ہے اور اس کے سہارے انسان چوری کرتا ہے۔ لوٹتا ہے، دھوکہ دیتا ہے اور چکمہ دیتا ہے اور لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کیا کر رہا ہے کیونکہ یہ اخلاق سرے سے انسانی بنیادوں پر قائم ہی نہیں ہے۔

پھر قومی حدود میں رہتے ہوئے بھی اخلاق اس لئے نہیں برتا جاتا کہ وہ خود مستقل اقدار کا حامل ہے بلکہ اس لئے کہ اس اخلاق سے اخلاق والے نفع اٹھا سکتے ہیں، اور نتیجہ یہ کہ — جتنا نفع پہنچنے کی امید ہوتی ہے اتنا ہی اخلاق برت لیا جاتا ہے اور اگر فائدہ حاصل ہونے کی امید نہ ہو تو اخلاق کی بھی ضرورت نہیں۔

یہ ہے مغرب کا بچا کھچا سرمایۂ اخلاق؛ جس میں رومی جاہلیت کے مذکورہ دونوں بگاڑ بھی شامل ہو گئے

مسلمانوں کا صلیبیوں سے تعامل

جب مسلمان صلیبی دور میں، اور خاص کر صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں عیسائیوں سے معاملات کر رہے تھے تو انہوں نے اپنے وعدے وفا کیئے اور جب وہ مجبور ہوتے تھے اور فائدہ بھی اسی میں ہوتا تھا کہ معاہدہ توڑ دیں۔ اس وقت بھی مسلمانوں نے اپنے کسی معاہدے کو نہیں توڑا۔ تو اس وقت مسلمانوں نے اخلاق کی ایک نمایاں مثال قائم کی تھی اور یہی اخلاق اپنی اصلی صورت میں تھا اور اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم کے مطابق تھا۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً	اور اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ
فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۔ اِنَّ	ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (سورہ انفال ۵۸)	پھینک دو۔ یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور جب صلیبی مسلمانوں سے کیئے ہوئے معاہدے توڑ رہے تھے اور ان کو دھوکہ سے پکڑ کر مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایسا قتل عام کر رہے تھے۔ جس کو یورپ کا ضمیر ہی برداشت کر سکتا ہے اور جب بچے مسلمانوں نے، اللہ کے گھر، امن دینے والے حرم مقدس مسجد میں پناہ لے لی تو صلیبیوں نے مسجدوں میں گھس کر مسلمانوں کا اس قدر قتل عام کیا کہ ان کے گھوڑوں کی ٹانگیں خون میں ڈوب گئیں۔!!

مگر جب بعینہٖ یہی موقع مسلمانوں کو ملا اور وہ ان صلیبیوں پر کامیاب ہوئے تو انہوں نے صلیبیوں سے انسانی سلوک کیا اور اخلاق کی ایک دوسری نمایاں مثال قائم کی اور بتایا کہ ان کا اخلاق انسانی معیار پر قائم ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم اور ہدایت کے مطابق ہے۔

—— مگر اللہ کی ہدایت سے منحرف جاہلی یورپ اخلاق کے اس معیار تک کبھی بھی نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ یورپ کا اخلاق اپنے اصلی سرچشمہ سے مستفید ہونے کے بجائے یونانی اور رومی جاہلیتوں سے مستفید ہوا۔

قدیم رومی مزاج، ہمارے سامنے رومی قانون میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ جس رومی قانون میں عدل و انصاف صرف رومیوں کے لئے تھا۔ غیر رومی لوگوں کا عدل و انصاف میں کوئی حصہ نہ تھا یہی خود پسندانہ مزاج جاہلیت جدیدہ میں مغربی اخلاق پر غالب آ گیا۔ اخلاق ان کے یہاں حدود

قومیت میں تو قابلِ عمل ہے۔ لیکن قومیت کی حدود سے نکل کر اس کی کوئی ضرورت نہیں، ہاں اگر کسی فائدے کی امید ہو تو قومیت سے باہر بھی اخلاق برتا جاسکتا ہے۔

سیاسیات کے دائرے میں تو مغربی اخلاق کی حقیقت ایک دنیا کو معلوم ہے۔ معاہدے کیئے جاتے ہیں اور جوں ہی قومی مصالح میں کوئی تبدیلی آئی۔ فوراً سارے معاہدے ٹوٹ گئے اور اور اس حرکت کے باوجود بالکل سبک اور بے پرواہ نظر آتے ہیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ کیونکہ یونانی جاہلیت کے مطابق نظریہ اور عمل میں مطابقت ضروری نہیں ہے۔ اور اس "بلند اخلاق" کی جولان گاہ صرف سیاست ہی نہیں ہے، بلکہ کچھ اور میدان بھی ہیں!!

مسلمانوں نے جن ممالک کو فتح کیا، وہاں کے غیر مسلموں کے عقائد مسلم حکومتوں کی زیر نگرانی اور تحفظ میں رہے۔ مسلمانوں نے کبھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ غیر مسلموں کو کسی حیلہ بہانے سے مسلمان بنالیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں مسلمانوں کو اسی اخلاق کی تعلیم دی تھی!

مغربی اخلاق کی مثال

اس کے برخلاف مغربی اخلاق کی مثال دیکھئے....

جنوبی افریقہ میں انگلش جہاز راں کمپنی کے جہازوں پر افریقی مسلمان ملازم تھے اور انگریزی کمپنی انہیں کسی قیمت پر مسلمان نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ کمپنی نے مسلمانوں کی مزدوریوں کا ایک حصہ شراب کی بوتلوں کی شکل میں دینا شروع کر دیا۔ مزدوریوں اور اجرتوں کے سلسلہ میں یہ اپنی نوعیت کی علیحدہ مزدوری تھی؛ چونکہ مسلمانوں کے یہاں شراب کا پینا اور فروخت کرنا دونوں حرام ہیں۔ اس لئے یہ بے چارے مزدور شراب کی بوتلیں توڑ دیتے اور باقی ماندہ مزدوری پر گذارا کرتے تھے۔!

کسی قانون داں نے ان غریب مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ شراب کی شکل میں اجرت لینے سے انکار کر دیں اور اگر کمپنی اس عجیب طرز پر اجرتوں کی ادائیگی پر اصرار کرے تو کمپنی پر مقدمہ کر دیا جائے۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ کمپنی نے ان سب مسلمان مزدوروں کو ایک ہی دفعہ ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔

یہ ہے مغربی اخلاق کا بلند اور اعلیٰ نمونہ!!

فرانس کے لوگ زیادہ ظریف اور مہذب ہیں۔ جب پیرس والے ادب، روحِ ظرافت اور اٹیکیٹ کے ساتھ آپ سے پیش آئیں اور آپ کے اوپر بڑی نرمی اور مہربانی کا اظہار کریں تو اس

کا مطلب ہے کہ آپ فرانس میں جتنا روپیہ خرچ کر سکتے ہیں کریں۔ اور اگر آپ نہیں خرچ کر سکتے تو سنیئے! ایک مصری نوجوان جس نے کچھ عرصہ فرانس میں گزارا تھا مجھے بتایا کہ وہ شراب پینے اور نامناسب مقامات پر جانے کا عادی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ہوٹل والے اس کے کمرے میں "سامانِ تعیش" فراہم کرتے تو وہ اس سے بھی لطف اندوز نہ ہوتا۔ تو اس پاکبازی کے صلہ میں ہوٹل والوں نے اس کے استعمال کی اشیاء میں قیمتوں کا اضافہ کر دیا اور اسے مختلف طریقوں سے تنگ کرنے لگے۔ تاکہ وہ ہوٹل چھوڑ کر چلا جائے۔

حدودِ قومیت سے باہر بین الاقوامی تجارت میں جس نادر المثال ایمان داری سے معاملات کیے جاتے ہیں تو یہ ایمان داری بھی اخلاق پر نہیں ــــ منفعت پرستی پر مبنی ہے کیونکہ دھوکہ دہی سے مارکیٹ ختم ہو جائے گی اور اس طرح نفع بھی جاتا رہے گا۔ تو نفع کا شدید لالچ معاملات میں ایماندار بننے پر مجبور کر دیتا ہے۔

پھر اخلاق میں منفعت پرستی بیرونی معاملات تک موقوف نہیں رہی۔ بلکہ رفتہ رفتہ قومی زندگی میں بھی اخلاق کا محرک یہی مفاد پرستی بن گئی۔

گویا اوّلاً اخلاق انسانی معیار سے گر کر قومی معیار پر آیا ...... اور قومی معیار سے گر کر آپس میں لین دین کی منفعت بن گئی۔

سچائی قومی تنظیم میں فائدہ مند ثابت ہوئی ہے۔ آپ سچ بولتے ہیں تو بدلہ میں! دوسروں سے بھی توقع کرتے ہیں کہ وہ بھی سچ بولیں۔ اس لئے نہیں کہ سچائی بذاتِ خود کوئی خوبی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ آپ اور سب مل کر سچائی سے فائدہ اٹھائیں۔ سچ بول کر آپ بہت سی محنت کافی مال اور وقت کی بچت کر سکتے ہیں اور ان طاقتوں کو مزید فائدہ کمانے کے لئے صرف کر سکتے ہیں۔!

اگر سچائی میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ یا سچائی میں کوئی مادی نقصان ہو تو اس سچائی کی کیا قیمت رہ جاتی ہے اور اس سچائی کو اپنانے کے لیے کون سا محرک باقی رہ جاتا ہے۔!؟

مجھے امریکہ میں کچھ عرصہ گذارنے والے ایک مصری نے سنایا کہ:

"میں ایک 'اتوار کے اسکول' میں ایک استانی سے انگریزی زبان سیکھا کرتا تھا۔ جب ہم ذرا مانوس ہو گئے اور استانی کو معلوم ہوا کہ میں اچھا خاصا دین دار مسلمان ہوں تو کہنے لگی۔ میں اسلام کے بارے میں کچھ ایسی باتیں جانتی ہوں کہ اس اسلام کی وجہ سے لوگ تم سے نفرت کرنے لگیں گے۔ امثال کے

طور پر ایک دفعہ تمہارے نبی محمدؐ نے شراب پی، نشہ ہوا تو آپ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور گر پڑے۔ پھر ایک سؤر نے آپ کے کاٹ لیا۔۔۔۔ (نعوذ باللہ)۔۔ لہٰذا اسی وجہ سے آپ نے شراب اور سؤر کو حرام قرار دے دیا۔ اس پر میں نے کہا اب تو آپ کو حقیقت کا علم ہو گیا۔ کیا آپ اب بھی بچوں کو یہی باتیں بتائیں گی۔ کہنے لگی اوہ! یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ مجھے یہی باتیں پڑھانے کی تنخواہ ملتی ہے"!

کیونکہ اخلاق اپنے اصلی سرچشمہ سے جدا ہو کر اور یونانی اور رومی جاہلیتوں سے متاثر ہو کر جاہلیت جدیدہ میں اپنا سرمایہ لٹا بیٹھا۔۔۔۔۔ تو اب اخلاق کے بس کی بات نہیں رہی تھی کہ کسی مزاحمت کو برداشت کرتا۔!

مغربی اخلاق سے لوگ بڑے دھوکہ میں مبتلا ہو گئے۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ سیاسیات، معاشیات اور جنسی تعلق میں بگاڑ پیدا ہو جانے کے باوجود بھی اخلاق اپنی جگہ پر قائم ہے لیکن لوگوں نے اس اخلاق کی نفع پرستی اور انانیت پسندی کو نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ یہ سمجھنے لگے کہ اخلاق اپنے مذہبی رشتہ سے منقطع ہونے کے باوجود بھی زندہ و فعال موجود ہے اور جو امور اخلاق سے علیحدہ ہو گئے۔ وہ حقیقتاً اخلاق سے متعلق ہی نہ تھے۔ سیاسیات، معاشیات اور جنس میں خواہ کتنا ہی بگاڑ کیوں نہ پیدا ہو جائے (یا ترقی پذیر ہو جائیں یا حمیت کے تابع ہو جائیں) اور خواہ مادی نفع پرست انانیت پسند مزاج انسانیت کے خلاف کتنی ہی سرکشی کیوں نہ اختیار کر لے۔

اخلاقی بندھن بہت آہستہ آہستہ ڈھیلے ہوتے ہیں۔ جس سے لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید اخلاق کی گرفت ابھی تک مضبوط ہے۔

فرانس کی مثال

لیکن اس ربع صدی میں جو واقعات سامنے آئے ہیں، وہ کسی اور ہی بات پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہم پہلے فرانس کی مثال بیان کرتے ہیں۔

فرانس میں جنسی تعلقات میں اخلاقی بگاڑ اس طرح سرایت کر رہا تھا۔ جیسے لکڑی کو گھن لگ گیا ہو۔۔۔ حتیٰ کہ جب جنگ ہوئی تو پورا فرانس جنس کے گندے جوہڑ میں غرقاب تھا!

نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس چند ہی دنوں میں ہار گیا۔ اس لئے نہیں کہ فرانس کے پاس اسلحہ نہیں تھا بلکہ جدید ترین اور مہلک ترین اسلحہ فرانس ہی کے پاس تھا اور 'ماجینو' لائن کی قلعہ بندی مشہور

تھی۔ لیکن چونکہ فرانس کے پاس جذبۂ جہاد نہیں تھا اور نہ ان کے پاس ایسی عزت تھی جس کا وہ بچاؤ کرتے۔ بلکہ فرانس کو یہ خطرہ ہُوا کہ جرمنی کی بمباری سے پیرس کی رقص گاہیں تباہ نہ ہو جائیں چنانچہ دو ہفتہ کے اندر اندر فرانس نے ہتھیار ڈال دیئے۔!! اور لوگ کہنے لگے۔۔۔ یہ تو حالات کا تقاضا تھا۔ اخلاق کا اس سے کیا تعلق؟

امریکہ کی مثال

دوسری مثال امریکہ کی لیجیے۔۔۔

کینیڈی نے ۱۹۶۲ء کے اہم بیان میں کہا کہ امریکہ کا مستقبل خطرہ میں ہے۔ کیونکہ نوجوان جنس پرستی میں اس قدر بہک رہے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ فوج میں شمولیت کے لیے آنے والے ہر سات نوجوانوں میں سے چھ ناکام لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ شہوت پرستی نے ان کی طبی اور نفسیاتی حالت ابتر بنا دی ہوئی ہے۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور بدترین مثال لیجیے۔

امریکہ کی وزارت خارجہ نے اپنے ۴۳ ملازمین کو علیحدہ کر دیا۔ اس لئے کہ وہ جنسی بے راہروی کے شکار تھے اور اس قابل نہ تھے کہ حکومت کے رازوں کے بارے میں ان کو قابل اطمینان سمجھا جاتا!!

انگلستان کی مثال

انگلستان کی مثال لیجیے۔۔۔

انگلستان کے وزیر جنگ پروفیومو نے ایک فاحشہ سے لذت اندوز ہونے کی خاطر حکومت کے جنگی اسرار کو خطرے میں ڈال دیا۔!

روس کی مثال

روس کو لیجیے۔۔۔

خروشچیف نے بھی ۱۹۶۲ء میں کینیڈی کی طرح بیان دیا کہ روس کا مستقبل خطرے میں ہے اور روس کے نوجوانوں کے مستقبل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ شہوت پرستی میں

ڈوبے ہوئے ہیں !!

پھر یورپ کے شمالی ملکوں کو لیجیے جو زیادہ ترقی یافتہ ہے اور جاہلیت جدیدہ میں تمام ملکوں سے آگے ہے۔

اور جہاں پراگندہ حال، پریشان نوجوان ۔۔۔۔ چرس اور افیون پیتے ہوئے ۔۔۔ اپنی طاقتوں کو جنون اور پاگل پن میں صرف کرتے ہوئے ۔۔۔ لوٹ مار ۔۔۔ قتل اور اغوا کرنے والی ٹولیاں ۔۔ حکومت اور ماہرین اجتماعیات کے سکون کو لوٹ رہی ہیں !!

یہ سب کچھ صرف ایک جنس کے میدان میں ہے۔ اور صرف یہاں آکر یہ مسئلہ ختم نہیں ہو جاتا ۔۔۔ بلکہ گاڑی ڈھلوان راستہ پہ پھسلتی ہی جا رہی ہے!

امریکہ میں بڑے بڑے مہذب لوگوں کی انجمنیں ہیں۔ جن میں وکیل، ڈاکٹر، لکھنے والے اور قانون دان بھی ہیں ــــ آپ کو معلوم ہے کہ یہ انجمنیں کیا کرتی ہیں۔ ؟! ان انجمنوں کا کام ہے، لوگوں کو زنا کی سہولتیں مہیا کرنا !!

کیونکہ کیتھولک ریاستوں میں طلاق کی اجازت اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک زوجین میں سے کوئی ایک زنا کا مرتکب نہ ہو جائے ۔۔۔ اس کے بعد دوسرا طلاق کا مطالبہ کرے۔

اس لئے جو طلاق لینا چاہتا ہے ــ خواہ وہ شوہر ہو۔ یا بیوی ــــ وہ ان جماعتوں کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ یہ جماعتیں کسی نہ کسی طرح اس شوہر یا بیوی کو زنا کا ارتکاب کرا دیتے ہیں اور اسی حالت میں اسے پکڑوا کر طلاق کے حصول کے لیے ضروری کاغذات پیش کر دیتے ہیں اور اپنی کارگزاری کی مقررہ فیس لے لیتے ہیں۔ !!

امریکہ ہی میں لڑکیوں کو فروخت کرنے والی جماعتیں بھی ہیں۔ یہ جماعتیں لڑکیوں کو پکڑ کر یورپ کے دولت مندوں کی خواہشات پر بھینٹ چڑھا دیتے ہیں ــــ اور اپنا منافع حاصل کرتے ہیں۔ ایسی بھی جماعتیں ہیں۔ جو " جمہوری انتخابات " میں علانیہ مخالفین کو دھمکیاں دیتی ہیں

اباحیت پسندی

غرض یورپ کی نسل نو انتہا درجے کی اباحیت میں مبتلا ہے اور صد درجہ تنزل کا شکار ہے وہ تمام برائیاں موجود ہیں جو کسی انسانی معاشرے میں متصور ہو سکتی ہیں۔ لوٹ مار اور اغوا

سی انجمنیں بنی ہوئی ہیں مریچوں کی ٹولیاں چلتی ہوئی ٹرینوں پہ پتھراؤ کرتیں اور لائنوں پہ پتھر رکھ دیتی ہیں چرس بھنگ اور مخدرات (نیشہ آور اشیاء) عام ہیں۔ مگر اب بھی چند خوبیاں باقی ہیں اور بگاڑ پوری اخلاقی زندگی پر ابھی تک بالکلیہ محیط نہیں ہوا ہے۔ بہر حال یورپ بالکل تباہ ہونے سے پہلے ایک نسل اور گزار سکتا ہے۔ ابتداءً لوگوں نے اس پیش آمدہ خطرہ پر تجاہل سے کام لیا اور اپنے سر ریت میں چھپا کر کہنے لگے

"نئی نسل گذشتہ نسل سے زیادہ بہتر ہے۔ نئی نسل جری، کھلے ذہن کی مالک، ترقی پسند اور اپنے زمانے کی عقل کے مطابق زندگی گذارتی ہے ترقی پسند نسل کے بارے میں، پس ماندہ نسل کی عقلیت سے کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ہماری اخلاقیات زندگی کے جدید حالات کے مطابق نہیں ہیں۔ نئی نسل اپنے نو بہ نو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنے اخلاق خود بناتی ہے اور جو لوگ یہ چیخ و پکار کر رہے ہیں وہ اپنے جمود اور پس ماندگی کی بناء پر حالات کو نئی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔"

پھر جن کے ہاتھوں میں تہذیب جدید کی باگ ڈور ہے۔ یعنی یورپ اور امریکہ ۔ انہی کے یہاں سے خبریں آئیں۔ کہ ——

یورپ اور امریکہ نے ان غلاموں کے منہ میں لگامیں لگائیں۔ جو عقل، ثقافت اور معیار ترقی کے نعرے لگا رہے تھے۔!

نوجوانوں کے بگاڑ پر غور کرنے کے لیے کئی علمی مجلسیں منعقد کی گئیں۔ جنہوں نے پورے وثوق کے ساتھ یہ رپورٹ دی کہ معاملہ بے حد نازک ہے۔ نئی ابھرنے والی نسل بگاڑ اور تنزل کا شکار ہے۔ اس پر یہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مستقبل میں قیادت سنبھال سکے گی اور مغربی ممالک تباہی سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔!

اگر اس غیر انسانی فکر سے صرف نظر کر لیا جائے —— غیر انسانی اس لئے کہ اس میں انسانیت کو پیش آنے والے خطرات پر غور نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف حدود قومیت میں رہ کر سوچا گیا ہے ——

اگر ہم اس فکر سے اور جاہلیت جدیدہ کے اس اخلاقی بگاڑ سے صرف نظر کر لیں۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ اخلاق کا اس درجہ دیوالیہ ساری انسانیت کے زوال اور تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ تو پوری انسانیت کی تباہی اس لئے ہے کہ مغربی جاہلیت جدیدہ کا نام نہاد اخلاق متعدی مرض کی طرح پوری دنیا میں پھیل گیا ہے۔

۔ اخلاق جب اپنے اصلی سرچشمہ سے علیحدہ ہو گیا۔ جب کہ اس کا تعلق، اللہ پر سچے اعتقاد سے ٹوٹ گیا اور جب اخلاق میں عقیدے کا بگاڑ پوری طرح جھلکنے لگا۔۔۔ تو اب نہ اخلاق قائم رہ سکتا ہے۔۔۔ اور نہ زندہ رہ سکتا ہے۔۔۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یورپ کے اخلاق کی وہ عمارت جس کی صدیوں میں تعمیر ہوئی تھی۔۔۔ صرف دو صدیوں میں کھنڈر بن کر رہ گئی!

جاہلیت جدیدہ میں دو چار خوبیاں ہی اس کی زندگی کے آخری سانسوں کا سہارا بنی ہوئی ہیں ۔۔۔ اور یہ دو چار خوبیاں بھی رُو بہ زوال ہیں۔۔۔ نئی نسل زیادہ بگڑی ہوئی اور زیادہ اباحیت پسند ہے۔۔۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مستقبل حال سے زیادہ خطرناک ہو گا اور اخلاق کی گاڑی تنزل کی ڈھلوان سڑک پر لڑھکتی چلی جائے گی۔

اب یہ کہنے سے بھی کوئی فائدہ باقی نہیں رہا کہ فلاں فلاں یا فعل کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے سیاست دائرہ اخلاق سے نکلی، معاشیات کا اخلاق سے تعلق ختم ہوا اور جنس کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹا ـــــ یہ اخلاقی دیوالیہ کی ابتداء تھی ـــــ اور پھر اخلاق کی سواری تنزل کی ڈھلوان سڑک پر پھسلتی چلی گئی! اور لحظہ بہ لحظہ اس کی رفتار میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔!

اللہ کی عبادت سے منحرف جاہلیت جدیدہ کے مصائب کی وجہ یہ ہی ہے! انسانیت کے وجود میں لگا ہوا گھن آہستہ آہستہ اسے چاٹتا رہا بالآخر اس کا کھوکھلا ڈھانچہ بوسیدہ ہو کر گر پڑا۔

مگر اس کے باوجود بھی جاہلیت لوگوں کو یقین دلا رہی ہے اور لوگ بھی بڑی سادگی سے یقین کر رہے ہیں کہ جاہلیت میں بڑی خوبیاں ہیں اور بڑی اخلاق کی حامل ہے۔؟

جنسی تعلقات کا بگاڑ

جنسی تعلقات کا بگاڑ

اس باب میں "جنسی تعلقات کا بگاڑ" اخلاقی حیثیت سے کرنا مقصود نہیں ہے، کیونکہ گذشتہ باب میں ہم اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں جنسی تعلقات کا بگاڑ، انسان کے نفسیاتی تشخص اور انسان کی اجتماعی زندگی میں اختلال پذیر ہونے کی حیثیت سے زیر گفتگو آئے گا۔ اخلاقی حیثیت سے جنسی تعلقات کا بگاڑ اتنا واضح ہے کہ اس کے بیان کی مزید کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جاہلیت جدیدہ نے اس بات پر پردہ ڈالنے کے لیے کہ جنسی تعلقات کا بگاڑ حقیقت میں اخلاقی بگاڑ ہے، فرائڈ، مارکس اور ڈرکایم کے علمی نظریات اور مادی تعبیر کو پیش کیا ہے اور لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کر دیا ہے کہ جنس ایک حیاتیاتی عمل ہے اور اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ہی افسانے، ڈرامے، سینما، ٹیلی ویژن، ریڈیو اور صحافت بھی ساری زندگی کی جنسی تصویر کشی کر رہے ہیں اور یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ جنسی تعلقات بالکل طبعی بنیادوں پر قائم ہیں اور اس میں کسی قسم کا بگاڑ نہیں ہے۔

ان تمام کوششوں کے باوجود بہرحال جنسی بے راہ روی اپنی ابتدا سے انتہا تک ایک اخلاقی بگاڑ ہی ہے۔

"علمائے یہود کے منظم عمل[1]" میں تحریر ہے:

"ہمیں ہر جگہ اپنی حاکمیت کے قیام کے لیے "اخلاقی گراوٹ" کے لیے کوشش

[1] The Protocols of Learned of Zion

کرنا چاہیے۔

"فرائڈ ہمارے مقاصد کی تکمیل کے لیے جنس کو منظرِ عام پر لاتا رہے گا، تاکہ نوجوانوں کی نظر میں کوئی مقدس شے باقی نہ رہے۔ بس نوجوانوں کی زندگی کا مقصد اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل رہ جائے۔ یہی راستہ اخلاق کی تباہی کا ہے"۔

"ہم نے ڈارون، مارکس اور نطشے کی آراء کو پھیلانے اور کامیاب بنانے کے لیے لائحہ عمل مرتب کر لیا ہے۔ مذکورہ بالا مفکرین کی فکر و فلسفہ کا غیر یہودیوں کے اخلاق پر جو بُرا اثر پڑتا ہے وہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے"۔

ان حوالوں سے بھی یہی علم ہوا کہ جنسی تعلقات کا بگاڑ درحقیقت اخلاقی بگاڑ ہی ہے! کیونکہ لوگوں نے اپنی جاہلیت جدیدہ میں یہ تصور کر لیا ہے کہ زندگی کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ہم بھی جنسی تعلقات کے بگاڑ کو اخلاقی بگاڑ کی حیثیت میں پیش کرنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ درحقیقت اخلاق زندگی سے ہرگز علیحدہ نہیں ہے۔ اخلاق صرف ایسے نظریاتی اصولوں کا نام نہیں ہے جو عاجی پرچیوں میں پائے جائیں۔

اخلاقی قوانین بھی وہی ہیں، جو واقعیاتی زندگی کے ہیں۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ زندگی پوری خوبی سے رواں دواں ہو اور اس میں اخلاقی بگاڑ بھی پایا جاتا ہو۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اخلاقی بگاڑ لازمہ ہے زندگی کے بگاڑ کا۔ اور زندگی کا بگاڑ لازمہ ہے اخلاقی بگاڑ کا۔ کیونکہ اخلاق اور زندگی دونوں ہی کا سرچشمہ انسان کا مکمل وجود اور فطرت انسانی ہے۔

جب ہم جنسی تعلقات کے اختلال کو اس حیثیت سے ذکر کریں گے کہ اس کے واقعیاتی زندگی پر کیا اثرات ہیں۔ تو ہم آخر میں یہ بھی بتائیں گے کہ درحقیقت جنسی تعلقات کا بگاڑ اخلاقی بگاڑ ہی ہے۔

حیات انسانی کے دیگر پہلوؤں کے بالمقابل جنسی تعلقات میں حِلّت پسندی بہت آہستہ آہستہ اور ایک طویل عرصہ میں رونما ہوئی ہے۔ کیونکہ قرون وسطیٰ میں کلیسا کی مسخ شدہ مسیحی تعلیمات مغربی ذہن پر چھائی ہوئی تھیں۔

بلاشبہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات ایک قسم کے زہد اور جسمانی خواہشات سے بلند ہونے

کی دعوت پر مشتمل تھیں۔

اگرچہ یہ ہر زمانے میں ہر نبی اور ہر دین کی دعوت رہی ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں زاہدانہ زندگی بسر کرنے کے متعلق کچھ زیادہ ہی مؤثر ہدایت تھیں۔ کیونکہ عیسائیت کو اس وقت کی بنی اسرائیل کے اخلاقی دیوالیہ پن کو دُور کرنا اور رومی دنیا کی مادی سرکشی کو کچلنا مقصود تھا۔ چنانچہ انجیل میں ہے۔

"اگر تمہاری نگاہ گناہ کرے، تو آنکھ نکال دو۔ کیونکہ جسم کے ایک حصّہ سے محروم ہو جانا۔ پورے جسم کو جہنم میں ڈالنے سے بہتر ہے" [۱]

اس قسم کے اقوال سے کلیسا کا اخلاق اُبھرا اور رہبانیت کی بنیاد رکھی گئی۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (سورۃ حدید ۲۷)	"اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا۔ ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا۔"

ایک عام خیال یہ ہو گیا تھا کہ جنس گندگی اور نجاست کے مترادف ہے اور عورت شیطانی مخلوق ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے اور نکاح عوام الناس کی ایک حیوانی ضرورت ہے۔ جس سے پارسا اور متقی لوگوں کو احتراز کرنا چاہیئے۔

رُہبانیت

غرض ایک طرف رومی سلطنت کی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں اور دوسری طرف رہبانیت تھی۔ جو جنگل اور دیہات میں پناہ لیتی پھرتی تھی۔

لیکی اپنی کتاب "تاریخِ اخلاقِ مغرب" میں لکھتا ہے۔

"قرونِ وسطیٰ کے لوگ دو انتہاؤں پر تھے۔ ایک انتہا رہبانیت تھی اور دوسری انتہا فسق و فجور تھی۔"

جن شہروں میں فسق و فجور زیادہ تھا۔ انہیں شہروں میں بڑے بڑے زاہد بھی پیدا ہوتے۔ اس دور میں گناہ اور توہم پرستی کی گرم بازاری تھی اور دونوں ہی انسانی شرافت

---

[۱] انجیل متی اصحاح خامس۔ آیت ۲۹

کے دشمن ہیں"۔ لہ

لیکی رہبانیت کے زیر سایہ بڑھنے والی جنسی نفرت کی ان الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہے۔

"لوگ عورت کی پرچھائیں سے بھی ڈرتے تھے۔ عورتوں کی مجلس میں بیٹھنا بھی گناہ خیال کیا جاتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ عورتوں سے سر راہ ملاقات ہو جانا یا ان سے بات کر لینا۔ ان کے سارے نیک اعمال اور روحانی جدوجہد کو ملیامیٹ کر دے گا۔ اگرچہ وہ عورتیں ان کی اپنی مائیں بہنیں اور بیویاں ہی کیوں نہ ہوں"۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب "پردہ" میں مغربی مفکرین کے بعض اقوال نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"ان کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے۔ مرد کے لیے معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے۔ تمام انسانی مصائب کا آغاز اسی سے ہوا ہے۔ اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس کو اپنے حسن و جمال پر شرمانا چاہیئے کیونکہ وہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اس کو دائماً کفارہ ادا کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ دنیا اور دنیا والوں پر مصیبت لائی ہے۔

ترتولیان جو ابتدائی دور کے آئمہ مسیحیت میں سے تھا۔ عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی۔ خدا کے قانون کو توڑنے والی، اور خدا کی تصویر — مرد کو غارت کرنے والی ہے"

کرائی سوسٹم جو مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار کیا جاتا ہے۔ عورت کے حق میں کہتا ہے۔

لہ "مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا" (ابوالحسن ندوی)

"ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ
ایک غارت گر دلربائی، ایک آراستہ مصیبت!"
ان کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ عورت اور مرد کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور ایک قابلِ اعتراض چیز ہے، خواہ وہ نکاح کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو۔"

رہبانیت کا جاہلی ردِّ عمل

اس منحرف جاہلی نظریہ کا — جس کا نہ کسی دین نے حکم دیا تھا اور نہ کسی نبیؐ نے کہا تھا — ایک شدید جاہلی ردِ عمل رونما ہوا۔ اور یہ ردِ عمل بہت آہستہ آہستہ سامنے آیا اور اس کے بہت سے اسباب تھے۔

اس ردِ عمل کا ایک سبب وہ اخلاقی بگاڑ تھا جس کا شکار خود کلیسا والے تھے اور وہ جنسی بگاڑ تھا جو راہب اور راہبات کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا جس سے کلیسا کی عمارت متزلزل ہو گئی اور رہبانیت کی ساری قدریں خاک میں مل گئیں اور لوگوں نے جب اس کی کھوکھلی پاکبازی کو دیکھا۔ تو وہ بھی شہوت پرستی کے مواقع ڈھونڈنے لگے۔

انسانیت کی حیوانی تعبیر — جس کو فرائڈ نے عمل کی جنسی تعبیر پیش کرکے کمال تک پہنچائی — نے یکلخت زندگی کو بگاڑ کے راستے پر گامزن کر دیا۔

صنعتی انقلاب بھی اس جاہلی ردِ عمل کا ایک بنیادی سبب تھا۔ جس نے عائلی نظام کو پارہ پارہ کرکے نوجوانوں کو دیہاتوں سے شہروں میں لا ڈالا۔ جہاں اخلاقی بندشیں ڈھیلی تھیں اور جہاں ان نوجوانوں کو اتنی آمدنی نہیں تھی کہ وہ گھریلو زندگی کی بنیاد رکھ سکتے۔ اس کے بجائے جنسی بھوک کے مٹانے کے لیے سستے اور غیر اخلاقی ذرائع مہیا کیے گئے!

اس کے ساتھ ہی عورت کو بھی میدانِ عمل میں لایا گیا اور اس کو ایک لقمہ کے بدلہ اخلاقی بے راہ روی پر مجبور کیا گیا۔ ساتھ ہی عورت کو "مساوات" کی راہ بھی سجھائی گئی اور اس "مساوات" میں بے حیائی اور بدکاری بھی شامل تھی!

یہ تمام اسباب زندگی کو ایک ہمہ گیر بگاڑ سے ہمکنار کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ عالمی صیہونیت نے زندگی کی اس روش کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں لگا لیا۔ چنانچہ مارکس فرائڈ اور دُرکایم اخلاقیات کا

ٹھٹھا اڑانے میں لگ گئے اور عورت کو دعوت دی کہ وہ جنسی بے راہ روی اپنا لے، تاکہ وہ مرد سے قریب تر ہو سکے۔

پھر سینما —— جو بنیادی طور پر ایک یہودی صنعت ہے —— ریڈیو اور ٹیلی ویژن جنسی بے راہ روی اور لذت پرستی کی نئی نئی راہیں سلجھانے پر لگ گئے۔

اس کے بعد فیشن کے مراکز ... اختلاط کی معاشرتی روایات اور پھر آخر میں اباحیت مطلقہ!! یہ سارا بگاڑ بہت آہستہ آہستہ اور بتدریج رونما ہوا۔ کیونکہ اخلاق پرست اباحیت سے گریزاں تھے اور ترقی پسند۔ اور روشن خیال لوگ ہر بگاڑ کو خوب بنا سنوار کر پیش کر رہے تھے چنانچہ دونوں گروہوں میں کش مکش لازمی تھی —— لیکن —— بہرحال پلڑا اباحیت کا ہی بھاری رہا۔ کیونکہ اس طبقہ کو نشر و اشاعت کے تمام ذرائع پر قدرت حاصل تھی اور سرمایہ داری —— جو بنیادی طور پر ایک یہودی نظام ہے —— کے تراشے ہوئے اقتصادی حالات لوگوں کو اس بات کی سہولت نہیں دیتے تھے کہ وہ عین عالم شباب میں پاکیزہ نکاح کر سکیں۔ بلکہ غیر شادی شدہ نوجوانوں کو ہر قسم کی جنسی بے راہ پر اکسایا جاتا اور عورت کا حصول کچھ زیادہ مشکل نہ تھا کیونکہ عورت میدانِ عمل اور تعلیمی اداروں میں مرد کے دوش بدوش موجود تھی ساتھ ہی صحافت، ریڈیو، سینما اور ٹیلیویژن نے عورت کو غرور و ناز کے تمام آداب بھی سکھائے۔

سرکاری اور غیر سرکاری عصمت فروشی کے اڈے قائم کئے گئے۔ تفریح گاہیں اور کلب قائم کئے گئے۔ جہاں دلال اس ذلیل ترین تجارت کے لیئے گاہک تلاش کرتے تھے۔

ان تمام برائیوں کی اشاعت کے بعد لوگوں کے ذہنوں میں یہ فکر القاء کی گئی کہ زندگی صرف تعیش پرستی اور لطف اندوزی کا نام ہے اور جب تک انسان بالکل سیر نہ ہو جائے خوب خوب دادِ عیش دے اور زندگی انسان کے لیے ایک ناقابل واپسی موقع ہے۔ اس سے انسان جس قدر فائدہ اٹھا سکتا ہے اٹھا لے۔

اختلال پذیر معاشرہ

یہ تمام اسباب مل کر جاہلیت جدیدہ کی پیدائش کا سبب بنے۔ چنانچہ سارا معاشرہ اختلال پذیر ہو گیا اور معاشرے کی سخت ترین بندشیں کھل گئیں اور اس کی جگہ انتہائی حلت پسندی

اور اخلاق بے راہ روی نے لے لی!

عورت کو آزادی ملی اور لوگ بھی دین اخلاق اور روایات کی بندشوں سے آزاد ہو گئے اور اباحیت پسندی لوگوں کا دین بن گئی جس کے لیے نجاست ہر قسم کی سہولتیں مہیا کرتی اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع اسی کے پرچار میں لگ گئے۔

ول ڈیورانٹ اپنی کتاب "فلسفہ کی نیرنگیاں" میں کہتا ہے:

"ہم ایک مرتبہ پھر اسی کش مکش سے دوچار ہیں۔ جس سے سقراط گذر چکا ہے ہم ایسے طبعی اخلاق کہاں سے لائیں۔ جو آسمانی سرزنش کی جگہ لے لیں۔ جس کا اثر لوگوں کی زندگی سے تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اخلاقی بگاڑ ہمارے اجتماعی سرمایہ کو تباہ کرتا جا رہا ہے ..."۔ (ص - ۷۰ - جلد اوّل)

"ضبط ولادت کی دوائیں بھی ہمارے اخلاقی بگاڑ کا ایک اہم سبب ہیں۔ ماضی میں اخلاقی قانون جنسی تعلق کو نکاح کے ساتھ مشروط قرار دیتا تھا۔ کیونکہ نکاح ہی ایک ایسی ممکنہ شکل ہے۔ جس میں باپ اپنے بچے کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اب تو جنسی تعلق اور نسل کشی کا رشتہ ہی منقطع ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں مرد و زن کے تمام رشتے تغیر پذیر ہوتے جا رہے ہیں"۔ (ص، ۱۲۰، جلد اوّل)

"شہری زندگی نے شادی بیاہ میں رکاوٹیں کھڑی کر کے جنسی بے راہ روی کے ان گنت راستے کھول دیئے ہیں۔ اب تو جنسی بلوغت بھی تعجیل پذیر تھا۔ جاگیرداری نظام معیشت میں اگر جنسی خواہش کا دبانا ایک امر معقول تھا۔ تو اب صنعتی نظام میں یہ ایک انتہائی دشوار کام ہے۔ کیونکہ صنعتی نظام لوگوں کو تیس ۳۰ کی عمر ہو جانے تک نکاح کے مواقع فراہم نہیں ہونے دیتا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کی طبیعت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور ضبط نفس کی صلاحیت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ عفت و پاک دامنی ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے۔

شرم و حیا کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ مرد اپنی بے راہروی پہ فخر کرتے ہیں عورتیں بے حیائی میں مردوں سے مساوات چاہتی ہیں۔ شادی سے قبل جنسی اختلاط ایک

جانی پہچانی روایت بن چکا ہے۔

اور اب جاگیرداری نظام کا اخلاقی بندھن ٹوٹ چکا اور آج کے صنعتی دور میں اس اخلاق کی کوئی قیمت نہیں ہے"۔[1] (ص۔ ۱۲۶ - ۱۲۷)

"یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ازدواجی زندگی کی اس تاخیر سے کیا کیا معاشرتی خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ازدواجی زندگی کی غیر فطری تاخیر معاشرتی خرابی کا بنیادی اور اہم سبب ہے اور ازدواجی زندگی کے بعد کی اباحیت پسندی کی وجہ شادی سے قبل اس کی عادت ہو جانا ہے۔

ہم اس پُرشکوہ صنعتی دور میں کبھی کبھی زندگی اور اجتماع کی علتیں تلاش کرتے ہیں اور کبھی یہ سوچ کر رہ جاتے ہیں کہ یہ ایک ایسی دنیا ہے جس سے اب کوئی راہِ فرار نہیں ہے اور یہی رائے اب موجودہ دور کے سارے مفکرین کی ہے۔ لیکن کیا یہ شرمناک بات نہیں ہے کہ امریکہ کی نصف ملین لڑکیاں اپنے آپ کو اباحیت پسندی کی نذر کر چکی ہیں۔ اور کلب اور عریاں لٹریچر ازدواجی زندگی سے محروم لوگوں میں جنسی ہیجان برپا کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ جب کہ یہ بیچارے صنعتی دور کی لاتا نوبیت کے بھی مریض ہیں۔

تصویر کا دوسرا رُخ بھی کچھ کم افسوس ناک نہیں ہے۔ کیونکہ ہر وہ شخص جس کی ازدواجی زندگی میں تاخیر ہو۔ وہ بازاری عورتوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس عرصہ میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے پورا بناسنورا نظام اپنے عملی دائرہ

---

[1] واضح رہے کہ مصنف کی بحث "تاریخ کی مادی تعبیر" کی روشنی میں ہے۔ وہ معاشی انقلاب کو اخلاقی بگاڑ کا سبب بتاتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی کہ اشتراکیت جو لوگوں کی رازق ہے اور جس نے سرمایہ داری سے نجات دلائی ہے ـــــ نے بھی اپنے نوجوانوں کو بروقت نکاح کی طرف متوجہ نہیں کیا ہے۔ جب کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے لوگوں کے کاندھوں سے معاشی بوجھ اٹھا لیا ہے۔ حقیقت میں یہ معاشی انقلاب نہیں بلکہ انسانیت کی تباہی کے لیے ایک چال ہے۔

کے ساتھ پایا جاتا ہے اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خواہشاتِ نفس کے ابھارنے کے لئے عجیب وغریب طریقے ایجاد کر لئے گئے ہوں۔" (ص ۲۷-۲۸)

"غالب گمان یہ ہے کہ لذت پرستی کے رجحان میں ڈارون کے مذہبی خیالات پر حملوں نے بڑا اضافہ کیا ہے۔ جب نوجوانوں نے یہ دیکھا کہ مذہب ان کی لذت پرستی کے خلاف ہے تو انہوں نے بھی مذہب کو نکما اور گھٹیا ثابت کرنے کے لیے ایک ہزار اسباب تلاش کر لیئے۔" (ص ۱۲۴)

"کیونکہ موجودہ دور میں نکاح اپنے صحیح معنوں میں باقی نہیں رہا۔ بلکہ ایک جنسی تعلق ہو کر رہ گیا ہے۔اس لئے عائلی زندگی کی بنیادیں ہی ہل گئی ہیں۔

اب ازدواجی زندگی میں 'زندگی کے آثار ختم ہو گئے۔ نتیجہ یہ کہ زن و شو میں ایک قسم کی اجنبیت سی پرورش پاتی رہتی ہے حتیٰ کہ علیحدگی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مرد کی طبعی خواہشات از سرِ نو ابھر آتی ہیں۔ جن کی تکمیل سے اس کی بیوی قاصر ہوتی ہے۔" (ص ۲۲۵)

"ذرا ہم کچھ اہل علم سے اپنے موجودہ اعمال کے نتائج تو معلوم کر کے دیکھیں، جو ظاہر ہے کہ ہماری منشا کے مطابق نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ہم گوناگوں تبدیلیوں اور تغیر کا شکار رہیں۔ جن کا انجام یقینی اور ناقابلِ فرار ہے۔

آخر عادات رسم و رواج اور مختلف نظاموں کے اس سیلِ بے کراں کا نتیجہ کیا ہو گا جب کہ گھریلو زندگی تقریباً ختم ہوتی جا رہی ہے اور یک زوجی کا دستور اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔ اب تو یہی ہو گا کہ جنسی تعلقات سے نسل کشی کا مقصد قطعی طور پر فوت ہو جائے گا۔ اگرچہ اس قسم کے آزادانہ تعلقات زیادہ تر مرد ہی کی جانب سے ہوں گے لیکن عورت بھی تن تنہا زندگی گذارنے سے اسی روش ہی کو غنیمت خیال کرے گی۔

ازدواجی رشتے ٹوٹ جائیں گے اور عورت مرد کو شادی سے قبل تجربہ پر آمادہ کرے گی۔ طلاق کی کثرت ہو جائے گی۔

پھر نکاح کا نظام از سرِ نو استوار کیا جائے گا۔ جس میں زیادہ سہولتیں ہوں ضبطِ ولادت ایک عام سی بات ہو جائے گی اور بچوں کی پرورش کے لئے گھریلو ماحول کی بجائے سرکاری تربیت گاہیں قائم ہو جائیں گی۔" (ص ۲۲۵ - ۲۲۶)

یہ اقتباسات ایک مغربی مصنف کے ہیں اور کسی تبصرہ کے محتاج نہیں!

ہمہ گیر بگاڑ

جن خرابیوں کی مصنف نے نشاندہی کی ہے جو فی الواقع اس جنسی بے راہ روی کی بنا پر نفسِ انسانی اور معاشرے میں رونما ہو چکی ہیں " وہ "جاہلیت جدیدہ" کی برائیوں کی طرف سے ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔ ان برائیوں نے پوری کی پوری انسانیت کو ہلاکت و تباہی کے کنارے لا کھڑا کر دیا ہے۔ صرف اخلاق ہی نہیں بلکہ نفسِ انسانی اور معاشرے کا کوئی پہلو ایسا باقی نہیں رہا۔ جو بگاڑ سے ہمکنار نہ ہوا ہو۔

مصنف نے جو گھناؤنی تصویر پیش کی ہے۔ اس کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے۔ پھر قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ مصنف نے یہ کتاب ۱۹۲۹ء میں لکھی تھی اور اب ہم ایک بھیانک جاہلیت کے دور یعنی بیسویں صدی کے نصف آخر میں ہیں۔ اب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مصنف نے جو پیشین گوئی کی تھی، وہ بالکل سامنے آگئی ہے اور جاہلیت کی بُرائیاں دنیا کے گوشے گوشے میں اس طرح پھیل گئی ہیں کہ اب اگر خود جاہلیت بھی انہیں ختم کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔ کیونکہ زمام کار اب جاہلیت کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ اور جاہلیت کو اپنے بگاڑ پر کوئی قدرت حاصل نہیں رہی ہے!۔ اور یہ حالت اس وقت ہے ———

——— جبکہ مندرجہ بالا اقتباسات بگاڑ اور فساد کی پوری پوری تصویر کشی نہیں کرتے۔

میں نے اس موضوع کو اپنی کتاب "اسلام اور جدید مادی افکار" کے ایک باب "جنسی الجھن" میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ایک دوسرے انداز سے یہ بحث "جمود و ارتقاء" میں بھی آگئی ہے۔ اگرچہ ان مباحث کو یہاں نقل کرنا مقصود نہیں ہے۔ البتہ اس مجنونانہ جاہلیت کی ایک جھلک ضرور دکھانا ہے کہ جب جاہلیت نے جنسی معاملات میں انسان کا تعلق "انسانیت" سے منقطع کر کے "حیوانیت" سے منسلک کر دیا، تو اس کے کیا نتائج ظہور پذیر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو بڑے نپے تلے اصول و قواعد کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے اور یہی اصول پوری انسانی زندگی کو کنٹرول کیے ہوتے ہیں. اگر ذرا بھی انسان اس معیار سے ہٹ جائے تو یہ انحراف اس کے لیے ہلاکت خیز ہوگا۔ اور انسان کبھی بھی فلاح و کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے گا۔

فطرت سے مقابلہ بھی بے سود ہے، کیونکہ دلیلِ فطرت ہر باطل دلیل پر غالب آکر رہتی ہے۔
اب ذرا اس بات پر غور فرمائیے کہ جب لوگ ماضی کی گھمبیر جاہلیت سے نکل کر خواہشاتِ نفس اور جنس پرستی میں گھر کر رہ گئے تو اس کے کیا نتائج ظہور پذیر ہوئے! کیا شہوت رانیوں سے لوگوں کا جی بھر گیا؟

"آزادی کے علمبردار" تو یہی کہتے تھے کہ بندشوں اور ممانعتوں سے جنسی اشتعال بجائے کم ہونے کے اور بڑھتا ہے۔ بیشک یہ بات درست ہے۔ لیکن اس صورت میں جب کہ بندشیں حدِ اعتدال سے متجاوز اور غیر معقول ہوں ــ لیکن سوال یہ ہے کہ اس بے قید اباحیت کا کیا نتیجہ نکلا؟ پوری دنیا اباحیت پسندی کا شکار رہی اور اس کے پورے پورے مواقع مہیا ہیں۔ لیکن کیا اس بے قید و بند اباحیت سے جنسی بھوک مٹ گئی ہے؟

آخر کیا بات ہے کہ موجودہ دور میں لوگ جنس میں بہت زیادہ الجھے ہوئے ہیں؟
فلمیں.... کتابیں.... افسانے.... شرمناک تصاویر.... ریڈیو اور ٹیلیویژن کے پروگرام.... گانے.... مخلوط قسم کی محفلیں.... سب پر جنس چھائی ہوئی ہے!
اور ان تمام مواقع پر نہایت سہولت کے ساتھ اختلاط کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود بھی یہ بھوک ختم نہیں ہوتی۔

ہم اس وقت اخلاقی نقطۂ نظر سے گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ ہم اس امن و سکون کے بارے میں بات کر رہے ہیں جس کا پورا پورا حصہ ہر انسان کو ملنا چاہیے۔ کیونکہ انسانی زندگی کے مقاصد حیوانات سے قطعاً مختلف ہیں اور ہم ان انسانی اقدار کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو قلبِ انسانی میں جاگزیں ہیں اور جو ایک صالح اور بلند تر زندگی کی وہ ــ اقدار ہیں جو پورے انسانی وجود کو ایک ساتھ لے کر آگے بڑھتی ہیں۔!

دائمی بے چینی، اعصابی کھچاؤ، جنون اور خودکشی اس اباحیت پسندی کے وہ تحائف

ہیں جو اس نے اب تک انسانیت کو دیئے ہیں۔

رہ گئی عائلی زندگی تو اس میں نہ آرام وسکون باقی رہا اور نہ ہی کوئی مضبوط ازدواجی رشتہ باقی بچا۔ جس ازدواجی زندگی میں ننھے منے بچے اس رشتہ کو مزید مضبوط اور اس تعلق کو زیادہ گہرا اور پُرخلوص بنا دیتے ہیں! بلکہ اب تو ازدواجی زندگی جانوروں کے معیار سے بھی گر چکی ہے کیونکہ بہت سے جانور اپنی ازدواجی زندگی کو طویل وقت تک برقرار رکھتے ہیں اور اس کا سبب وہی ہے جو ول ڈیورانٹ بتاتا ہے۔ یعنی اباحیت!

رقص وسرود کی محفلوں اور زندگی کے مختلف گوشوں میں مخلوط طرز زندگی کے باعث نوجوان ابتدائے شباب ہی میں جنسی بے راہ روی کے عادی ہو جاتے ہیں اور اس بے راہ روی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس طرح مرد وزن ایک دوسرے کی عادات و مزاج سے بخوبی واقف ہو جاتے ہیں اور شریک حیات تلاش کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ یہ مقصود تو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اباحیت پسندی ہی اصل مقصود بن جاتی ہے پھر اس جنسی بے راہ روی کے عادی ہونے کے بعد جب نوجوان اپنی شریک حیات تلاش کر لیتے ہیں تو ان کا عائلی تعلق چند مہینوں یا چند سالوں سے زیادہ باقی نہیں رہتا! اس کے بعد یہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد انسانیت پر نہیں، بلکہ جنس پرستی پر ہے۔ جنس پرستی ہی دوستی کا سبب بنی اور یہی بالآخر ازدواجی تعلقات کا سبب بنی ـــ اور اسی کے نتیجہ میں ازدواجی تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور زن وشوہر پھر سے اپنی پرانی روش پر گامزن ہو جاتے ہیں! ـــ ـــ کیونکہ عورت میں بھی ناز و انداز کے تمام طریقے بدستور موجود ہوتے ہیں اور مرد بھی حسب سابق عورتوں کے لئے قابلِ توجہ رہتا ہے۔ چنانچہ زن وشو اپنے اپنے دوست بناتے ہیں حتیٰ کہ دونوں میں جدائی تک کی نوبت آجاتی ہے۔

امریکہ میں بے راہ روی

امریکہ میں ہر قسم کی بے راہ روی کی اجازت ہے۔ بلکہ قانون کی حمایت حاصل ہے اور تمام ذرائع نشر و اشاعت بھی اس اباحیت پسندی کی تائید میں لگے ہوتے ہیں اور ایک مکمل فلسفہ اباحیت کی تائید و توثیق میں گھڑ لیا گیا ہے۔ لیکن اسی امریکہ کی بعض ریاستوں میں ۴۰ فی صد جوڑوں میں طلاق واقع ہوتی ہے! اور یہ تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

یہی حال شمالی یورپ کے ممالک کا ہے جو جاہلیت جدیدہ میں نہایت ترقی یافتہ ہیں!
— گویا گھریلو زندگی بھی تباہ ہوئی! اور بچے بھی فطری محبت سے محروم اور بے سہارا ہو گئے!
— پھر ان لاوارث بچوں کو اقتصادی ضمانتیں مہیا کی جاتی ہیں لیکن ان معصوم بچوں کو احساس و شعور کی ضمانت کون دے سکتا ہے؟!

پھر اس جاہلیت جدیدہ میں بچوں کا ایک مسئلہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ مغرب کی فسق و فجور سے بھری ہوئی زندگی بچوں کے جنسی شعور کو قبل از وقت ابھار دیتی ہے اور اس سے پہلے کہ عائلی اور ازدواجی زندگی کا کوئی تجربہ حاصل ہو، بچے جنسی طور پر بالغ ہو جاتے ہیں۔ اور اس بدکار نظام حیات میں نوجوان اپنی جوانی کے بالکل ابتدائی دور میں جنسی تجربات کرتے ہیں اور جنسی "شذوذ" کا شکار ہو جاتے ہیں!

جن ممالک میں جنسی آزادی ہے۔ وہاں "جنسی شذوذ" کی بڑھتی ہوئی رفتار ایک بھیانک مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔

امریکیوں کی جنسی زندگی کے بارے میں کنزی کی تقریر پہلا علمی مطالعہ ہے۔ — لیکن اس میں صرف اعداد و شمار بتائے گئے ہیں۔ نہ تو اس مسئلہ کے اسباب کا تذکرہ ہے اور نہ کسی علاج کی تلاش! اس جنسی کج روی کا بیان ہم اپنی متعدد کتابوں میں تفصیل سے کر چکے ہیں اور یہاں اس کا تذکرہ اختصار کے ساتھ اعداد و شمار کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

اباحیت پسندی کی اخلاقی برائیاں یہ ہیں کہ — اقوام عالم انحطاط و تنزل کا شکار ہیں اور مقابلہ کے میدان میں ان کے قدم جما مشکل ہو رہے ہیں۔

اور — اب اخلاقی بگاڑ حکومت کی مشینری پر اثر انداز ہو رہا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ایک لذتِ گناہ کے بدلہ فوجی راز دشمنوں کے جاسوسوں کو فروخت کیے جا رہے ہیں۔ انگلستان کے پروفیمو اور امریکی سیاسی شخصیات کے کردار اپنے سامنے رکھیے..... !

مستقبل کے بارے میں تردّد

روس اور امریکہ جیسی دورِ جدید کی عظیم طاقتیں، نوجوانوں کی جنسی بے راہ روی سے پریشان ہیں اور ملک کے مستقبل کے بارے میں متامل ہیں اور ان کو یہ فکر ہے کہ یہ نوجوان وطن کو تباہی سے بچا سکیں

گے یا نہیں — اور یہ حقیقت فطرت کا ایک چیلنج ہے اور یہ صرف اخلاقی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ پوری انسانیت کے مستقبل کا سوال ہے کہ اس اباحیت پسندی نے انسانیت ہی کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے

میں نے اپنی کتاب "جمود و ارتقاء" میں بتایا ہے کہ اباحیت اور اس کے لازمی نتائج جاہلیت جدیدہ کا خاصہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ہر اس جاہلیت کی علامات ہیں، جو دنیا میں کبھی ظہور پذیر ہوئی ہو۔

اباحیت یونانی اور رومی جاہلیت میں بھی تھی۔ جس طرح ایرانی جاہلیت میں تھی — اور ان تمام جاہلیتوں کی ہلاکت کا سبب بنی — جیسا کہ اباحیت جاہلیت جدیدہ میں بھی پائی جاتی ہے اور اس میں بھی انسانیت تباہی سے ہمکنار ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ جاہلیت جدیدہ کی ہلاکت خیزی زیادہ بھیانک اور زیادہ شدید ہے۔ کیونکہ قدیم جاہلیتوں میں بگاڑ اپنی طبعی رفتار سے بڑھتا تھا — مگر جاہلیت جدیدہ بگاڑ و فساد کو علمی سہارے دے دے کر اسے پروان چڑھا رہی ہے!

بگاڑ اور اباحیت کو معقول بنانے والے نظریات و افکار ہر جاہلیت میں پائے گئے ہیں لیکن قدیم جاہلیتوں میں ان کا انداز غیر علمی ہوتا تھا — اور — جاہلیت جدیدہ میں یہ افکار و خیالات خالص علمی اور سائنٹیفک انداز میں پیش کیے جا رہے ہیں اور تمام ذرائع نشر و اشاعت کو اس "نیک کام" میں لگا دیا گیا ہے — اور پس منظر میں عالمی صیہونیت خوشی اور شادمانی سے تالیاں بجا رہی ہے کہ وہ غیر یہودیوں کا اخلاق خراب کرنے کے "مبارک کام" میں کامیاب ہو گئی ہے!

ہم نے اس ساری بحث میں اخلاقی نقطۂ نظر کو نہیں لیا۔ کیونکہ اگر ایسا کرتے تو کچھ لوگ کہہ دیتے کہ اخلاق کا واقعیاتی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لیکن بیسویں صدی کی جاہلیت میں جو واقعیاتی حقیقت ہمیں صاف اور کھلم کھلا نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اخلاقی بگاڑ ہی انسانی نفس اور انسانی معاشرے کی تباہی کا باعث ہے اور اخلاقی بگاڑ ساری واقعیاتی زندگی میں فوراً سرایت کر جاتا ہے!

واقعیاتی زندگی کا بگاڑ درحقیقت اخلاقی بگاڑ ہی ہے — سیاسی، اجتماعی، اقتصادی

اور جنسی کسی بھی قسم کا بگاڑ ہو وہ درحقیقت انسانی فطرت کا بگاڑ ہے۔ اخلاق زندگی سے غیر متعلق کوئی نظریاتی شئے نہیں ہے۔ بلکہ اخلاق فطرت کے وہ لافانی اصول ہیں۔ جو حقیقی انسانی زندگی میں کارفرما ہیں۔

جاہلیت جدیدہ ——— باوجود ہمہ قسم کی روشن خیالی کے ——— حقیقت فطرت سے زیادہ بے بہرہ ———اور ان اصول فطرت سے جو اخلاق کی نشوونما کرتے ہیں بہت دور ہے۔

آرٹ اور فن کا بگاڑ

آرٹ اور فن زندگی کی ایک شکل ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں! "واقعیت پسند" حضرات کہتے ہیں کہ فن برائے زندگی ہے اور فن برائے فن کوئی چیز نہیں ہے۔

ان حضرات کو غور کرنا چاہیئے کہ تاریخ کے جس حصے میں فن وجود میں آتا ہے اور جب یہ محسوس ہوتا ہے کہ فن برائے فن وجود میں آیا ہوگا۔ اس وقت بھی فن لوگوں کی زندگی کا عکاس ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر لوگ اس فن میں دلچسپی نہ لیتے تو نہ وہ وجود میں آتا اور نہ ہی لوگوں میں رواج پاتا۔ آپ بطور مثال "رومانویت" کو لے لیجئے۔ اس میں زندگی سے فرار اور تخیل پسندی اسی لئے پائی جاتی ہے ــــ کہ یہ فن برائے فن تھا ــ اور اس لئے بھی کہ لوگ اس وقت فی الواقع زندگی سے فراری اور "تخیل پسند" تھے! اس لئے ہم کہتے ہیں کہ آرٹ اور فن زندگی کی ایک شکل ہے۔ خواہ وہ زندگی سے فرار کی عکاسی ہی کیوں نہ کرے!

یہ بحث اصل میں "تنقید فن" سے متعلق ہے۔ لیکن یہاں پہ گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ایک جاہلی معاشرے میں نشوونما پانے والے "جاہلی فنون" کے انحرافات کا علم ہو سکے! کیونکہ فن زندگی کا عکاس ہے۔ اس لئے جوں جوں زندگی بگاڑ کی شکار ہوتی جائے گی۔ اسی قدر فن میں بھی انحراف اور بگاڑ رونما ہوتا جائے گا!

ہم نے اپنی کتاب "اسلامی فن کا طریقہ کار" میں ان تمام فنی موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ یہاں صرف چند اصول کے بیان کرنے پر اکتفاد کریں گے۔

سب سے پہلی اور سب سے اہم بات جو مغربی فنون میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ تمام فنون "وحشی" ہیں۔ وحشی ماحول میں پیدا ہوتے ہیں اور آخر کار انسان کو بھی وحشی بنا دیتے ہیں۔

بیشک ان فنون میں انسانیت کے بہترین اور بلند نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ فنی نمونے انسان کے قلب کی گہرائیوں میں اتر کر اس کے غم والم اور فرح و شادمانی کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں اور انسانی شعور کو عالم بالا تک پہنچا دیتے ہیں۔

اور ان بلند اور اعلیٰ فنی مثالوں کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ فن کو حقیقت میں وحشی ہی ہونا چاہیئے ۔ اور یہ ذہنیت ہی کسی فن کی تحسین و تجرید کا سبب بنتی ہے۔!

فنی انحراف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ نمونوں کا وجود بعینہٖ جاہلیت ہی کی طرح ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ جاہلیت سراپا شر بن جائے اور اس میں خیر و بھلائی کا نام و نشان نہ رہے —— نفس انسانی سرتاپا برائی نہیں بن سکتا۔ اس کے وجود کے کسی نہ کسی گوشے میں کوئی نہ کوئی صداقت ضرور موجود ہوتی ہے! ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ بے ربط اور معمولی سی صداقت انسانیت کو جاہلیت کی تباہ کاریوں سے نہیں بچا سکتی —— بلکہ انسانیت کو اپنی جھولی میں ڈال کر مسلسل وادیٔ ہلاکت کی طرف لڑھکتی چلی جاتی ہے!

تاریخ کے تمام ادوار میں مغربی فن کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ ہمیشہ دیوتاؤں اور انسان کی کش مکش کی عکاسی کرتا رہا ہے:

میں اس وقت یہ نہیں بتا سکتا —— کیونکہ میں نے اس موضوع پر فی الحال غور نہیں کیا۔ بلکہ چاہتا ہوں کہ کوئی دوسرا شخص غور کرے —— کہ جس حد تک مغربی فن نے دیوتاؤں اور انسان کی کش مکش کی عکاسی کی ہے۔ اگر اسی حد تک فن اللہ اور انسان کے مابین صحیح تعلقات کی ترجمانی کرے تو اس وقت فن کی کیا نوعیت ہوگی؟[1]

---

[1] ہندی فن بظاہر فنا فی اللہ کا عکاس ہے اور یہ بات مجھے کسی اور فن میں نہیں ملی۔ بہر حال میری خواہش یہی ہے کہ میرے سوا کوئی اور اس ذمہ داری کو محسوس کرے۔ کیونکہ یہ ایسا موضوع ہے جس کا مطالعہ تاریخ فن پر مزید روشنی ڈال سکے گا!

مغربی فن کا دیوتاؤں اور انسان میں کش مکش کا عکاس ہونا ہی اس میں بگاڑ کا سبب بنا ہے
کیونکہ فن بھی عقیدہ میں رونما ہونے والے درجہ بدرجہ تمام انحرافات سے متاثر ہوتا ہے۔

اثباتِ ذات

یورپ کی ابتدائے تاریخ میں یونانی فن دیوتاؤں اور انسان کی شدید کش مکش کا عکاس رہا اور تمام مشہور یونانی ڈراموں میں اس تخیل کی جھلک پائی جاتی ہے۔

انسان اپنے وجود کا اثبات چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ تقدیر اور دیوتاؤں سے جنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس جنگ میں ہمیشہ انسان حق پر ہوتا ہے اور دیوتا باطل اور ناجائز طریقوں سے اس پر حکمران ہونا چاہتے ہیں۔ اس المیہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ "بطل صالح" —— انسان —— تقدیر یا دیوتاؤں کے ہاتھوں شکست کھا جاتا ہے اور ظالم دیوتا اس پر کوئی رحم نہیں کھاتے۔ بلکہ اس کے اس گناہ پر سزا دیتے ہیں کہ وہ دیوتاؤں کے مقابلہ پر اپنے وجود کو اپنے نفس کا دیوتا اور اپنی ذات کو اپنی تاریخ کا خالق بنانا چاہتا ہے۔

اس المیہ کے اختتام پر یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان نیکوکار اور مظلوم ہے اور دیوتا شریر ظالم ہیں۔ اور ظالم جبروت اور مظلوم نیکوکار میں صلح کا کوئی ذریعہ نہیں ہوا کرتا!

اس جاہلی تصور کے زیرِ سایہ وہ فنی نوادر وجود پذیر ہوتے ہیں جو نفسِ انسانی کی گہرائیوں تک پہنچ جاتے ہیں اور کبھی کبھی انسان کو آفاق کی بلندیوں تک لے جاتے ہیں —— لیکن کش مکش کی پیدا کردہ مسموم فضا ان ساری فنی خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔

اس کی تحلیلِ نفسی کے طور پر یہ توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ یہ انحراف درحقیقت، انسانیت کے زمانۂ طفولیت کا انحراف ہے۔ جس کی تمثیل دورِ یونانی میں نظر آتی ہے۔

بچہ اپنی نگرانی کو توڑ کر اس سے اپنی ذات کا اثبات چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس نگرانی میں اس کی بے چارگی پنہاں ہے۔ جب کہ اس کے بڑے کسی دوسرے کے سامنے مجبور نہیں ہیں —— تو وہ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کے لیے اپنے بڑوں کی نافرمانی اور سرکشی کرتا ہے اور جب یہ بگاڑ حد سے گذر جاتا ہے تو بچہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ بڑے اس کی شخصیت کو کچلنا چاہتے ہیں۔ جتنا وہ آمادۂ سرکشی ہوتا جاتا ہے۔ اتنا ہی بڑے اس کی نگرانی اور دیکھ بھال زیادہ کرتے

جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ بڑوں سے انتقام لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے!

اور اس انحراف سے تحلیلی نفسیات بخوبی واقف ہے۔

بعینہٖ یہی انحراف یونانی جاہلیت میں رونما ہوا۔ اگرچہ اس جاہلیت میں جو فن تشکیل پایا اس میں بعض بہترین نمونے بھی تھے۔ لیکن اس انحراف کی بدنما پرچھائیں سے خالی نہ تھے۔ صرف برومیتھیس کی کہانی ہی اس کش مکش کی عکاس نہیں ہے۔ بلکہ یونانی ڈراموں میں جتنی بھی کہانیاں ہیں وہ سب اسی قسم کی ہیں۔

بہرحال یہ انسانیت کے زمانۂ طفولیت میں ہونے کے باوجود بھی انحراف ہی ہے کیونکہ اوّل تو ہر بچے کے یہ احساسات نہیں ہوتے بلکہ جواباً بچے بھی بڑوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ پھر اگر کبھی کبھی بچہ بڑوں کی روک ٹوک کو محسوس کرتا ہے ــــ کیونکہ نفس تنقید کو ناپسند اور تعریف کو خوشگوار محسوس کرتا ہے ــــ اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اپنی ذات پر اعتماد کرکے اور بڑوں کے تعاون سے مستغنی ہو جائے ــــ لیکن معاملہ نفرت اور کراہت تک اسی وقت پہنچتا ہے جب انحراف ہو۔

یونانی جاہلیت میں یہی انحراف تھا اور یہ انحراف ان کے فن میں پوری طرح واضح ہے کیونکہ فن بھی نفس اور زندگی کی ایک شکل ہے۔ اور زندگی اور فن میں پائی جانے والی یونانی جاہلیت کی نشانیوں میں سے یہ پہلی نشانی تھی۔

وثنی عبادت

دوسری نشانی اور علامت خوبصورت اجسام کی 'وثنی عبادت' ہے جس کے بارے میں لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ فن ہے۔

جاہلیتوں میں اس قسم کے بے شمار خیالات ہوتے ہیں جو تنقید کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔ چنانچہ یونانی زندگی کے بارے میں کہا یہ جاتا ہے کہ اس میں لوگ 'مجرد جمال' کی عبادت کرتے تھے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اس پرستش جمال کے نتیجے میں پوری سوسائٹی بداخلاقی کا شکار تھی اور ساری یونانی تہذیب تباہی سے ہمکنار ہو گئی تھی۔ جیسا کہ یونانیوں کی محبت اور جمال کی کہانیاں

ایسی بداخلاقیوں سے پُر نظر آتی ہیں جس میں انسان اور دیوتا سب سر تا پا ڈوبے ہُوئے ہیں ــ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پرستش جمال کے پس پردہ جسمانی شہوت رانی اصلی محرک تھی !

نشاۃ ثانیہ سے لے کر آج تک مغربی فنون یونانی جاہلیت کے ان دو مندرجہ بالا بگاڑ و انحراف سے متاثر چلی آتی ہے ۔

حضرت عیسیٰؑ کے بعد کچھ وقت کے لیے فن اللہ کی طرف مائل نظر آتا ہے ــ اس شکل میں جو مغربی کلیسا نے اللہ کی بنائی ہوئی تھی۔ اس پہ بھی یونانی اور رومی تصورات غالب تھے کہ اللہ کو ایک محسوس جسم میں ڈھال کر اس کے مجسّمے بنا کر رکھ دئیے تھے[1] اور جب یہ دور ختم ہوگیا تو ہیلینی تہذیب پھر سے فکری اور فنّی رجحانات پہ غالب آگئی اور لوگوں کو لے کر از سرِ نو یونانی وثنیت کی طرف لے گئی۔

پھر یورپ پہ ایک دور ایسا گزرا کہ اس میں یورپ دوہرا کردار ادا کرتا رہا۔ اس وقت یورپ مسیحی بھی تھا اور ہیلینی بھی ! عقیدہ مسیحی تھا اور فکر و فن ہیلینی ! پھر آہستہ آہستہ مکمل وثنیت کی جانب گامزن ہوگیا !

تحریک رومانویت

اس کے بعد وہ دور بھی آیا جب یورپ نے کلیسا اور کلیسا کے خدا سے بھاگ کر طبیعت کی پرستش شروع کر دی !

یہ دور مغربی فن کی تاریخ میں "تحریک رومانویت" کا دور کہلاتا ہے۔ اس میں بھی اللہ کا وجود نظر آتا ہے۔ لیکن اللہ کے تصور میں انحراف ہے ! کیونکہ رومانویت میں صرف "طبیعت" سے دلچسپی کا اظہار نہیں۔ بلکہ طبیعت کی پرستش کی جاتی تھی۔ اور یہیں سے انحراف رونما ہُوا۔

طبیعت کی پکار پہ لبیک کہنا انسانی فطرت کی گہرائیوں میں پیوستہ شعور ہے ! کیونکہ اللہ تعالیٰ

---

[1] یہاں ایک بات خاص طور پہ قابلِ ذکر ہے کہ جب عیسائیوں کا مسلمانوں سے واسطہ پڑا تو یورپ میں ایک تحریک اٹھی تھی جو تمام تماثیل اور مجسموں کو توڑ دینا چاہتی تھی۔ اس تحریک کا علمبردار آٹھویں صدی کا لیوسوم تھا اور یورپ کی تاریخ میں یہ تحریک ۱۲۰ سال کام کرتی رہی۔ لیکن یہ تحریک اس وثنیت کو کچلنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ طبیعت اور پوری کائنات کی پکار پر لبیک کہتا۔ اور ہر نوع جمال کو دیکھ کر مسرور ہوتا ہے۔

لہٰذا "جمال" کی پسندیدگی انحراف نہیں۔ بلکہ جمال پسندی تو انسانی تشخص کا ایک لازمہ ہے اور اس کا نہ ہونا فطرت سلیمہ سے روگردانی ہے!

لیکن عبادت جمال — خواہ وہ کسی شکل میں ہو —— ایک وثنی انحراف ہے۔ جس کی طرف وہ فطرت سلیمہ مائل نہیں ہو سکتی۔ جو خالق جمال کی عبادت کرتی ہے۔ اور جمال و خوبصورتی کے بت تراش کر نہیں پوجتی! اور ان دونوں باتوں میں ظاہر ہے کہ بہت نمایاں فرق ہے!

اس وثنیت کی معقولیت ثابت کرنے کے لئے جو خوبصورت ترین جملے دہرائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ "طبیعت اللہ کی محراب ہے"۔ "جمال اللہ کی صورت ہے۔ اور ہم اللہ کی عبادت اس کی مخلوق کی پرستش کر کے کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سے چمک دار رومانوی فقرے ہیں۔ جو اس وثنی روح پر پردہ نہیں ڈال سکتے جو محسوسات کی پرستش کرنا چاہتی ہے۔ کیونکہ وہ روح کے ذریعہ اللہ کا ادراک نہیں کر سکتی — جبکہ روح محسوسات سے مستغنی ہوا کرتی ہے!

اس معنی میں "تحریک رومانویت" "تحریک وثنیت" ہے۔ واقعیت پرستوں کے اس خیال سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کہ "تحریک رومانویت اس لئے منحرف تھی۔ کیونکہ وہ زندگی کے ساتھ ساتھ نہیں چل رہی تھی بلکہ لوگوں کی فراری ذہنیت کی عکاسی کر رہی تھی[1]

اس بگڑی ہوئی تحریک رومانویت کی بناء پر یورپ نے ایک نئی فنی جاہلیت اپنالی اور اس نئی جاہلیت میں بھی الٰہ پھر سے تبدیل ہو گیا۔

اب نیچر پرستی نہیں رہی .... اب چونکہ انسان نے کائنات کے رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھا دیا ہے اور خود انسانی علم نیچر پر غالب آ گیا تو انسان بھی صنعتی انقلاب، سائنسی

---

[1] ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ تحریک "رومانویت" میں زندگی سے انحراف نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت کے لوگوں کی ذہنیت ہی فراری تھی۔ اس وقت لوگ کلیسا اور جاگیرداری کے مظالم سے راہ فرار ڈھونڈ رہے تھے۔ بہرکیف اس وقت مغرب کے جو بھی حالات تھے وہ ناقابل تبدیل تھے۔ چنانچہ لوگ کلیسا کے الٰہ سے فرار اختیار کرتے ہوئے نیچر پرستی پر مجبور ہو گئے — لیکن درحقیقت یہ وثنیت ہی ہے۔ جس کی بناء پر لوگ اللہ کی عبادت سے منحرف ہو کر ایک محسوس شئے کی عبادت کرنے لگے۔

ترقیات، اور قدرت انسانی کے زیرِ سایہ ایک نئے الٰہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو گیا اور یہ نیا الٰہ خود انسان تھا!

اب انسان کے لیے یہی مناسب تھا کہ وہ اللہ کی غلامی کا وہ طوق گردن سے اتار پھینکے۔ جو اس نے اپنے دورِ جاہلیت میں اپنی گردن میں ڈال لیا تھا۔۔۔ اب تو انسان کو خود ہی الٰہ بننا تھا!

اس مرتبہ بھی مغربی فن نے نئے الٰہ کی پیروی کی اور اس کی تمام تر توجہات طبیعت سے ہٹ کر انسان کی طرف منتقل ہو گئیں۔

اور یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ انسان کو اہمیت دینا بذاتِ خود کوئی انحراف نہیں ہے۔ نہ ہی فن میں اور نہ زندگی میں، کیونکہ یہ فطری امر ہے کہ انسان اپنے وجود کو اہمیت دے اپنی زندگی اور جذبات کی عکاسی کرے۔ اپنی مشکلات کا حل تلاش کرے اور دنیا میں اپنی جدوجہد کو تیز تر کرتا چلا جائے۔۔۔! بلکہ انحراف انسان کی عبادت کرنا ہے۔

اس عرصہ میں مغربی فن کا انسانیت کو اہمیت دینا الٰہ کے لیے ایک چیلنج رہا۔

ادبِ الحاد

مغربی فن کاروں کے یہاں مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ فن کو خدا اور مذہبی افکار سے دور رکھا جائے۔ بلکہ ہر مذہبی خیال کا مذاق اڑانا اور ہر اللہ کا نام لینے والے پر پھبتی کسنا بھی ان کے مقاصد میں شامل تھا!

مذہبی لوگوں کا مذاق اڑانے کا صرف یہ مقصد نہیں تھا کہ یہ لوگ جادۂ حق سے منحرف ہو گئے اور فن کار اپنی تنقید سے ان کو صحیح راہ دکھانا چاہتے ہیں اور مذہب کو لوگوں کے سامنے لانا چاہتے ہیں، بلکہ مقصود یہ تھا کہ مذہبی لوگوں کا مذاق اڑا کر اس کے پردے میں مذہب کے اصول کا ٹھٹھا اڑایا جائے اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی سادہ لوحی پر قہقہے لگائے جائیں۔

غرض یہ 'ملحدانہ ادب' دنیا میں اشاعت پذیر ہوا۔ اور یہ وہ ادب تھا جو اللہ پر الزام دھرنے اور اللہ کے بندوں کا مذاق اڑانے میں بڑا مشاق تھا ــــــ اور اسی ادب کا نام "آزادیٔ فکر" رکھا گیا۔

بعینہٖ اسی وقت دو اور جاہلی محرکات فن کو مزید انحراف کی طرف لے جا رہے تھے۔ یہ دو محرکات تھے۔ انسانی وجود کی حیوانی تعبیر ــــ اور انسانی عمل کی جنسی تعبیر ــــــ!

انسانی وجود کی حیوانی تعبیر کے زیر سایہ جو فن تشکیل پایا اس کا نام "طبیعی فن" رکھا گیا۔ اس فن نے انسان کی تصویر کشی کچھ اس طرح پہ کی۔ کہ انسان اپنی طبیعت اور فطرت ہی کے لحاظ سے نہایت درجہ کمینہ، دھوکہ باز اور مفاد پرست ہے۔ اس کے پاس نہ کوئی اخلاقی سرمایہ ہے اور نہ کوئی ضابطۂ زندگی! — سارے اخلاق معاشرے سے منافقت کے نتیجے میں رونما ہوئے ہیں اور اس سے زیادہ ان کی کوئی حقیقت نہیں (ذرا غور کیجیے!) انسان نے آخر اس منافقانہ اخلاق ہی کو کیوں اختیار کیا۔ کیا منافقت ہی اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ انسانیت کا تقاضا کیا ہے؟)

رہ گیا دوسرا محرک — یعنی انسانی عمل کی جنسی تعبیر سو اس نے ایک مکمل فن ترتیب دیا ہے۔ اور اس فن کے مختلف گوشے یہ ہیں — فحش ادب، عریاں تصاویر، سینما افسانے، گانے، وغیرہ!

غرض یہ فن رواج پا گیا — اور اس کے پس پردہ عالمی صیہونیت غیر یہودیوں کا اخلاق تباہ کرنے کے لیے کام کرتی رہی۔

یہ سارے انحرافات کسی ایک مرحلے پر آ کر ختم نہیں ہو گئے بلکہ فن بھی ان تمام انحرافات سے دوچار ہوا۔ جو تصور اور عمل میں پائے جاتے تھے۔ ساتھ ہی نفس انسانی کے بارے میں موجودہ تصور بھی فن پر اثر انداز ہوا۔

سریالیت

چنانچہ "لاشعور" کے بارے میں فرائڈ کے نظریات سے ادب اور فن میں "سریالیت" نے جنم لیا اور تجریدی آرٹ اور جدید فن کی دیگر بدعتیں رونما ہوئیں! سب کی بنیاد یہی فلسفہ ہے کہ "عقل شعور" انسانی وجود میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ بلکہ اصل چیز "لاشعور" ہے لیکن یہ دلیل نہایت کمزور ہے کہ لاشعور ہی انسان ہے۔ کیونکہ اس امر سے کیا مانع ہے کہ لاشعور اور شعور دونوں کا مرکب انسان ہو؟

اور یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ فرائڈ سے پہلے ہر شخص اس بات کو سمجھتا تھا۔ انسان کو معلوم تھا کہ اس کے کچھ افکار مرتب اور منظم ہیں اور کچھ مشاعر ایسے بھی ہیں۔ جن میں

کوئی منطقی ربط نہیں ہے اور یہ دونوں مل کر انسانی وجود کی تشکیل کرتے ہیں :

نظریۂ فردیت سے وہ فنون ظہور پذیر ہوئے جو اجتماعیت کی شکست وریخت چاہتے تھے ـــ اس نظریہ میں فرد کو دیوتا کا مقام حاصل ہے۔ کوئی بھی معاشرہ فرد پہ حکمران نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کے اخلاق عادات اور تصرفات کا نگران قرار دیا جا سکتا ہے ۔

لیکن اس نظریہ کے ماننے والے یہ غور نہیں کرتے کہ اگر معاشرہ ختم ہو جائے تو فرد کا وجود کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ اور اگر کسی وقت معاشرہ ختم ہو کر صرف افراد رہ جائیں۔ جو اپنی خواہشات کے بندے ہوں۔ نہ کوئی اصول ان کی راہ روک سکے اور نہ کوئی قانون رکاوٹ بن سکے ـ تو ان افراد کا کیا حال ہو گا ؟

فلسفہ موجودیت

فلسفۂ ارتقاء ـــ کائنات کے خود بخود ـــ اور بلا مقصد وجود نے "وجودیت"[له] کا ایک فلسفہ تراشا ہے۔ ذرا آپ البیر کامو کا مطالعہ کریں۔ جو کائنات کے سامنے انسان کی حیرت واستعجاب بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ انسان اس عظیم کائنات میں کس طرح اپنے وجود کو حقیر خیال کرتا ہے اور انسان کس قدر قلق واضطراب کا شکار رہتا ہے۔ جس وقت اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے وجود میں کسی حکمت وتدبیر کا کوئی دخل نہیں ہے ۔

اس کے بعد فن میں پھر ایک بنیادی انحراف رونما ہوا اور وہ یہ کہ اب انسان معبود نہیں رہا۔ اب معبود جبریات بن گیئں۔ چنانچہ فن بھی جبریات کی طرف متوجہ ہو گیا اور انسان کی تعبیر جبریات کے ماتحت کرنے لگا ۔

فن کے موجودہ اسکول جنہیں "اجتماعی مذاہب" کا نام دیا جاتا ہے ان کا موضوع انسان نہیں رہا۔ بلکہ انسان تو ایک ایسا عدسی شیشہ ہے جس میں سے اجتماعی جبریت، اقتصادی جبریت اور تاریخی جبریت کا مطالعہ کیا جاتا ہے ۔

اب انسان ثانوی شئے ہے۔ بنیادی شئے اجتماعی اقتصادی اور تاریخی نظم ہے۔ جس کو یہ زندگی جنم دیتی ہے اور انسان پردۂ سیمیں پہ حرکت کرنے والی ایسی تصویر ہے جس کو یہ جبریات حرکت

له

دے رہی ہیں۔

اور یہ جبریات ہی اب وہ "پیمانہ" ہیں۔ جس پر انسانی زندگی رواں ہے!

اب انسانیت کی ناپ تول کے لیے ادراک و شعور سے بالا تر یونانی پیمانہ نہیں ہے۔

بلکہ موجودہ پیمانہ احساس و شعور میں آتا ہے۔

اس کے باوجود انسان میں اور اس پیمانہ میں وہ ہی کش مکش ہے جو انسان میں اور پرانے یونانی پیمانے میں تھی۔ ہاں ایک فرق ضرور ہے اور وہ یہ کہ موجودہ جبر بتوں کے دیوتا جو کچھ کرتے ہیں درست کرتے ہیں —— اور ایک فرق اور بھی ہے کہ اب انسان اپنی ذات کے اثبات کی کوشش نہیں کرتا۔ کیونکہ انسان کا وجود ان جبر بتوں میں پس کر ضائع ہو چکا ہے۔!

ان لا متناہی انحرافات کی موجودگی میں مغربی فن نے آرٹ کے بے مثال انسانی نمونے پیش کیے ہیں! البتہ ان انحرافات کی بنا پر ان کے چہرے مسخ ہو کر رہ گئے ہیں!

فن کے ان نمونوں میں بہتر ادائیگی۔ اور انسانی زندگی اور اس کی نفسیات کے بعض گوشے کچھ اس طرح اجاگر کیے گئے ہیں کہ بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ کاش یہ نمونے جاہلی انحرافات کا شکار ہو کر اپنا حسن نہ کھو بیٹھتے!

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض فنی شہ پارے انحراف کی لعنت سے بچ گئے ہیں۔ کیونکہ یہ ہم بتا ہی چکے ہیں کہ نفس انسانی کبھی بھی شر میں اتنا ملوث نہیں ہوا کرتا کہ اس میں خیر کا نام و نشان ہی نہ رہے! اس لیے فن کے یہ نمونے جو انحراف سے بچ گئے۔ اس قابل ہیں کہ ان کو تاریخ میں محفوظ کیا جائے۔ مگر اکثر شہ پاروں کو انحراف نے کہیں نہ کہیں سے داغدار کر دیا ہے جیسے ایک خوبصورت چہرہ کہیں کہیں سے آگ میں جھلس جائے۔! اس کے برعکس کثیر تعداد میں فن کے وہ نمونے جو شہ پاروں کا درجہ نہیں رکھتے —— اور اس قسم کے نمونے کثرت سے ہیں —— تو ان میں نہ کوئی خوبصورتی ہے اور نہ کوئی حسن —— بس انحراف ہی انحراف ہے!

جنسی ادب

جنسی ادب جس میں انسانی زندگی کو بھڑکتی ہوئی اشتعال انگیز جنسی کی اشتہا کی صورت میں

پیش کیا گیا ہے تو یہ تو بالکل ہی حقیقت سے بعید، حسن سے عاری اور فنی پہلوؤں سے تہی ہے، اور اسی طرح رنگین ادب جس میں لاشعور کی ہذیان سرائی ہی انسانیت متصور ہوتی ہے یہ بھی حسن و خوبصورتی سے عاری ایک بے حقیقت شے ہے۔

غرض ان جملہ انحرافات میں مبتلا ہو کر مغربی فن ایک مکمل لامعقولیت بن گیا اور یہی لامعقولیت دورِ جدید کے یورپ کا کمال بن گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے بھٹکی ہوئی انسانیت کے تمام تجربات اپنے دامن میں ناامیدی اور یاس سمیٹے ہوئے ہیں اور ایسی ہلاکت و تباہی پر مشتمل ہیں کہ ہر گام پر انسانیت منہ کے بل گرتی ہے اور خوار ہوتی ہے۔

آپ ہی سوچیے کہ انسانیت مادیت، سرمایہ داری، اشتراکیت، انفرادیت اور اجتماعیت تمام تجربات سے گزر چکی ہے، لیکن ان میں سے کس تجربے نے انسانیت کو سکون و اطمینان بخشا، البتہ یہ ضرور ہوا کہ انسانیت ہر تجربے میں ناکام ہو کر زندگی کے ہر پہلو میں لامعقولیت اختیار کرتی چلی گئی، حتیٰ کہ جذبات و شعور کی ساری دنیا اسی لامعقولیت کا شکار ہو گئی اور یہ وہ جاہلیت جدیدہ ہے جس میں انسان کی یقین کی ساری پونجی لٹ چکی ہے اور اب اس کے پاس قلق و اضطراب اور حیرت و بے چینی کے سوا کچھ باقی نہیں بچا ہے۔

مغربی فن کے شاہکاروں کا یہ مختصر جائزہ ہے اور یہ فن یونان کی جاہلیت سے چل کر ہر دور کی جاہلیت سے گزرتا ہوا، بیسویں صدی کی جاہلیت تک اس حالت میں پہنچا ہے۔ جو ہمارے سامنے ہے۔ اس میں جاہلیت کی چمک دمک اور رنگینی بھی ہے لیکن سب بے کار ہے کیونکہ صحیح خطوط پر استوار نہیں ہے۔

یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ فن اپنے آپ کو جاہلیت سے آزاد کر دے اور انحراف سے بچ جائے کیونکہ فن تو بہرحال زندگی ہی کا عکاس ہوتا ہے اور زندگی پوری طرح جاہلیت زدہ اور انحراف آشنا ہے!

ہر شے میں بگاڑ

اس جاہلی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہیں رہا۔ جس میں بگاڑ نہ پایا جاتا ہو۔ کیونکہ ــــ ہم نے جاہلی زندگی کے ہر شعبے کا جائزہ لیا اور اس تفصیلی جائزے سے یہی علم ہوا کہ نفسیات ہو، یا اجتماعیات، سیاسیات ہو یا معاشیات اخلاق ہو یا فن، فکر ہو یا عمل پوری کی پوری زندگی فساد اور بگاڑ کا شکار ہے!

ہاں ایک چیز ہے جو اس بھیانک جاہلیت میں لوگوں کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ اور یہ خیرہ کن شے سائنس ہے!

بلاشبہ سائنس نے انسانی زندگی میں لامتناہی اور لاتعداد سہولتیں فراہم کر دی ہیں انسان کے سامنے مستقبل میں پیش آمدہ ترقیات کا دروازہ کھول دیا اور بڑی بڑی تسخیرات پر انسان کو قدرت عطا کر دی ہے!

مگر سائنس کی ان خیرہ کن ترقیات نے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے اور ایک بہت بڑے جاہلی وہم میں مبتلا کر دیا ہے ــــ اور وہ یہ کہ جب تک سائنس ترقی کرتی رہے گی انسانی زندگی بھی ٹھیک خطوط پر ترقی کرتی رہے گی۔

یہ ایک جاہلی فریب ہے۔ جس کی بے شمار مثالیں تاریخ سے پیش کی جا سکتی ہیں! ہر جاہلیت اپنا تہذیب و تمدن رکھتی ہے۔ جس کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک یہ تہذیب و تمدن زندہ ہے۔ اس سے زیادہ ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ــــ لیکن نتیجہ ہمیشہ یہی ہوا کہ اپنے بنیادی بگاڑ اور انحراف کی بناء پر یہ تہذیبیں اور جاہلیت زوال پذیر ہو گئیں!

جہاں تک علمی اور سائنسی ترقیات کا سوال ہے تو یہ اس جاہلیت کی پیداوار نہیں ہیں۔ علم تو ہمیشہ انسان کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا ہے اور علم کو خیر و شر سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ خیر ہو یا شر ہر ایک علم کو اپنے مقصد کے حصول میں لگا دیتا ہے۔

علم کا اصل محرک تو خود انسان کی ذات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں علم کی محبت، حصول طاقت کا جذبہ اور کائنات کی قوتوں پر قادر ہونے کی امنگ پیدا کی ہے۔

علم کا تعلق انسان کی عقل سے ہے ضمیر سے نہیں ہے اور عقل انسانی زندگی کے سفر میں کسی مرحلہ پر ٹھہر نہیں جاتی۔ بلکہ انسانیت کے ساتھ ساتھ سفر کرتی رہتی ہے۔ خواہ یہ سفر درست اور صحیح خطوط پر ہو یا غلط اور تاریک راہوں پر!

کیونکہ غلط یا صحیح تو وہ طریقہ ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے علم کو کام میں لایا جاتا ہے اور زندگی کے وہ میدان ہوتے ہیں جہاں علم کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اس تمہید کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ علم اور جاہلیت دو علیحدہ شے ہیں۔ نہ تو علم اس جاہلیت کی پیداوار ہے کہ اس علم کی خاطر جاہلیت کو بھی اپنا لیا جائے اور نہ ہی علم کی رفتار ترقی رک سکتی ہے۔ اگر جاہلی نظم کو نکال کر اسلامی نظام برپا کر دیا جائے!

اس سے قبل تاریخ میں انسانیت اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چل چکی ہے — اور اللہ کے راستے پر چلنے کی بنا پر علم کو حیرت انگیز ترقی حاصل ہوئی اور ایک ایسی عظیم الشان علمی تحریک برپا ہوئی۔ جس نے یورپ کو "تجربی اسکول" سے روشناس کرایا اور یہ وہی علم ہے کہ جس کے خیرہ کن نتائج آج تک ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علم جاہلیت جدیدہ کی پیداوار نہیں ہے۔ بلکہ جاہلیت جدیدہ تو علم کو تباہی کے راستے پر لے گئی ہے!

علم درحقیقت انسانیت کی پیداوار ہے۔ جس کی جڑیں تاریخ میں دور تک پیوست ہیں ایک قوم دوسری قوم کو خزانہ علم سپرد کرتی رہی۔ حتیٰ کہ دور جدید میں یہ ذخیرہ یورپ کے ہاتھ لگ گیا! یورپ نے اس علم کی ذریعہ بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن یورپ انحراف کا شکار ہوا

تاریک جاہلیت

اگر جاہلیت جدیدہ سے علم (سائنس) بھی جدا کر دیا جائے تو بھیانک اور تاریک جاہلیت کے سوا کچھ باقی نہیں بچتا، بہرحال چند فوائد ضرور ہیں جو جدید جاہلیت میں انسانیت کو حاصل ہوئے ہیں مثلاً سیاسیات، اجتماعیات، اقتصادیات، اخلاق اور فن کے بارے میں کچھ موشگافیاں ہیں کہیں کہیں معمولی سا انصاف اور کسی قدر سرمایۂ افتخار انسانیت کو حاصل ہوا جو بلاشبہ عظیم فوائد ہیں۔ کیونکہ جاہلیت اپنی ہر خوبی کو بڑھا چڑھا کر بتانے کی عادی ہوتی ہے۔

لیکن — جاہلیت کے اس سارے سرمائے اور ان تمام فائدوں کا پیمانہ یہ نہیں ہے کہ جاہلیت نے جس طرح ان فوائد کو عدسی شیشوں سے بڑا کرکے دکھایا ہے۔ آپ اس پر خوش ہو لیں۔ بلکہ اصل پیمانہ یہ ہے کہ ان تمام خیر کے پہلوؤں کے بالمقابل دیکھا جائے کہ شر کتنا ہے۔ ظلم و طغیان کس درجہ ہے — ہمیں یہ بات ہرگز نظر انداز نہ کرنی چاہیئے کہ ایک معمولی سے خیر کے بدلے ایک بھیانک شر پوری انسانیت کو ہڑپ کر گیا ہے!

سرمایہ دارانہ آمریت اور پرولتاری آمریت نے انسانیت کو کتنی بڑی ذلت سے ہمکنار کر دیا ہے۔ "سرکش ملکیت" غیر مالکوں کو غلام بنا رہی ہے۔ اور ملکیت کا طاغوتی انتزاع بھی غیر مالکوں کو غلام بنا رہا ہے۔:

بے لگام فردیت معاشرے کی توڑ پھوڑ کر رہی ہے۔ اور اجتماعیت انفرادی تشخص کو کچل رہی ہے! اور اخلاقی گراوٹ کی کوئی انتہا باقی نہیں رہی ہے!

جنسی تعلقات کا فساد اتنا ہمہ گیر ہے کہ وہ نفسِ انسانی اور معاشرے کو محیط ہو گیا ہے اور اس فساد سے جو قلق و اضطراب انسانی زندگی میں واقع ہوا وہ ناقابل بیان ہے:

— فن کی غلط توجیہہ — جو نفس انسانی کے فساد کا باعث بنی ہوئی ہے۔

— غرض زندگی کا کوئی گوشہ اور حیات انسانی کا کوئی پہلو فساد و طغیانی سے خالی نہیں رہا!

— اور دنیا میں جو رہی سہی بھلائی ہے — خواہ اسے کتنا ہی بڑا کر کے کیوں نہ دکھایا جائے

— وہ اس عظیم شر کے بالمقابل بالکل بے حقیقت اور ناقابل ذکر ہے!

اس خیر اور بھلائی کی اتنی سی حقیقت ہے کہ "طاغوت" انسانیت کو دھوکہ اور فریب

میں مبتلا کرنے کے لیے کچھ بھلائی اور فائدے بخش دیتا ہے۔ تاکہ اس کی حاکمیت بغیر کسی مزاحمت کے قائم ہو سکے اور لوگ بلا چون وچرا طاغوت کی غلامی کا پھندا اپنی گردنوں میں ڈال لیں۔!

ان سب باتوں کے باوجود، دنیا پہ چھائی ہوئی جاہلیت جدیدہ خطرناک مستقبل سے دوچار ہے۔ خواہ لوگ برضا و رغبت طاغوت کی غلامی میں رہیں یا اس کی غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لیے جدوجہد کریں ـــــ جاہلیت کا مستقبل بہرحال لوگوں کے اختیار سے باہر ہے!

اللہ کی سنت

کچھ اللہ کی بنائی ہوئی "تقدیریں" اور اس کی تخلیق کردہ "جبریتیں" بھی انسانی زندگی میں اپنا عمل کرتی ہیں ـــــ اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر اور اللہ کی قائم کردہ جبریت کا تقاضہ یہ ہے۔ کہ یہ جاہلیت ہمیشہ ہمیشہ باقی نہیں رہے گی۔ بلکہ کبھی نہ کبھی اس کو ختم ہونا ہے ـــ یہ جاہلیت اپنے اندر غالب اور کثیر شر کی موجودگی کی بناء پر ختم ہو جائے گی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (سورۃ احزاب ۶۲)

یہ اللہ کی سنت ہے، جو ایسے لوگوں کے معاملہ میں پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

لیکن اللہ کی سنت جو اس جاہلیت کا خاتمہ مقدر کر چکی ہے وہ یہ نہیں چاہتی کہ اس جاہلیت کے بعد لازمی طور پہ "خیر" کی حکومت ہو جائے، بلکہ یہ انسانیت کو اختیار دیا گیا ہے کہ طاغوت کے خاتمہ پر چاہے۔ تو وہ ہدایت کو اپنا لے اور چاہے کسی دوسرے طاغوت کی حکمرانی تسلیم کر لے جس طرح سرمایہ داری کا طاغوت تباہی کا شکار ہوا تو فوراً "اشتراکی طاغوت" لوگوں کو اچک

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (سورۃ رعد ۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

اس لیے مناسب ہے کہ لوگ اس جاہلیت کے خاتمہ سے پہلے غور و فکر کر کے اپنا راستہ متعین کر لیں۔ کہ کیا اس طاغوت کے بعد اپنے آپ کو کسی نئے طاغوت کے سپرد کر دینا ہے یا اس جاہلیت کا کوئی علاج تلاش کرنا ہے؟ اور اس جاہلیت کا علاج ہو سکتا ہے!

اسلام کے سوا کوئی راہِ نجات نہیں ہے

برٹرینڈ رسل کہتا ہے :-

"سفید فام لوگوں کی قیادت کا دَور ختم ہو چکا ہے" !

یہ کوئی پیشین گوئی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت واقعیہ ہے۔ جسے ہم عصر فلسفی نے اپنے روشن ذہن کی بناء پر محسوس کر لیا۔ لیکن عام لوگ اس حقیقت کو محسوس نہ کر سکے۔ جبکہ عوام الناس کی پیشوائی کو "دانشوروں" کا ایک جمِ غفیر بھی موجود ہے !

لیکن رسل نے بھی اس حقیقت کو پوری طرح محسوس نہیں کیا کہ جاہلیت بذاتِ خود ختم ہونے والی ہے۔ کیونکہ رسل خود جاہلیت جدیدہ کے زیرِ سایہ زندگی گزار رہا ہے !

سفید فام نسل کی تہذیب تنزّل اور انحراف کا شکار ہو چکی ہے : چنانچہ اب اس کا خاتمہ بھی قریب ہے۔ لیکن اس تہذیب کے خاتمہ کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ اس کے بعد نظام خیر نافذ ہو جائے — جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں :

کہ کسی بھی جاہلیت کا خاتمہ ایک ایسا "عرصہ انتقال" ہوتا ہے۔ جس میں انسانیت کو یہ موقع ملتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اللہ کی بتائی ہوئی جادۂ حق کو اپنا لے، اس پر ایمان لے آئے۔ اور اسی کو راہِ نجات سمجھ کر اپنی زندگی کو نظامِ خیر کا تابع بنا دے !

اگر انسانیت اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتی۔ اور اللہ کے بتائے نظام حکم کو قائم کرنے کے لیے پوری جدوجہد نہیں کرتی تو نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ انسانیت ایک جاہلیت سے نکل کر دوسری جاہلیت کی نذر ہو جاتی ہے اور ایک طاغوت کے پنجے سے نکل کر دوسرے طاغوت کی بھینٹ

چڑھ جاتی ہے۔

البتہ اب کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت راہ ہدایت اختیار کرے گی —— کیونکہ اس جاہلیت جدیدہ میں انسانیت نے ہر اس نظام کو اپنا کر دیکھ لیا۔ جس کا خیال بھی انسانی ذہن میں آسکتا تھا —— فردیت ہو یا اجتماعیت —— سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت —— ملکیت ہو یا لاملکیت —— ہر نظام کو برت کر دیکھ لیا ہے : انسان نے اکل و شرب لباس، رہائش اور جنسی لذت کا بھی تجربہ کر لیا۔ انسانیت اپنے تراشیدہ ہر دیوتاؤں پر ایمان بھی لا چکی ہے اور خود "انسان" نے بھی الٰہ بن کر دیکھ لیا!

لیکن ہر تجربہ انسانی زندگی میں حیرت، بدبختی اور اضطراب کی زیادتی کا باعث بنا ہے۔ اور اب بھی دو ہی راستے سامنے ہیں۔ ایک راستہ ہے اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم — اور دوسرا راستہ ہے ہمہ گیر تباہی کا!!

انسانیت کا مستقبل

ہم انسانیت کے مستقبل کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں کر رہے ہیں ——

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (سورۂ نمل ۶۵)	آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین یعنی عالم میں موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا۔
وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا	کوئی متنفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرنے والا ہے۔ (سورہ لقمان ۳۴)

بلکہ —— ہم صرف اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ "سنت" بیان کر رہے ہیں ——

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا	یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملہ میں پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے (سورۂ احزاب ۶۲)

اور جاہلیت جدیدہ میں جن تلخ تجربات سے انسانیت گزر رہی ہے۔ اس کے پیش نظر سنت اللہ بتلاتی ہے —— کہ دو ہی راستے ہیں —— یا —— ہدایت یا ہمہ گیر ہلاکت ...

جاہلیت اس وقت تک اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے۔ جب تک اس میں خیر کا کوئی پہلو

باقی رہا اور جب شر خیر پر غالب آجاتا ہے اور خیر و بھلائی مٹ جاتی ہے تو پھر اللہ کی سنت حالات میں ایک نیا تغیر اور ایک نئی تبدیلی لے آتی ہے ـــــ لیکن اس تغیر و تبدیلی میں انسان کی کوشش ہی کام آتی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (سورۃ رعد ۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔ (سورہ رعد ۱۱)

اللہ کی سنت ـــ یا تو روئے زمین کو اس کی پوری سرکشیوں کے ساتھ زمین میں دفن کر دیتی ہے ـــــ یا ـــــ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کر لیتے ہیں ـــ اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگتے ہیں۔

اب ہم تاریخ انسانی کے اس مرحلہ پر آگئے ہیں۔ جہاں اللہ کی منشا کو حرکت میں آنا چاہیئے کیونکہ دنیا میں طاغوت کی سرکشیاں حد سے گذر چکی ہیں اور خیر کا اثر بالکل زائل ہو چکا ہے۔ اور خیر اس قابل نہیں رہی کہ طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کر سکے ! اور اب انسانیت کو اختیار رہے ـــ یا ـــــ تو اللہ کے راستے سے دُور رہتے ہوئے ہمہ گیر تباہی کا شکار ہو جائیں ـــــ یا ۔ اللہ کی ہدایت کو اپنا کر سکون و اطمینان حاصل کر لیں !

لیکن ہمیں انسانیت سے بھی اور اللہ کی تقدیر سے بھی حسن ظن ہے۔ کیونکہ ہم نہیں خیال کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تباہی مقدر فرما دی ہوگی ! اس لیے اب انسانیت کے لیے راہِ نجات 'اسلام' ہی ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

بے شک دین حق اور مقبول اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔

انسانیت کو جاہلیت، ضلالت، شقاوت، حیرت، قلق و اضطراب اور زندگی و افکار کی پراگندگی سے سوائے اسلام کے اور کوئی نظام نجات نہیں دلا سکتا !

کیونکہ تاریخ میں جب بھی کبھی کسی نظام نے انسانیت کو جاہلیت سے نجات دلائی ہے۔ وہ اسلام ہی نے دلائی ہے۔

وہ اسلام جس کو نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ۔!
اور اللہ کے آخری دین میں یہ اسلام مکمل ہوگیا!

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورہ مائدہ ۳)

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا۔ اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔

یہی اسلام اپنی آخری اور مکمل شکل میں دنیا کی تمام جاہلیتوں کا واحد علاج ہے اور بالخصوص جاہلیت جدیدہ کا! کیونکہ جس جس مقام پر جاہلیت نے انحراف کیا ہے وہیں اسلام اس کی اصلاح کرتا ہے چنانچہ فکر و عمل سیاسیات، اقتصادیات و اجتماعیات اخلاق و فن اور جنسی علائق —— غرض زندگی کے ہر گوشے میں اسلام انسانیت کی صحیح صحیح راہنمائی اور جاہلی انحراف کی پوری پوری نشاندہی کرتا ہے۔

جاہلیت جدیدہ نے جس طرح انسانیت کو برباد کیا اور انسانی زندگی کے تمام معاملات کو خلل اور انتشار کا شکار بنا دیا تھا اس پر نظر کرنے کے بعد ہم دیکھیں گے کہ اسلام ان تمام معاملات میں کیا رہنمائی دیتا ہے اور کس طرح انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو مستقیم بنیادوں پر کھڑا کر کے پوری انسانیت کو استقامت عطا کرتا ہے کہ کلیات اور جزئیات سب اپنی اپنی جگہ صحیح اور مناسب نظر آتے ہیں۔

فکر کی استقامت

اللہ کے بارے میں کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں جاہلیت کے جس قدر تصورات ہیں سب انحراف کا شکار ہیں! اور جاہلیت کے اسی فکری انحراف کی بناء پر اس کی سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق اور فن غرض عملی زندگی کا ہر پہلو انحراف پذیر ہو چکا ہے لیکن جس وقت فکرِ انسانی مستقیم ہو جائے گی یہ تمام امور درست ہو جائیں گے۔ کیونکہ عمل فکر ہی سے ابھرتا ہے۔ اگر فکر مستقیم ہوگی تو عمل بھی مستقیم ہوگا اور اگر فکر منحرف ہوگی تو عمل بھی انحراف سے دوچار ہوگا۔!

تاریخ میں ایک مرتبہ انسانی فکر مستقیم ہو چکی ہے۔ جس وقت رسول اللہ نے امت مسلمہ کو اسی مستقیم فکر پر تربیت دی تھی جس امت مسلمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ	تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت جو لوگوں
لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ	کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ	کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو
وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (سورۂ آل عمران ۱۱۰)	اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

جب امت مسلمہ کی فکر مستقیم ہو گئی اور اس کا تصور اللہ کی ہدایت کے مطابق درست ہو گیا تو زندگی کے تمام معاملات صحیح بنیادوں پر استوار ہو گئے اور تاریخ کی ایک عظیم نشاۃ برپا ہو گئی۔ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ اس جماعت نے ساری دنیا میں اللہ کی ہدایت کی روشنی پھیلا دی — باوجودیکہ کچھ وقت گذرنے کے بعد مسلمان بھی صراط مستقیم سے کسی قدر منحرف ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ تمام دنیا کے لیے روشنی کا مینار بنے رہے۔ لوگوں کو تعلیم دیتے رہے اور راہِ راست کی طرف بلاتے رہے۔

جب مسلمانوں میں اپنے اندر کمزوریاں رونما ہو گئیں اور ان کی قومی حرکت رک گئی تو جاہلیت جدیدہ نے انہیں اچک لیا اور مسلمان اللہ کے راستے کو چھوڑ کر شیطانی راستوں پر چل پڑے[1]۔ بہرکیف موجودہ دور میں مسلمانوں کی کیسی ہی گئی گذری حالت کیوں نہ ہو۔ اسلام ان مسلمانوں کے ساتھ مقید نہیں اور نہ ان کی رکاوٹ اسلام کے پھیلنے کی رکاوٹ بن سکتا ہے:

اسلام پوری انسانیت کے لیے اللہ کا نور ہے اور اس کے دروازے ہر بنی نوع انسان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً	اور (اے نبیؐ) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے
لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا	لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (سورۂ سبا ۲۸)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً	اور (اے نبیؐ) ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام

---

[1] دیکھئے کتاب "کیا ہم مسلمان ہیں؟" (هل نحن مسلمون) ترجمہ: ساجد الرحمن صدیقی۔

یٰٓاَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ جہان والوں کے لیئے رحمت کے طور پر

جاہلیت جدیدہ میں جس قدر بھی انحرافات ہیں۔ اسلام ان کو درست اور مستقیم کرتا ہے۔ جاہلیت کا عظیم ترین انحراف جس سے فکر و عمل کے تمام انحرافات رونما ہوئے ہیں اور انسانیت شقاوت و بدبختی کا شکار رہی ہے، وہ اللہ کی حقیقت کو نہ پہچاننا ہے۔ اسی سے اللہ کی جلالت میں بھی انحراف پیدا ہوا۔ اور

اسلام بعینہ اسی نقطہ سے اصلاح شروع کرتا ہے۔

قرآن نے پورے تیرہ سال "الوہیت" اور اعتقاد کے مسئلہ پر صرف کیئے ہیں ——

اس کی وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ عرب بت پرستی میں بُری طرح ملوث تھے۔ بلکہ بنیادی اور اہم سبب یہ تھا۔ کہ دراصل عقیدہ ہی انسانی زندگی کا محور گردش ہے جب تک عقیدہ درست نہ ہو انسانی زندگی مستقیم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایک غلط عقیدہ پر انسانیت کی جو بھی عمارت اٹھائی جائیگی وہ کچھ وقت بعد اپنی بنیادوں پر آ رہے گی!

عقیدۂ توحید

جاہلیت جدیدہ اس حقیقت کا پورا پورا مصداق ہے۔ ہم صاف دیکھ رہے ہیں، کہ پوری انسانی زندگی میں صرف اس لیئے بگاڑ رونما ہوا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں الوہیت کا عقیدہ منحرف ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مکی دور میں قرآن کریم نے صرف عقیدۂ الوہیت اور توحید پر زور دیا۔ اور پھر جب اسلامی معاشرہ تشکیل پذیر ہو گیا اور مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو قرآن عبادات اور معاملات سے متعلق قوانین لے کر آیا —— اور امت کو وہ ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ جن کو لے کر اسے انسانیت کے سامنے آنا تھا! لیکن ان قوانین و احکام کے بیان کے ساتھ عقیدہ مستقل پیوست اور ساتھ ساتھ رہا[1]

اسلام نے "الوہیت" اور "عقیدہ" کے بارے میں ایک واضح نظریہ دیا ہے —— اور وہ یہ ہے کہ "اللہ ہی خالق ہے۔ اللہ ہی مدبر کائنات ہے۔ اللہ ہی رازق ہے۔ اللہ ہی مالک ہے۔ اللہ ہی کا غالب ہے اور اللہ ہی معبود ہے"۔

---

[1] "قرآن کے زیر سایہ" میں مائدہ انعام اور اعراف کی تفسیر دیکھئے۔ (فی ظلال القرآن)

ترجمہ ابتدائی چار پارے —— ساجد الرحمٰن ...

اسلام کا یہ عقیدہ نہایت ہی سادہ، حد درجہ آسان اور غیر معمولی طور پر واضح ہے۔ اس میں نہ فطرتِ الوہیت میں کسی پیچیدگی ہے اور نہ اعتقاد میں کوئی الجھن! یہ عقیدہ بتاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ـــ پوری کائنات ـــ زمین و آسمان ـــ میں اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے ـــ نہ اس کے سوا کوئی خالق ہے، نہ اس کے سوا کوئی مالک ہے اور نہ اس کے سوا کوئی مدبر کائنات ہے! ـــ ملک، خلق، رزق اور تدبیر کائنات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے ـــ اسی لئے اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں ہے ـــ اور اس کے سوا کوئی معبود ہو بھی نہیں سکتا!

ـــ یہی سادہ، آسان اور واضح عقیدہ ہے۔ جس پر پورے اسلام کی عمارت قائم ہے۔ اسی پر امت مسلمہ گامزن رہی ہے اور یہی تاریخ اسلام کا خاص امتیاز ہے۔

الوہیت کے مندرجہ بالا اسلامی عقیدہ کو ماننے پر لازمی طور پر یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ زمین و آسمان میں ہر جگہ عبودیت صرف اللہ ہی کی ہو!

ـــ یہ بھی اپنی جگہ پر ایک آسان، سادہ اور واضح قضیہ ہے۔ جب خالق صرف اللہ ہے جب مالک صرف اللہ ہے۔ جب رازق صرف اللہ ہے اور جب کائنات پر حکمران صرف اللہ ہے تو پھر اللہ کو چھوڑ کر کون ہے۔ جس کی مخلوق عبادت کرے اور اس کے سامنے سر جھکائے! کون ہے۔ اللہ کے سوا عبادت کے لائق؟ کیا انسان ہے؟

ـــ کیا انسان کو اللہ نے نہیں پیدا کیا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہی اس انسان کو قوت و طاقت عطا نہیں کی اور اس کے لیے زمین و آسمان کو مسخر نہیں کر دیا؟ کیا انسان نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے؟ کیا کائنات کے قوانین انسان کے وضع کردہ ہیں۔ کیا انسان ان قوانین میں سرمو کوئی تبدیلی پیدا کر سکتا ہے؟

کیا انسان مادہ کے خواص بدل کر اسے دوسرے خواص دے سکتا ہے؟ یا مادہ کو ان قوانین کے علاوہ جن پر اللہ نے اس کی تخلیق کی ہے کسی اور قانون کے مطابق پیدا کر سکتا ہے؟

ـــ اگر نہیں ـــ تو اللہ کو چھوڑ کر انسان کیوں "الٰہ" بن بیٹھا؟ ـــ یا اللہ کی عبودیت میں انسان کیوں شرکت کا دعوے دار ہو گیا؟

اگر انسان الٰہ اور معبود نہیں ـــ تو کیا "جبریتیں" الٰہ ہیں؟

ان قوانین میں "جبریت" کس کی پیدا کردہ ہے؟ کیا کائنات میں اور انسانوں میں اللہ کی تقدیر نافذ العمل نہیں ہے؟ — اللہ کی تقدیر میں اسی قدر جبریت ہے۔ جس قدر اللہ چاہے — تو اللہ کو چھوڑ کر جبریتیں "الٰہ" کیوں بن گئیں — یا جبریتیں اللہ کی عبودیت میں کیوں شریک ہو گئیں؟ — اللہ کے سوا کون ہے۔ جس کے سامنے مخلوق عبادت کے لیے سر جھکائے۔؟

حاکمیتِ اعلیٰ

عبودیت کا لازمی تقاضہ ہے کہ "حاکمیت اعلیٰ" بھی صرف اللہ کی ہو — اور لوگ اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں۔

اور یہی وہ مسئلہ ہے۔ جس سے تاریخ کی ہر جاہلیت کو اختلاف رہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ جاہلیتیں جو اللہ کو پہچانتی تھیں۔ وہ جاہلیتیں بھی جو اللہ کی عبادت بھی کرتی تھیں اور وہ جاہلیتیں بھی جن کا خیال تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کا پورا حق ادا کر رہی ہیں — ان سب جاہلیتوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا — اور ہر جاہلیت اس وہم میں مبتلا رہی کہ اللہ کی عبادت ایک علیٰحدہ مسئلہ ہے اور اللہ کی حاکمیت کا اقرار اور اس کے بتائے ہوئے قانون کا اپنی زندگی میں نفاذ یہ ایک دوسرا اور غیر متعلق مسئلہ ہے!

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ (سورہ الانعام ۹۱) — اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی۔ ویسی قدر نہ پہچانی۔

بھلا بتایئے یہ اللہ کی عبادت کی کون سی شکل ہے۔ جب کہ آپ کا نظام زندگی غیر اللہ ہاتھوں میں ہو!

یہ تو جب ممکن تھا۔ جب اللہ تعالیٰ انسانیت کو کوئی قانون دینے کے بجائے یہ فرما دیتا کہ اپنے لیے تم خود قانون سازی کر لو — لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف لوگوں کو قانون عطا فرمایا۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ میرے قانون کی اتباع کرو!

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ — اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے۔ سو ایسے لوگ

(المائدہ: ۴۴) — بالکل کافر ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ
(المائدہ: ۴۰)

اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔
(مائدہ - ۴۷)

اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے۔ تو ایسے لوگ بالکل فاسق ہیں۔

وَأَنِ احْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ
(مائدہ -۴۹)

اور ہم مکرر حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجیے اور ان کی خواہش پر عمل درآمد نہ کیجیے اور ان کی اس بات سے احتیاط رکھیے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بچلا دیں۔

اب بتائیے۔ انسانوں کو یہ کیسے جائز ہے کہ وہ غیر اللہ کو اپنی زندگیوں کا حاکم بنائیں۔ قرآن کریم میں جتنی بھی سورتیں "تشریع، قانون سازی" سے متعلق ہیں ان سب میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کہ "حاکمیت اعلیٰ" صرف اللہ کے لیے ہے اور جس ذات کو الوہیت حاصل ہے۔ وہ ہی شارع بھی ہے۔ اللہ ہی معبود ہے اور اللہ ہی صاحب شریعت ہے اگر آپ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ الوہیت میں تنہا اور لاشریک ہے۔ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ "حاکمیت" میں بھی منفرد ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ کی حاکمیت کے ساتھ ساتھ اپنی حاکمیت کا بھی دعوے دار ہو ___ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے ___ تو وہ اپنے آپ کو اللہ کا شریک بنا کر مشرک بن گیا اور جو لوگ اس کی اتباع اتباع کریں گے وہ بھی مشرک ہوں گے۔[1]

---

[1] قرآن کے زیر سایہ جلد ۲ - ۸

جاہلیت کی بنیادی گمراہی

جاہلیت کی عظیم ترین گمراہی یہ ہے کہ اس نے شریعت کو عقیدہ سے اور حاکمیت کو الوہیت سے علیحدہ کر دیا ___ یہی بنیادی گمراہی ہے جس کے نتیجے میں پوری انسانیت سرگشتیوں میں مبتلا ہے اور فی الواقع اس گمراہی کا یہی نتیجہ ہونا بھی ہے۔

جب کوئی غیراللہ انسانوں کے لیے قانون سازی کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو الٰہ بنالیتا ہے۔ حلال وحرام اس کے اختیار میں آجاتے ہیں۔ تو وہ "طاغوت" بن جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے حکم کے سوا ہر حکم "طاغوت" ہے اور خواہشِ نفس کی پیروی ہے ___ خواہ یہ "طاغوت" فرد ہو یا جماعت یا امت حاکمہ!

جاہلیت جدیدہ میں انسانوں کی حاکمیت "طاغوت" کو مل گئی اور انسانوں نے اسے قانون سازی کے اختیار دے کر طاغوت کے سامنے اپنا سر ذلت سے جھکا دیا ___ اور طاغوت کو لوگوں پر جبر اور سرکشی کا موقع مل گیا۔ اس لیے کہ:-

___ "جمہوریت" ہو یا "آمریت" ہر نظام طاغوت ہے اور ہر ایک کے نتائج یکساں ہیں۔

اسلام الوہیت اور حاکمیت کے بارے میں صحیح صحیح تصور دیتا ہے اور تصور کو دیکھ کر کائنات، زندگی اور انسانیت پر پھیلا دیتا ہے۔

___ اسلام کہتا ہے کہ کائنات الٰہ نہیں ہے اور نہ ہی کائنات بلا تدبیر و مقصد مخلوق ہے۔

___ نہ کائنات کی عبادت کی جا سکتی ہے اور نہ کائنات میں کسی "جبریت" کا نظریہ قابلِ تسلیم ہے۔ کائنات کا وجود اور اس وجود کی ساری جبریت صرف اللہ کی ذات ہے۔

کائنات اور عبادتِ الٰہی

اللہ نے کائنات کو پیدا کیا ہے ___ اس لئے کائنات اللہ کی عبادت کرتی ہے اور اس طرح کہ اللہ کی مقرر کردہ سنت اور ہدایت پر چلتی رہتی ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ	پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اس وقت
وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا	محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین
وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ	سے کہا وجود میں آجاؤ۔ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو

عَوْعًا قَالَتَا آتَيْنَا طَائِعِينَ (سورۂ فصلت ۱۰) — دونوں نے کہا ہم آگئے فرمانبرداروں کی طرح۔

پھر کائنات کو اللہ تعالیٰ نے خواہ مخواہ ہی پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کو "حق" کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ (الروم ۸) — اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں کسی حکمت ہی سے پیدا کیا ہے۔ (الروم - ۸)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ (الدخان ۳۸) — اور ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا ...... سُبْحَانَكَ آل عمران ۱۹۰ - ۱۹۱ — بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے پر اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آجانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لیے جن کی یہ حالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی۔ لیٹے بھی اور آسمان اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا۔ ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں۔

انسان صرف اپنی عقل سے اس "حق" کا ادراک نہیں کر سکتا۔ جس "حق" پہ زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی۔ اور نہ ہی انسانی عقل کائنات کی لامتناہی وسعتوں کا احاطہ کر سکتی ہے —— جہاں ادراک عقلِ انسان کرنے سے عاجز ہے —— وہاں اللہ سے ہدایت یافتہ

روح لے جا سکتی ہے — کیونکہ روح اور کائنات آپس میں اس زندہ جاوید احساس میں شریک ہیں کہ دونوں ہی اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں۔ دونوں ہی اپنے خالق کی طرف متوجہ ہیں، اور دونوں کے وجود کا منبع صرف اللہ کی ذات ہے — اس لئے روح اس امر کا ادراک کر سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو کس طرح "حق" پر پیدا کیا ہے — زمینوں اور آسمانوں میں اس حق کی گہرائیاں اور کائنات میں اس "حق" کی وسعتیں کس قدر ہیں۔

پھر جس قدر انسان کی معلومات بڑھتی جاتی ہیں وہ کائنات کی وسعتوں کا مزید اندازہ کرتا جاتا ہے۔ لیکن یہ معلومات اس "عظیم حق" کے احاطے سے قاصر ہیں، کیونکہ یہ معلومات ظاہر اشیاء سے متعلق ہیں۔ اس "حق عظیم" کا جس پر اللہ تعالیٰ نے کائنات زندگی اور انسان کو پیدا کیا ہے روح ہی اندازہ کر سکتی ہے۔ نہ کہ عقل انسانی!

تخلیق حیات بھی عبث اور بے کار نہیں ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ
(المومنون ۱۱۵)

ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی مہمل خالی از حکمت پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے؟

اسلام زندگی کے مسائل کو علیحدہ علیحدہ زیر بحث نہیں لاتا بلکہ زندگی کو مکمل شکل میں سامنے رکھتا ہے اور بتلاتا ہے کہ دنیاوی زندگی ہی صرف زندگی نہیں ہے۔ بلکہ دنیاوی زندگی تو مقدمہ اور پیش خیمہ ہے۔ ایک اصل اور اہم زندگی کا اور اخروی زندگی نتیجہ ہے پہلی زندگی کا۔ اور وہی حقیقی زندگی ہے۔

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ
(العنکبوت)

اور اصل زندگی عالم آخرت ہے۔ اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

دنیاوی زندگی دار العمل ہے اور اخروی زندگی دار الجزاء ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ

ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لیے باعث رونق بنایا۔ تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش

أَحْسَنُ عَمَلًا (الکہف: ۷)	کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے۔
وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (الانبیاء۔ ۳۵)	اور ہم تم کو بُری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں اور پھر اس زندگی کے ختم پر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔
الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الملک: ۲)	جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔
وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ (الجاثیہ: ۲۲)	اللہ نے تو آسمان اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور اس لئے کیا ہے کہ ہر متنفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے۔ لوگوں پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا۔
كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران: ۱۸۵)	ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو پوری پاداش قیامت کے روز ہی ملے گی۔

زندگی کا مکمل تصور

یہ ہے اسلام کی پیش کردہ زندگی کا مکمل تصور جس پر قلب انسانی مطمئن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی زندگی تمام کچھ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بعد بھی زندگی ہے تو ایک طرف تو وہ زندگی کی لذتوں پر مجنونانہ نہیں لپکتا۔ جیساکہ انسان کے ذہن میں اگر یہ تصور ہو کہ یہی زندگی ہے۔ جو کچھ ہے۔ اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور جو کچھ لوٹا جا سکے وہ لوٹ لیا جائے! دوسری جانب انسان، اسلام کے دوحیاتی نظریہ کی بناء پر قنوطیت اور محرومیت کا شکار ہونے سے بچ جاتا ہے ـــ کیونکہ انسان جب دنیا کے مظالم اور بگاڑ دیکھتا ہے۔ دنیا کی بے چینی اور عذاب کا مزا چکھتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے۔ اب حالات کی قطعاً کوئی اصلاح نہیں ہو سکتی نہ ان مظالم کا کوئی صلہ ہو سکتا ہے اور نہ اس بدبختی سے کوئی راہ فرار ہے ـــ تو انسان بجائے اس کے

کہ ان حالات کا مقابلہ کرے۔ ہتھیار ڈال دیتا ہے اور خود قنوطیت و محرومیت کا شکار رہ جاتا ہے۔

اسلام کے دو حیاتی نظریہ کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسانی ضمیر تباہ نہیں ہوتا۔ حق و انصاف پر سے اس کا ایمان ختم نہیں ہوتا ——— اور نہ ہی اس کے عمل و اخلاق بگاڑ کا شکار ہوتے ہیں ——— اور اگر انسان اس نظریہ کو نہ مانے۔ تو ظلم کرتا ہے اور ظلم سہتا ہے۔ حصول مقصد کے لیے ہر ذریعہ اختیار کرتا ہے۔ جب کہ نہ ذریعہ پاکیزہ ہوتا ہے۔ اور نہ مقصد!

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ انسان اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور اللہ سے پاک و صاف ملاقات کے لیے اپنے تمام اعمال میں پاکیزگی برتتا ہے۔

اسی لئے اسلام آخرت کے ذکر پر زور دیتا ہے! اور آخرت کے مناظر بیان کرتا ہے اور اخروی زندگی کا دنیاوی زندگی سے رابطہ بتاتا ہے ——— اور یہ کہ دنیا ہی اخروی زندگی کا ایک واحد ذریعہ ہے ——— اور آخرت میں صحیح نتائج حاصل کرنے کے لیے دنیاوی زندگی کو صحیح اور درست بنیادوں پر قائم کرنا پڑے گا۔

اسلام انسان کو ایک انوکھی اور بدیع شکل میں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اسلام بتاتا ہے کہ انسان نہ الٰہ ہے۔ نہ حیوان اور شیطان ہے! انسان صرف انسان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں ممتاز و بلند مرتبہ اور اپنا خلیفہ بنا کر پیدا فرمایا ہے۔ جاہلیت انسان کے بارے میں بڑی سرگرداں رہی ہے کہ کبھی اسے الٰہ بنایا اور کبھی اسے حیوان ہی بنا ڈالا اور کبھی اسے جبر یتوں کے الٰہ کے سامنے عبد ذلیل بنا کر رکھ دیا!

——— مگر اسلام انسان کو صحیح صحیح مقام عطا کرتا ہے۔ نہ اس میں کوئی انحراف اور نہ کوئی جادۂ حق سے روگردانی!

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ	اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے
إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ	فرشتوں سے کہ ضرور بناؤں گا زمین میں ایک
خَلِيفَةً (البقرہ: ۳۰)	نائب
وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ	جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا۔ میں
إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ	مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں پھر جب

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (ص ۔ ۷۲ ۔ ۷۱)

میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (الاسراء: ۷۰)

یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی (الاسراء ۔ ۷۰)

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (التغابن: ۳)

اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا۔

اسلام انسان کو گندگیوں میں غوطے نہیں دیتا جیسا کہ جاہلیت جدیدہ نے دیئے ہیں البتہ اسلام نے انسان کی پیدائش کی حقارت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ ڈارون نے بھی کیا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ (الحجر، ۲۶)

ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا۔ (الحجر ۲۶)

أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ (المرسلات: ۲۰)

کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا

وحی الٰہی جب انسان کی ابتدائے تخلیق کا تذکرہ کرتی ہے تو اس کا منشا یہ نہیں ہوتا کہ وہ انسان کی کمتری اور پستی کو نمایاں کر رہا ہے اور انسان کو کاروبار حیات میں نکما اور بے حقیقت بنا رہا ہے جیسا کہ ڈارونیت نے انسان پر چسپاں کر کے کیا ہے بلکہ وحی الٰہی تخلیقی مراحل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کے دوسرے حقائق پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ بتاتی ہے کہ انسان صاحب فضیلت اور حسن صورت والا اور زمین میں اللہ کا نائب و خلیفہ ہے۔

وحی الٰہی کی اس توجیہ سے دو امور سامنے آتے ہیں، ایک اللہ سبحانہٗ کی عظمت اور دوسرے انسان کی سربلندی اور یہی دو حقیقتیں ایسی ہیں جو انسان کو اللہ سے وابستہ رکھتی ہیں اور اس کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ اللہ کی خلافت کے بلند مرتبے کو حاصل کر سکے ـــــ اور ساتھ ہی غرور و سرکشی سے بھی بچ سکے۔

روح اور خاک کا امتزاج

اسلام کی نظر میں انسان روح اور خاک کا امتزاج ہے۔ نہ تو صرف خاک ہے کہ جمادات و حیوانات میں مل جائے اور نہ صرف روح ہے کہ فرشتوں میں مل جائے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مٹی اور روح کا یہ امتزاج ہی انسان کو تمام مخلوقات میں ممتاز کیے ہوئے ہیں۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ (الشمس۔ ۷-۱۰)

اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا۔ پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں باتوں کا اس کو القا کیا یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو پاک کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے گندہ کیا

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد ۱۰)

اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتلا دیے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الانسان۔ ۳)

ہم نے اسے بھلائی اور برائی کا راستہ بتلا دیا۔ یا تو وہ شکر گذار مومن ہو گیا۔ یا ناشکرا اور کافر ہو گیا۔

انسان کی اسی خاکی اور روحی امتزاج کی خاصیت میں ابتلاء اور جزا کا راز پنہاں ہے کیونکہ انسان پستی بھی اختیار کر سکتا ہے اور بلندی بھی اپنا سکتا ہے۔ اس لئے اس کو اس دنیا میں عمل کے لیے چھوڑا گیا، تاکہ آخرت میں اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

پھر انسان ایسی ہستی ہے۔ جسے عالم بالا سے کچھ مزید خصوصیات بھی عطا فرائی گئیں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا تو اس کے لئے کچھ سامان بھی اسے بخشا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ۔ ۳)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھلا دیئے۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ۔ (النحل ۷۸)

اس نے تمہیں کان دیئے۔ آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیئے۔

ان عطیات کے ساتھ انسان زمین کی آبادی کے لیے بھیجا گیا۔ اور اللہ کا خلیفہ بنایا گیا اور اس "امانت" کے لائق سمجھا گیا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۔ (الاحزاب ۔ ۷۲)	ہم نے اس امانت کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اُسے اٹھا لیا ۔

ان تمام امور کا تقاضا ہے کہ انسان زمین پر ایک فعال عنصر کی حیثیت سے سرگرم عمل ہے اور "جبر یتوں" کے سامنے مہمل و محکوم بن کر نہ رہ جائے ۔!

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی تقدیر بھی اپنے نفاذ کے لیے انسان کی حرکت و عمل کو ہی ذریعہ بناتی ہے ۔!

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (الرعد ۔ ۱۱)	حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی ۔
وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ ۔ (البقرہ ۔ ۲۵۱)	اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعضوں کے ذریعے دفع کرتے رہا کرتے ۔ تو زمین فساد سے پر ہو جاتی ۔

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات انسان کے لیے مسخر کر دی اور کائنات کے بالمقابل انسان کو ہی فعال قرار دیا!

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (جاثیہ ۔ ۱۳)	اس نے زمین و آسمان کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ۔ سب کچھ اپنے پاس سے ۔

نظریۂ اسلامی جب انسان کو اس مقام بلند پر پہنچا دیتا ہے تو انسان خدا کا دشمن بن کر نہیں رہتا کہ اس سے مقابلہ کرے اور ناراض رہے بلکہ اُس مرتبہ پر پہنچ کر انسان خدا سے ڈرتا ہے اور اس کو محبوب رکھتا ہے ۔!

انسان پر اللہ کی نعمتیں اس سے شکر و عرفان کی طالب ہیں کیونکہ یہ خصوصیات انسان کی

پیدا کردہ نہیں ہیں۔ نہ انسان نے اپنے اختیار سے خلافت الٰہی کا خلعت زیب تن کیا ہے اور نہ ہی وہ اپنا خالق آپ ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو انسان کو پیدا ہی نہ کرتا۔ یا اس کو یہ تمام صلاحیتیں اور نعمتیں نہ عطا فرماتا۔ اب ان نعمتوں پر صرف شکر ادا کیا جا سکتا ہے اور اللہ کی عبادت کی جا سکتی ہے ـــــــ ان نعمتوں کا بدلہ وہ دشمنی اور کش مکش نہیں ہے۔ جیسا کہ یونانی جاہلیت میں دیوتاؤں اور انسان کے درمیان تعلق تھا اور جس کا گہرا سایہ بیسویں صدی کی جاہلیت پر بھی پڑا ہے اور اس جاہلیت میں اللہ اور انسان کا تعلق بگاڑ کا شکار ہو گیا۔

انسان ایک مربوط وجود

اسلام کی نظر میں انسان ایک مربوط، ہم آہنگ اور غیر منقسم وجود ہے۔ اس کے عنصر خاکی اور اجزائے روحی میں کوئی انفصال نہیں ہے بلکہ اس کے فکر و عمل میں ہم آہنگی، عمل و اخلاق میں ارتباط، خیال اور واقعیت میں پیوستگی ہے اور عقیدہ و شریعت اور دنیا و آخرت میں تسلسل ہے۔

غرض انسانی جسم اور روح، فکر و عمل، عقیدہ و قانون اور دنیا و آخرت ایک وحدت ہیں اور انسان ان وحدتوں کا ایک متوازن اور معتدل مجموعہ ہے اور اس مجموعے میں نہ تو جسم کو روح پر غلبہ دیا گیا ہے، نہ واقعیت کو خیال پر حاوی بنایا گیا ہے اور نہ ہی انفرادیت پسندی کو اجتماعیت پر اور سلبیت کو ایجابیت پر اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی گئی ہے۔

انسان کے اسی متوازن تصور سے فرد اور معاشرہ متوازن ہوتے ہیں اور ان کے افکار و اعمال میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام کا پیش کردہ یہ واضح اور روشن تصور انسان کے قلب و ضمیر میں راسخ بس جائے تو اس کی پوری زندگی مستقیم اور جادۂ حق پر گامزن ہو جائے۔

اسلامی جماعت کا ظہور

اسلام کا یہ "تصور انسانی" محمد بن عبداللہ کے نفس میں جاگزیں ہوا اور اس امت مسلمہ کے دل میں جس کی آپ نے اپنے سامنے تربیت کی۔ اس سے ایسے معجزات ظاہر ہوئے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس نظریہ کی دعوت اور اسلام کی اس پکار کے نتیجے میں سارے قبائل عرب جمع ہو گئے اور امت مسلمہ وجود میں آ گئی۔ بالاــــــــ جاہلی نفوس نے اپنے عادات

وخصائل، اپنے تصورات ونظریات، شہوات ولذات اور اپنے سب افسانہ ہائے ماضی چھوڑ دیئے اور صحیح راستے پر جم گئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا ـ جیسے لوگ ہی بدل گئے ہوں۔ یا اسلام میں وہ از سر نو پیدا ہوئے ہیں حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ ان کی ایک طرح سے اللہ کے اس دین میں نئی پیدائش تھی۔

یہ اسلامی جماعت صفحۂ تاریخ پر اس قدر منفرد انداز میں ظہور پذیر ہوئی کہ اس کے منہاج میں اور انسانیت کے طور طریقوں میں کوئی مشابہت تک نہ تھی۔ مسلمانوں کے ابھرنے کے انداز جاہلی دستور سے بالکل مختلف اور یکسر ہونے تھے اور اس نشوونما کا کوئی ارضی تقاضا بھی محرک نہ تھا۔

دیکھنا یہ ہے کہ یہ کیسی نئی بات پیش آگئی تھی جس کی بنا پر تاریخ کا یہ عظیم انقلاب برپا ہوا اور لوگ اللہ کے دین کی طرف مائل ہو گئے۔ حالانکہ انسانیت اللہ کے صحیح تصور کے بارے میں ہمیشہ بھٹکتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں بھی اللہ کے تصور میں انحراف ہے اور یہ کیسا نیا واقعہ رونما ہوا تھا جس نے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرا دیا۔ حالانکہ یہی انسانیت انسانوں کو غلام بناتی رہی ہے۔ برسر اقتدار طبقہ اپنی خواہشات اور اپنے مفادات کے مطابق قانون سازی کرتا رہا اور عوام ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے رہے اور سرمایہ دارانہ آمریت اور پرولتاری آمریت کی حکومت کے سامنے کھڑے کانپتے رہے اور یہ کون سی نئی بات پیش آئی تھی کہ جس نے لوگوں کو خواہشات کی غلامی سے نجات دلادی۔ حالانکہ یہی انسانیت اسلامی نظام کے علاوہ ـ ہمیشہ ہی اپنی شہوتوں کی بندگی کرتی رہی بلکہ جوں جوں انسانیت جادۂ حق سے منحرف ہوتی گئی، شہوت کی بندگی میں زیادہ سے زیادہ ملوث ہوتی گئی!

یہ کیسی تبدیلی تھی، جس نے کائنات میں انسان کو صحیح مقام عطا کیا۔ جب کہ یہی انسانیت ـــــ اسلام کے علاوہ ـــــ ہمیشہ ہی انسان کو صحیح مقام دینے میں غلطاں و پیچاں رہی ہے۔ کبھی کھوکھلے غرور کا شکار ہو کر انسان کو الوہیت سے نوازا گیا اور کبھی اسے انتہائی ذلیل بندگی میں دھکیل دیا گیا ـــــ اور جبریت اسے مزید گندگیوں میں لتھیڑتی رہی اور یہ سب کچھ ذلت و عاجزی و بے کسی انسان نے سلطان باطل کے ہاتھوں برداشت کی!؟

یہ کیسا انقلاب تھا کہ جس سے اچانک انسانیت کا اخلاق درست ہو گیا ـــــ حالانکہ انسانیت ـــــ غیر اسلامی نظام میں ـــــ اپنے اخلاق کے باب میں سرگرداں رہی ہے کہ

اخلاق صرف سفید فاموں کیلئے مخصوص ہو گیا اور کبھی اخلاق کی بنیاد ذاتی نفع اندوزی قرار پائی - !

یہ کیسی نئی بات پیش آگئی تھی۔ جس نے فرد کا معاشرے کے بارے میں اور معاشرے کا فرد کے بارے میں مؤقف درست کر دیا — جب کہ انسانیت — غیر اسلامی نظام میں — فردیت اور اجتماعیت دونوں ہی میں انتہا پسند رہی ہے۔ فرد کے بالمقابل معاشرہ تباہ اور معاشرے کے بالمقابل فرد بے کس رہا ہے ! ؟

یہ کیسا انقلاب تھا؟ کہ واحد معاشرے کے جنسی علائق کو درست بنیادوں پر قائم کر دیا۔ جب کہ — انسانیت — غیر اسلامی معاشرے میں — ایک ایسی حیوانی بھوک کا اور جنس کی ایسی آتش سوزاں کا شکار رہی ہے۔ جو اس وقت تک سرد نہ ہوتی تھی۔ جب تک انسان کو جلا کر خاکستر نہ کر دے ! ؟

کس قدر عظیم تبدیلی تھی کہ حاکم ہوائے نفس کے مطابق حکومت کرنے سے باز آ گیا — جبکہ غیر اسلام میں — انسانیت پر طاغوت ہی حکمران رہا کبھی جمہوریتوں کے زیر سایہ اور کبھی آمریتوں کے سائے تلے ! —

انقلابِ عظیم

آخر اسلام کے صرف چند ابتدائی سالوں میں وہ کون سا انقلاب عظیم برپا ہو گیا کہ ہر شے بدل کر رہ گئی ؟ یہ انقلاب یہ پیش آیا تھا کہ فکرِ انسانی مستقیم ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں عمل اور زندگی کے ہر گوشے میں استقامت اور درستگی آ گئی !

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو بنفس نفیس تربیت دی اور امت نے اپنی عملی زندگی وحی اسلام کے مطابق بنائی ! اور امتِ مسلمہ کے فکر و عمل میں بے حد استقامت پیدا ہو گئی تھی۔ ان میں بھی انسانی فطری کمزوریاں بھی تھیں — اس کے باوجود بھی وہ اس قدر مستقیم تھے - جس قدر استقامت طاقت بشری میں ممکن ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی امت مسلمہ کے تمام افراد میں ایک عجیب قسم کا ارتباط تھا۔

ان میں انسانی فطری کمزوریاں بھی تھیں۔ کیونکہ ہر انسان طبعی طور پر اپنے لیے بھلائی چاہتا ہے کہ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے۔

لیکن اس کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کے لئے اس قدر صاف تھے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ قرآن نے صحابہ کرام کی اخوت و محبت کا نقشہ کھینچا ہے۔

يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ
وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ
حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ
عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ
بِهِمْ خَصَاصَةٌ
(الحشر۔۹)

جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے۔ اس
سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین
کو جو کچھ ملتا ہے۔ اس سے یہ (انصار)
اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور
اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ
ہی ہو۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ

تمام مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں (الحجرات)

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (التوبہ:۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک
دوسرے کے رفیق ہیں۔ (التوبہ ۷۱)

اس جماعت کا شعور انسانیت تمام لوگوں کے لیے عام تھا!

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ
قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا
اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى
(المائدہ۔۸)

اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر
باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل
کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ
الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي
الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ
دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ
وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ (الممتحنہ۔۸)

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان
اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے
دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو
تمہارے گھر سے نہیں نکالا۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ
قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ

اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اسی
سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تمہیں

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا۔ (المائدہ ۲)

مسجد حرام سے روک دیا تھا۔ وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ۔

امت مسلمہ نے ایک ایسا معاشرہ تشکیل کیا۔ جس میں فرد اور مجتمع متوازن تھے فرد کا تشخص ممتاز اور ہر زیادتی سے محفوظ تھا۔ اس کا کردار مثبت اور باوقار تھا۔ اسلامی معاشرہ میں فرد اس امر کا مکلف تھا کہ وہ حاکم وقت پر اور معاشرے پر نظر رکھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول پر عمل پیرا رہے۔ غرض اس طرح ایک ایسا مربوط معاشرہ وجود میں آیا جو افراد کی رہنمائی کرتا۔ ان کے قلب و فکر اسلامی بناتا اور اللہ کی حرمتوں کی حفاظت کرتا۔

امت مسلمہ نے ایک ایسا اقتصادی نظام برپا کیا۔ جس میں قرض اور غنیمت میں توازن تھا۔ غریب اور امیر ہر فرد کی کفالت تھی ——— بس ایک قوم تھی۔ جس میں ایک دوسرے کا مسئول اور دوسرا پہلے کا ذمہ دار تھا۔ سب کار خیر میں برابر کے شریک تھے۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو مال سمیٹ سمیٹ کر اپنی تجوریاں بھرتا ہو۔

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر ۷)

تاکہ وہ مال تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجاوے۔

معاشرے کا کوئی بھی فرد محروم نہ تھا۔ کیونکہ دولت کا مرکز بیت المال تھا اور بیت المال تمام مسلمانوں کا کفیل تھا!

امت مسلمہ نے ایک ایسا اخلاقی نظام برپا کیا۔ جس سے زندگی کا کوئی بھی گوشہ خالی نہ رہا۔ ان کی سیاست اخلاق پر قائم تھی۔ چنانچہ امت کے داخلی معاملات ہوں یا خارجہ پالیسی تمام کی تمام اخلاقی اصولوں پر استوار تھی ——— وعدہ کا پورا کرنا اور پابند میثاق رہنا ان کی خارجہ پالیسی کے اخلاقی اصول تھے!

معاشرے کے آپس کے تعلقات کی بنیاد اخلاق تھی۔

اور اقتصادیات میں خواہ معاملہ فرد کا ہو یا جماعت کا پابندی اخلاق یہاں بھی ملحوظ خاطر تھی!

جنسی تعلقات میں اخلاقی تنظیم تو تاریخ میں پہلی مرتبہ اسی مسلم جماعت نے پیش کی۔

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کی بنیادیں اتنی مضبوط ہو گئیں کہ اس عمارت کی شکست میں ایک ہزار سال لگ گئے جب کہ دشمنان اسلام ہر قسم کے وسائل سے اس بلند عمارت کی شکست وریخت میں لگے ہوئے تھے۔!

اس قسم کا اسلامی معاشرہ صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ امت مسلمہ جہاں جہاں گئی اللہ کے دین کی بشارت لے کر گئی اور جس جس مقام پہ پہنچی اسلام کے قوانین عدل کو نافذ کر دیا۔ چنانچہ امت مسلمہ زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ گئی اور اتنی سرعت رفتاری کے ساتھ کہ آج تک محققین حیران ہیں کہ دنیا کی کوئی بھی تحریک اتنی تیزی سے نہیں پھیلی۔ جس قدر اسلام پھیلا ہے۔! اور بہت ہی مختصر عرصے میں اسلام نے متعدد اقوام ملا کر ایک قوم بنا دیا اور ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی۔

دنیا میں بہت سی پادشاہتیں قائم ہوئیں۔ رومی، فارسی، ہندی۔ چینی اور۔ دورِ جدید میں برطانوی اور روسی سلطنتیں —— ان میں سے کوئی بھی سلطنت اسلامی سلطنت کے مماثل نہیں ہے۔ کیونکہ اسلامی حکومت سلطنت یا پادشاہت نہیں تھی۔!

مندرجہ بالا تمام پادشاہتیں وجود میں بھی آئیں اور ختم بھی ہو گئیں۔ لیکن مختلف اقوام کو باوجود لاانتہا ہی کوششوں کے ایک قوم نہ بنا سکیں —— لیکن اسلامی دنیا بغیر کسی دباؤ اور بغیر کسی کوشش کے ایک قوم بن گئی۔! اور اس کا سبب بالکل سادہ سا ہے اور وہ یہ کہ دنیاوی پادشاہتیں اپنی ماتحت اقوام کو اپنا تابع بنانے کی کوششیں کرتی ہیں۔ جس کی بناء پر یہ اقوام یہ محسوس کرنے لگتی ہیں کہ وہ مغلوب ہیں اور اپنا مخصوص رنگ کھو کر غالب قوم میں ضم ہوتی جا رہی ہیں ——

لیکن امت مسلمہ تو تمام کی تمام اللہ کے سامنے سرنگوں تھی۔ وہ غالب اور مغلوب کا کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ اگر اسلام کے خلاف نہ ہوتا۔ تو ہر چھوٹی قوم اپنے مخصوص رنگ کو محفوظ رکھتی اور تمام اقوام کو اللہ پہ ایمان کا رشتہ آپس میں ملا دیتا —— اور آج بھی امت مسلمہ میں ایک قوم ہونے کا احساس باقی ہے۔ اگرچہ اس احساس کو کچلنے اور امت مسلمہ کو پارہ پارہ کرنے کی صدہا کوششیں کی جا چکی ہیں اور کی جا رہی ہیں؛

اسلامی وحدت و اخوت کے سائے تلے ایک بلند تر اسلامی تہذیب صفحۂ ہستی پر جلوہ گر ہوئی ـــــ اسلام سے پہلے عربوں کے پاس کوئی تہذیبی سرمایہ نہ تھا۔ کیونکہ عربوں کی بادیہ نشینی اور ان کے جغرافیائی، اقتصادی اور علمی حالات نے انہیں اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ کسی وسیع تہذیب کی بنیاد رکھ پاتے!

باوجود یکہ جزیرہ نمائے عرب کو روم اور فارس کی تہذیبوں سے واسطہ پیش آ چکا تھا۔ لیکن اسلامی تہذیب اپنے ضمیر اور اپنے مزاج میں اس وقت کی تمام تہذیبوں سے مختلف تھی۔ نہ تو عربوں کے ماضی میں اس کے آثار ملتے ہیں اور نہ ہم عصر تہذیبوں میں اس قسم کا کوئی مواد تھا۔ جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ یہ مواد اسلامی تہذیب کا حصہ بن گیا تھا۔ ہر چند کہ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے روم اور فارس سے بہت سے تعلیمی ادارے اپنا لئے۔ لیکن بنائے تہذیب بہر حال اسلامی تھی۔

اسلامی تہذیب کے تہذیب مغرب پر اثرات

پھر بعد میں دوسری تہذیبوں کے اثرات اسلامی تہذیب میں شامل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں نے مغربی تہذیب کو اپنا لیا۔ جب کہ خود مغربی تہذیب اسلامی تہذیب کی خوشہ چیں ہے بریفالٹ[1] اپنی کتاب تعمیر انسانیت[1] میں لکھتا ہے:

"مغربی تہذیبی ترقی کا گوشہ ایسا نہیں ہے جس کا رشتہ یقینی طور پر اسلامی تہذیب سے نہ ملتا ہو۔"[1]

اسلامی تہذیب کی طرح مسلمانوں کی علمی تحریک بھی تاریخ کی زبردست علمی تحریک تھی۔ علم کی جانب عربوں کی کوئی خاص توجہ نہیں تھی بلکہ انہیں خطابت سے زیادہ دلچسپی تھی الغرض عربوں میں پڑھنے لکھنے کی دلچسپی اور علمی ذوق صرف اسلام کا پیدا کردہ ہے۔

مسلمانوں نے اپنی پڑوسی اقوام سے علوم دنیاوی سیکھے یونان، روم، مصر اور ہندوستان سے مسلمانوں نے فلکیات، ریاضیات، طب، طبیعیات اور کیمیا حاصل کیے۔

ـــــ لیکن مسلمانوں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے اسلامی ہدایت کے زیر سایہ

---

[1]

تجربی اسکول کی بنیاد رکھی جس پہ آج یورپ کی تحریک علمی کی بنیاد قائم ہے!

بریفالٹ مذکورہ بالا کتاب میں کہتا ہے:

عربی تہذیب (اسلامی تہذیب مراد ہے) نے جو کچھ ہمیں دیا ہے۔ اس میں علم سب سے زیادہ گراں قدر شئے ہے ــــ باوجودیکہ مغربی تہذیبی ترقی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کا رشتہ یقینی طور پر اسلامی تہذیب سے نہ ملتا ہو، مگر سب سے زیادہ اور سب سے واضح اسلامی اثرات اس طاقت پر مرتسم نظر آتے ہیں جس نے جدید دنیا کو ایک ممتاز قوت سے نوازا ہے اور جس میں موجودہ ترقی کا راز پنہاں ہے ــــ یعنی علوم طبیعیہ ــــ اور ــــ علمی بحث کی روح ــــ"

"ہمارا علم عربوں کا اس طرح مقروض نہیں ہے (مسلمان مراد ہیں) کہ انھوں نے کچھ نئے نظریات کے لیے راہیں کھول دیں، بلکہ ہمارا سارا علم عربی تہذیب کا مقروض ہے' بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ہمارے علم کا وجود ہی عربی تہذیب سے وابستہ ہے۔ کیونکہ قدیم دنیا میں تو علم کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ یونان کے پاس نجوم اور ریاضی بھی باہر سے درآمدہ علوم تھے۔ جو کسی صورت میں بھی یونانی ثقافت کا حصہ نہ بن سکے!

"یونانیوں نے مختلف مدارس فکر بنائے۔ احکام کو عمومیت دی اور نظریات متعین کیے لیکن بحث کے سنجیدہ انداز، ایجابی معلومات کی جمع، علم کے تفصیلی مناہج کا بیان، باریک بینی اور تجربی بحث ــــ یہ تمام امور یونانی مزاج سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتے۔ جسے ہم علم کہتے ہیں۔ وہ تو یورپ میں نئی روح بحث، استقصار کے جدید طریقوں ــ تجربہ، ملاحظہ مقاییس ــــ اور ریاضیات کے ترقی پانے کے نتیجے وجود میں آیا ہے۔ یہ روح اور علمی مناہج عربوں (مسلمانوں) کے ذریعے یورپ تک پہنچے ہیں"

ڈریپر امریکی اپنی کتاب "مذہب و سائنس کی کش مکش" میں لکھتا ہے:

"مسلمان علماء نے یہ ثابت کر دیا کہ عقلی و نظری اسلوب ترقی کا ضامن نہیں ہے تلاش حقیقت کے لیے بذاتِ خود حوادث کا مطالعہ ضروری ہے ــــ اس لئے مسلمانوں کا طریقۂ کار 'تجربی اسلوب' رہا ہے"

امتِ مسلمہ کا انحراف

مسلمانوں کے لیے اللہ کی وحی کا عملی تجربہ یہ تھا کہ وہ اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کریں. کائنات میں اس کی نشانیاں تلاش کریں اور واقعیاتی زندگی گزاریں. خیالی دنیا میں نہ کھوئے رہیں - اور جب ان کا اللہ کے بارے میں تصور و عقیدہ درست ہو گیا تو امت مسلمہ نے تاریخ میں ایک ایسی روش اختیار کی کہ تاریخ بھی انگشت بدنداں ہے کہ یہ سب کچھ اور اتنا کچھ اتنے مختصر سے عرصے میں کیسے ہو گیا۔ بالآخر

امت مسلمہ بھی اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے منحرف ہو گئی! مسلمان بھی رفتہ رفتہ جاہلی روش پر چل نکلے۔ یہاں بھی عقیدہ شریعت سے علیحدہ ہو گیا اور عقیدہ بے حس و بے کیف جذبہ کی طرح سینہ کے کسی اجڑے ہوئے گوشہ میں نیم مردہ حالت میں جا پڑا جس کا حقائق کی دنیا سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہا اور بجائے اس کے کہ عملی زندگی میں اللہ کا قانون نافذ ہو مسلمانوں نے اپنی زندگی میں غیر اللہ کے قانون کو اپنا لیا ——— چنانچہ امت مسلمہ کا حقیقی وجود ہی ملیامیٹ ہو گیا۔ اگرچہ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہے اور وقتاً فوقتاً نماز روزہ بھی کرتے رہے۔ اور پھر جب مسلمانوں میں ارتقاء کا محرک ہی ختم ہو گیا تو ساتھ ہی تہذیب بھی اُجڑ گئی اور علمی ذوق بھی پست ہو گیا ——— اور مسلمانوں نے اس ذلت و پستی کو تسلیم بھی کر لیا — چنانچہ اور بھی اسلام سے دور ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد اخلاقی اباحیت نے بھی آ لیا — اب مسلمانوں میں صدق و صفا رہی نہ خلوص و صداقت رہی اور نہ اب ان کے معاملات میں استقامت رہی اور نہ ہی انسانیت کی بنیاد پر آپس کا ربط باہمی رہا!

اور جب یہ سارے مراحل تنزل طے ہو چکے. تو فوراً یہودی سازش نے دلدل میں گھسیٹ لیا اور امت مسلمہ کا رہا سہا اسلام بھی جاتا رہا: مگر اسلام ان نام نہاد مسلمانوں سے قطعاً بے پرواہ ہے!

اسلام تو اللہ کی بتائی ہوئی وہ صراطِ مستقیم اور اللہ کی وحی کردہ وہ جادۂ حق ہے - جو محمدؐ بن عبداللہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے لے کر آئے تھے۔

اسلام انسانیت کے انحراف کے ساتھ منحرف نہیں ہو سکتا. بلکہ اسلام تو انسانیت کو

ابھارنے والا اور اس کو صحیح راستے پر گامزن کرنے والا ہے!

اسلام تو وہ سراج منیر ہے۔ جو لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف ــــ اور ــ طاغوت سے چھڑا کر اللہ کی طرف لاتا ہے!

اسلام ہی انسانیت کو سرکش و باغی اور انسانی وجود کو کچل ڈالنے والی جاہلیت سے نجات دلاتا ہے۔

اور اسلام ہی جاہلیت کے وہ سارے بگاڑ دور کر سکتا ہے جس سے آج انسانیت دوچار ہے۔ جب بھی اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم کے مطابق تصوّر درست ہو جائے گا عمل خود بخود استوار ہو جائے گا۔

جب گمراہ انسانیت اللہ کی طرف رجوع ہو گی ــ زندگی کی صراط مستقیم اسے اپنے سامنے نظر آئے گی اور سیاست، اجتماع، اقتصاد، اخلاق، فن، جنسی علائق۔ غرض زندگی کا ہر پہلو سنور جائے گا۔

جاہلیت نے انسانیت اور اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم کے درمیان نہایت دبیز پردے ڈال دیئے ہیں، اور ان میں سے ایک دبیز پردہ نام نہاد ترقی ہے۔

جاہلیت کہتی ہے کہ "ترقی" انسانیت کو اللہ کے دین سے بہت دور لے گئی ہے اور جو کچھ لوگوں کے لیے آج سے چودہ سو سال پیشتر درست ہو سکتا تھا وہ آج نہیں ہو سکتا کیونکہ اب لوگ ترقی یافتہ ہو گئے ہیں!

"ترقی" وہ خوفناک بگاڑ ہے۔ جو تصوّر اور عمل میں نمایاں ہے (جس کا ہم پہلے دو ابواب میں ذکر کر چکے ہیں) جس نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو اور نفس انسانی کا کوئی گوشہ بغیر بگاڑ کے نہیں چھوڑا! یہی وہ ترقی ہے جو انسانیت کو تباہی کے غار کے کنارے پر لے آئی ہے!

وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿ اور خود کو ہدایت یافتہ خیال کر رہے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ ہمیشہ سے اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی انسانیت کو چھٹکارا دلانے والا اور تباہی سے بچانے والا ہے۔ اس لیے جب بھی انسان ہدایت پا کر جادۂ حق پر گامزن ہو جاتے جب وہ اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت پر چلنے لگے ــــ جب وہ اللہ پر پکا سچا ایمان لے آئے ــــ جب وہ اللہ کی عبادت کا حق ادا کرے اور اس کے ساتھ کسی طاغوت کو شریک نہ کرتے۔ جب وہ اپنے لئے خود قانون جاری کر کے اور اللہ کے قانون کو چھوڑ کر اتراتے نہیں ــــ اور ــــ جب وہ خود اللہ کی حاکمیت اعلیٰ

اپنی طرف منسوب کر کے نہ بیٹھ جائے۔ اس وقت جاہلیت کے تمام بگاڑ ختم ہو جائیں گے ۔۔ اور انسانیت ظلم، بدبختی اور عذاب الیم سے نجات پا جائے گی۔

کیونکہ جب انسان عقیدہ اور عبادت کی جادۂ حق سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی حاکمیت پر خود قبضہ جما لیتے ہیں ۔۔ اور انسان انسانوں کے الٰہ اور ارباب بن بیٹھتے ہیں کہ چند انسان قوانین بنائیں اور باقی انسان ان کی اطاعت کریں تو انسانیت یونہی ظلم، بدبختی اور عذاب الیم میں مبتلا ہو جاتی ہے!

اور۔ اسلام آج بھی جاہلیت کے بگاڑ کو دُور کرنے والا اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والا ہے!

اور۔ اسلام آج بھی حق و باطل کے درمیان فیصل، بانی انسانیت اور بگاڑ و سرکشی کو ختم کرنے والا ہے!

جب بھی لوگ اسلام کو اپنا لیں گے۔ ان کی زندگی میں اعتدال اور استقامت پیدا ہو جائے گی!

یہاں ہم سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق جنسی علائق اور فن کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے تفصیلی بحث تو نہیں کر سکتے۔ البتہ چند اہم مسائل کے بارے میں اسلامی طریق فکر پیش کریں گے۔ تاکہ اس سے مزید مسائل میں رہنمائی مل سکے۔

اس سے قبل ہم مندرجہ بالا تمام امور میں جاہلیت کا بگاڑ واضح کر چکے ہیں۔ وہاں بھی ہم نے بغیر کسی تفصیل میں گئے ہوئے جاہلیت کے بگاڑ کو واضح کیا تھا۔ یہاں بھی ہم ان تمام مسائل حیات میں اسلامی فکر بتاتے ہوئے صرف اتنا ہی بیان کریں گے کہ جس سے راہیں روشن ہو جائیں اور انحراف کے دور کرنے میں مدد مل سکے۔

سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق اور فن کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے تفصیلی مباحث کے لیے مستقل تصنیفات موجود ہیں۔

جن میں اہم یہ ہیں :۔

اسلام کا نظریہ سیاسی ——— مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

اسلام اور ہمارے سیاسی حالات

لہ مولانا مودودی کی تین کتابیں اصل موضوع پر ہیں۔ (۱) اسلامی معاشیات کے بنیادی اصول (۲) سود (۳) مسئلہ ملکیت زمین اور سید قطب کی ۔ اسلام کا نظام عدل

اسلام میں سیاست مال اور حکم ــــ عبدالقادر عودہ شہید
مولانا مودودی اور سید قطب کی اور بھی کتابیں ہیں۔ جن میں اسلامی اقتصاد پر بحث کی گئی ہے۔

سیاست میں جاہلیت کی ساری پیچیدگی یہ ہے کہ جاہلیت اللہ کے نازل کردہ احکام کو نافذ العمل نہیں کرتی!

اور اللہ کے نازل کردہ احکام کی تفصیل میں جائے بغیر پہلے ہم صرف یہ بتلائیں گے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کو عملی زندگی میں نافذ نہ کرنا ہی اصل انحراف اور بگاڑ کا سبب ہے۔ کیونکہ انسانوں کے خودساختہ قوانین انسانوں کی ایک جماعت کو باقی تمام انسانوں پر حاکم بنا دیتی ہے اور اسی طرح ایک مخصوص گروہ کے مفادات تمام انسانوں کے مصالح پر غالب آجاتے ہیں! یہ بات ہم صرف اپنے طور پر نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ اس کا اقرار خود جاہلیت کے ستم رسیدہ افراد کر رہے ہیں ان لوگوں کے نزدیک اجتماع، سیاست اور اقتصاد سب میں یہ طے شدہ اصول ہے کہ جس طبقہ کے ہاتھ میں "ملکیت" ہو۔ وہ ہی طبقہ حاکم بھی ہوتا ہے اور یہ طبقہ تمام طبقات کے مصالح کو نظرانداز کر کے صرف اپنے مفادات کے حصول میں لگا رہتا ہے۔

اگر سرمایہ داری مالک ہے سرمایہ دار طبقہ کے مصالح اور مفادات کو مدنظر رکھتی ہے اور مزدوروں اور محنت کشوں کو کچل دیتی ہے!

اور اگر اشتراکیت مالک ہے ــ تو وہ مزدور طبقہ کے مصالح اور مفادات کا خیال رکھتی ہے اور سرمایہ داروں کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

غرض ہر طبقہ اپنا جہنم بھر رہا ہے اور دوسرے طبقہ کے استحصال میں لگا ہوا ہے۔!

تاریخ میں انسان جب بھی دوسرے انسانوں پر حکمران رہا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ طبقہ حاکمہ نے تمام انسانوں کی مصالح کو مدنظر رکھا ہو ــــــــ

اللہ کے قانون کی حاکمیت

یہ تو جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کو نافذ العمل کریں۔ کیونکہ جب اللہ کا قانون نافذ ہوگا تو کسی ایک طبقہ کی حاکمیت نہیں ہوگی ــ اللہ کا نہ کوئی طبقہ ہے

اور نہ اللہ کی کوئی مصلحت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا "رب" ہے اور اس کا نازل کردہ قانون تمام انسانوں کے لیئے ہے؛

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلا کر اور انسان کو یہ بتلا کر کہ الوہیت اور حاکمیت مطلقہ صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ انسان ہی کو عزت کرامت اور آزادی عطا کی ہے جو اللہ کی عبادت چھوڑ کر انسان کو ہرگز ہرگز میسر نہیں آسکتی؛

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی بندگی کا اس لیے حکم نہیں دیا کہ ان کی بندگی کی اللہ کو کوئی ضرورت تھی!

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ

میں ان سے رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ کہ وہ مجھے کھلایا کریں۔

(الذاریات۔ ۵۷)

حقیقت یہ ہے کہ انسانوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے خالق رازق اور موت وحیات کے مالک کی عبادت کریں!

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ مہربانی فرمائی کہ اس فرض کی ادائیگی میں بھی ان کے لیئے خیر پنہاں کر دی ـــ اللہ کے بندے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ان کا خالق رب اور رازق ہے۔ پھر یہ عبادت ان کے لیے خیر و برکت اور ذخیرۂ آخرت بھی بنا دی جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہے ـــ

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ

(عنکبوت ۶)

اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے کرتا ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ کو تمام جہان والوں میں سے کسی کی حاجت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اللہ کو الوہیت اور حاکمیت میں منفرد سمجھیں اور اللہ کے سوا کسی قانون کو نہ مانیں۔ بلکہ اللہ ہی کے قانون کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں ـــ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ

ان کی اس بات سے احتیاط رکھیے کہ آپ

عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ (المائدہ) کو خدا تعالیٰ کے کسی حکم سے بھلادیں۔

اس مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کا منشاء انسانوں کو انسانوں کی غلامی اور بندگی سے آزاد کرانا ہے اور اس "طاغوت" کے پنجے سے انسانیت کو چھڑانا ہے۔ جو انسانوں کی بندگی کے صلے میں ملتا ہوتا ہے۔ جس کے بھیانک آثار ہم جاہلیت جدیدہ میں اور تاریخ کی ہر جاہلیت میں پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ انسانیت حقیقی اور بھرپور آزادی سے ہمکنار ہو۔ آزادی جو انسانیت کو اپنے کسی بھی خود ساختہ نظام میں نصیب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انسانوں کے تراشے ہوئے ہر نظام میں انسان طبقہ حاکمہ کے غلام ہوتے ہیں اور طبقہ حاکمہ اپنے مفادات کے لیے باقی انسانوں کا استحصال کرتا رہتا ہے!

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ بنی نوع انسانوں کو کرامت عطا کرے۔ جو اس صورت میں ممکن ہے کہ تمام انسان اللہ کی بندگی کریں اور جو اس طاغوت کا سر کچل دیں۔ جو لوگوں سے کہے کہ "میں لوگوں کا قانون ساز ہوں۔ میں لوگوں پر غالب ہوں۔ لوگ میرے ارادے کے سامنے سر نگوں ہیں۔ اور میں جس طرح چاہوں لوگوں کی زندگی تشکیل کروں۔ کوئی مجھے روکنے والا نہیں ہے"!

اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ لوگوں کو عزت حاصل ہو —— اور یہ عزت اسی وقت ممکن ہے۔ جب معاشرے کا ہر فرد یہ محسوس کرے کہ اسے بھی قانون میں اتنا ہی حق ہے۔ جتنا معاشرے کے دیگر افراد کا ہے۔ جتنا انسان کا سرمایہ جدوجہد ہوگا اتنا ہی وہ قانون سے قریب تر ہو جائے گا۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ — اللہ کے نزدیک تم میں سے بہتر وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

یہ نہیں کہ جس کے پاس مال و دولت یا قوت و طاقت ہو وہ قانون کی ناک جس طرح چاہے موڑ دے!

اسلام کے اس منفرد اور بے مثل نظام میں انسانیت کو عزت و کرامت اور بھرپور حقیقی آزادی ملتی ہے اور لوگوں کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ آئندہ بیعت کے لئے جس کو چاہیں اپنا ولی امر منتخب کر لیں۔ ــــ اسلام میں ولی امر اپنی ذات کے لئے [illegible] بنانا نہ وہ لوگوں کی گردنوں کا مالک بن جاتا ہے اور وہ ان کو اپنے سامنے سر نگوں کرتا ہے —— وہ تو صرف اللہ کے

نازل کردہ احکام کو نافذ کرتا ہے۔

ولی امر کی بیعت اسی لئے کی جاتی ہے اور اسے حکومت اسی لئے دی جاتی ہے۔ کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرے۔ اللہ کا قانون نہ کسی طبقہ کا خود ساختہ ہے اور نہ اس میں کسی طبقہ کے مفادات کو سامنے رکھا گیا۔ اللہ کا قانون تو تمام انسانوں کی مصالح کو مدنظر رکھتا ہے۔!

اسلام میں بھی ولی امر — خلیفہ — انسانوں ہی میں سے ہوتا ہے۔ لیکن اسے کوئی مخصوص طبقہ منتخب نہیں کرتا اور نہ اس کے انتخاب میں کوئی خاص گروہ مدد پہنچاتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں کسی طبقہ کی کوئی مصلحت نہیں ہے کہ وہ کسی خاص شخص کو منتخب کرے یا اسے دوسروں پر فضیلت دے۔ سوائے اس کے کہ اس شخص میں ولایت کی اہلیت پائی جائے۔ کیونکہ جو شخص اسلامی نظام میں ولی امر یا خلیفہ ہوتا ہے اسے یہ اختیار تو حاصل نہیں ہوتا کہ وہ خاص طبقہ کے مفادات کے مطابق قانون سازی کرے اور اس طبقے کے مفادات کو عام مسلمانوں کے مصالح پر ترجیح دے سکے۔

جب تک کسی مخصوص طبقے کے پاس عام لوگوں سے زیادہ طاقت و قدرت نہ ہو، وہ کیسے لوگوں کو اس پر مائل کر سکے گا کہ فلاں شخص کو خلیفہ منتخب کریں اور فلاں کو نہ کریں، اور اسلام میں کسی بھی طبقے کو باقی لوگوں پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے!

—— ہاں یہ ممکن ہے کہ غلطی سے کسی ایسے شخص کی بیعت کر لی جائے جو ولی امر بننے کا اہل نہ ہو اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ کمزور ارادہ اور قلیل تجربہ ہے اور صاحب رائے نہیں ہے۔ پھر بھی تمام ذمہ داری عامۃ المسلمین پر ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہی اسے ارادے سے منتخب کیا ہے، اور وہ جب چاہیں تو اسے ہٹا بھی سکتے ہیں! یہ ہے وہ نظام جس میں انسان کو حقیقی عزت اور بھرپور آزادی حاصل ہوتی ہے!

اگر کسی وقت ایسا ہو کہ خلیفہ اور تمام مسلمان محسوس کریں ایک خاص مسئلہ میں اللہ کی شریعت میں کوئی حکم موجود نہیں ہے تو وہ اسے سنت رسولؐ میں تلاش کریں گے اور اجماع، قیاس اور اجتہاد سے مدد لیں گے اور مشورہ کی بنیاد پر اس مسئلہ کو حل کریں گے![1]

---

[1] میں نے اپنی کتاب "جمود و ارتقاء" میں ان تمام عناصر کو بیان کیا ہے جو ثابت ہیں اور ان کو بھی جن میں نمو پایا جاتا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلام کس طرح ان دونوں صورتوں سے نمٹتا ہے

(آئندہ ص پر)

اسلام کے نظامِ سیاسی کے چند اصول

بہرکیف اسلام کے سیاسی نظام کے مندرجہ ذیل چند اصول مدنظر رکھنے چاہئیں۔

اسلام میں کوئی طبقۂ مالکین نہیں ہے۔ جو اپنے مفادات کے لیے باقی تمام انسانوں استعمال کرے!

اسلام میں ولی آمر کی آزادانہ بیعت ہوتی ہے اور نہ وہ کسی طبقہ کے مفادات کے لیے قانون بنا سکتا ہے!

اسلام میں ولی امر اللہ کے قانون کو نافذ کرتا ہے۔ اس کے اقتدار کا دائرہ بس اتنا ہی ہے کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرے!

اسلام میں ولی امر اگر الٰہی قانون میں کسی مسئلہ کا حل نہیں پاتا۔ تو اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ جو چاہے قانون بنا دے بلکہ وہ قانون سازی میں ان تمام اصولوں کو مدنظر رکھے گا جو اسے آخر اللہ کی نازل کردہ حدود میں رکھیں!

"سیاست علی منہج اللہ" کے مندرجہ بالا اصول ہی درحقیقت انسان کی حریت اور عزت کے ضامن ہیں اور انسان کو طاغوت کے چنگل میں جانے سے بچانے والے ہیں!

اگر ہم اسلامی سیاست کے مندرجہ بلا اصولوں کا تاریخ کی دیگر جاہلیتوں۔ بالخصوص جاہلیت جدیدہ سے موازنہ کر کے دیکھیں تو یہ بات ہماری سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حاکمیت کا حق صرف اپنے پاس رکھا اور کیوں اللہ نے صرف اپنے آپ کو انسانیت کے لیے قانون ساز متعین فرمایا!

جاہلیت نے انسان کو گمراہ کر کے یہ سمجھایا کہ انسان اللہ کے قانون سے بے نیاز ہے اور جاہلیت نے اللہ کی حاکمیت سے انکار کر کے حاکمیت کا حق دار اپنے آپ کو سمجھا۔ چنانچہ

بقیہ حاشیہ

چنانچہ اسلام نے امورِ ثابتہ میں ناقابل تغیر شریعت ثابتہ دی ہے اور قابل تغیر مسائل میں ایک ایسا لچکدار نظام دیا ہے کہ جوں جوں پیش آمدہ نسلیں ارتقائی مراحل طے کرتی جائیں۔ یہ نظام اس کے مطابق قوانین وضع کر سکے۔ اسی لئے شریعت ثابت اور غیر متغیر ہے۔ لیکن فقہ ہمیشہ نمو پانے والا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا" لوگوں کے سامنے جس قدر مسائل آتے رہیں گے۔ اسی قدر انہیں فیصلے ملتے رہیں گے"۔

انسانیت اس طغیان و سرکشی کا شکار ہو گئی۔ جو ہم سرمایہ دارانہ آمریت اور اشتراکی آمریت میں دیکھ رہے ہیں — ان دونوں آمریتوں میں انسانیت ذلیل و رسوا ہو کر رہ گئی!

حاکمیت کا اختیار صرف اللہ کے لیے مخصوص کر دینا ہی وہ واحد طریقہ کار ہے۔ جو انسان کو سرکش آمریت سے نجات دلا کر آزادی سے ہمکنار کر سکتا ہے اور انہیں اللہ کے قانون کے زیر سایہ ان کے امور کا ان کو مالک بنا سکتا ہے!

پھر اگر کبھی طاغوت اپنی حکمرانی کا اعلان کرے۔ لوگ اسے ختم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ طاغوت کا وجود "تاریخ کی کوئی مادی جبریت" نہیں ہے — اور نہ طاغوت اس لئے ابھرتا ہے کہ اس سے ایسے طبقہ کی مصالح متعلق ہیں جس کی حکمرانی کا تاریخی دور آگیا ہے!

بلکہ طاغوت تو اس لئے ابھرتا ہے کہ لوگ اللہ کے قانون میں تساہل برتنے لگتے ہیں۔ حالانکہ لوگ جب چاہیں طاغوت کو ختم کر کے اللہ کے قانون کو نافذ کر سکتے ہیں۔ اگرچہ ان کو اس کے لیے کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں اور کتنے ہی خطرات سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ کیونکہ یہ سب قربانیاں بہرحال ان قربانیوں اور ان مصائب سے کم ہی ہوں گی۔ جو طاغوت کی زیر حکمرانی انسانیت کو برداشت کرنی پڑیں گی۔!

ایک بات اور ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے کہ اللہ کا قانون ہی انسانیت کے لیے بعینہٖ عدل کامل اور خیر خالص ہے!

اور یہ امر بھی قابل وضاحت ہے کہ انسانوں کو آزادی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر وہ انسانوں کو قانون سازی کے اختیار دیتے رہیں۔ اور ظالم اقتدار سے نہیں نکل سکتے جب تک اللہ کے قانون کو نافذ نہ کر لیں۔ یہی وجہ ہے

کہ اللہ کے قانون نے انسانوں سے قانون سازی کے اختیارات ختم کر کے، انسان کی کرامت فاعلیت اور تقدم میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ بلکہ انسان کو آزادی کی وہ راہ سجھائی ہے۔ جس پہ چلے بغیر انسان طاغوت سے کسی قیمت آزاد نہیں ہو سکتا۔

"سیاست علی منہج اللہ" کے چند اصول بیان کرنے کے بعد اب ہم اقتصاد، اجتماع اور اخلاق وغیرہ کے بارے میں گفتگو کریں گے کہ اسلام اس سلسلہ میں کیا رہنمائی کرتا ہے!

اقتصادیات — میں جاہلیت کے بگاڑ کے دو بنیادی اسباب ہیں:- ایک طریقہ

ملکیت ـــــ اور دوسرا طبقہ مالکین کا طبقہ، حاکم ہوتا۔

اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم ان دونوں بیماریوں کا علاج کرتی ہے۔

اوّل تو اسلام کسی بھی طبقہ کے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتا کہ وہ بعد میں باقی انسانوں پر ظلم کرے، بلکہ اسلام حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کے لیے مخصوص کر دیتا ہے۔ اور انسانوں کو اس حق سے محروم قرار دیتا ہے۔!

دوم مسئلہ ملکیت میں بھی اسلام موضوعی انصاف کی راہ اپناتا ہے!

اگر سرمایہ داری "غیر محدود انفرادی ملکیت" کی قائل ہے۔ جس کا نتیجہ غیر مالکین کی غلامی ہے۔ اور ـــــ اگر اشتراکیت سرے سے ملکیت ہی کو ختم کر دیتی ہے ـــــ جس کا نتیجہ بھی غیر مالکین کی غلامی ہے ـــــ

تو اسلام نہ تو انفرادی ملکیت کا قطعًا خاتمہ کرتا ہے ـــــ اور نہ اس کو غیر محدود رہنے دیتا ہے۔ کیونکہ انفرادی ملکیت کا خاتمہ تمام سرمایہ کو حکومت کے ہاتھوں میں منتقل کر دیتا ہے اور لوگ ایک لقمہ کی خاطر حکومت کے غلام بن جاتے ہیں!

اسلام اپنا سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی نظام اس بنیاد پر قائم کرتا ہے کہ لوگ اپنے ولی امر ـــ خلیفہ ـــ کے نگران ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کہاں حد تک اللہ کے قانون کو نافذ کر رہا ہے۔ اگر کسی وقت خلیفہ غلطی کرتا ہے تو لوگ اسے متوجہ کرتے ہیں اور اگر وہ اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کرے تو عامۃ المسلمین اسے خلافت سے ہٹا دیتے ہیں۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ	اور تم میں ایک جماعت ہونا ضروری ہے کہ
اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ـ ۱۰۴)	کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں۔

حدیث رسول ؐ ہے:

"اگر تم میں سے کوئی شخص برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ اگر قدرت نہ ہو تو زبان سے اسے برا کہے اور اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل میں برا سمجھے ـــــ اور یہ

لے۔

ایمان کا کمتر درجہ ہے"۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"تم میری اطاعت کرتے رہو۔ جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا ہوں، اور اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تمہارے اوپر میری اطاعت نہیں ہے"۔

ظاہر ہے اگر لوگ دو روٹی کے لیے حکومت کے غلام ہوں تو مندرجہ بالا نظام تشکیل نہیں پا سکتا۔

اسلام ایک واقعیاتی نظام ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ فرشتے بن جائیں اور نہ اس کا مدعا یہ ہے کہ سب اولوالعزم ہو جائیں۔ اسلام انسانوں سے جو برتاؤ کرتا ہے۔ اس میں ان کی قوت و ضعف، اور ان کا تنزل و ارتقاء مدنظر ہوتا ہے۔ اسی لئے اسلامی نظام واقعیاتی بنیادوں پر استوار ہے۔

اسلام جابر سلطان کو ہٹانے میں لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ اور اسلام چاہتا ہے کہ لوگوں کے رزق کے سرچشمے تمام کے تمام ان کے اپنے ہاتھوں میں ہوں اور مصادر رزق پر حکومت کی اس قسم کی بالادستی نہ ہو کہ ایک دانۂ گندم بھی حکومت کے ہاتھ سے لوگوں کے منہ تک پہنچے۔ دوسری جانب اسلام "غیر محدود انفرادی ملکیت" کو بھی برداشت نہیں کرتا کہ اس کے نتیجے میں معاشرہ ظلم و طغیان کا شکار ہو جائے!

اس لئے اسلام "ملکیت" پر کچھ ایسی موضوعی بندشیں لگاتا ہے۔ جن سے دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہونے پائے۔ چنانچہ سب سے پہلے "ملکیت کے وسائل کی تحدید کر دی کہ یہ وسائل حلال و طیب ہونے چاہئیں۔

وراثت کا قانون جاری کیا۔ تاکہ ہر نسل کے بعد دولت تقسیم ہوتی رہے۔ زکوٰۃ مقرر کی جو اصل سرمایہ اور منافع پر سال بسال لی جاتی ہے۔ نیز سود اور اجارہ داری کو حرام قرار دیدیا۔

پھر جیسے اسلام نے ولی امر کو یہ اختیار دیا کہ وہ جب بھی لین دین کے طریقوں میں کوئی بگاڑ پیدا ہوا انہیں اسلامی اصولوں کے مطابق درست کر دے۔ اسی طرح رزق کے سرچشمے عوام کے ہاتھ میں دے دیئے۔ تاکہ وہ حصول رزق میں حکومت کے محتاج نہ رہیں۔

سود اور اجارہ داری، سرمایہ داری نظام کی دو مہیب مصیبتیں ہیں، جن کی بنا پر عوام کی دولت سمٹ سمٹ کر سرمایہ داروں کی تجوریوں میں پہنچتی رہتی ہے۔ میرے خیال میں اسلام کے نظامِ الٰہی ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اسلام نے سود اور اجارہ داری کو اسی وقت حرام قرار دے دیا تھا جب سرمایہ داری نظام کی مہلک خرابیاں، سامراجیت، استحصال اور مخلوقِ خدا کی رسوائی کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔

اس وقت اسلامی اقتصادیات بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ اس موضوع کے لیے مستقل کتابیں موجود ہیں — البتہ چند کلیدی امور پیش کیے دیتے ہیں۔

"اسلامی اقتصادیات کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ مال اللہ کا ہے اور انسانی جماعت اس مال میں اللہ کی خلیفہ ہے — اور یہ انسانی جماعت اس مال کے تصرف میں اللہ کی نازل کردہ تمام حدود و شرائط کی پابند ہے — خواہ یہ شرائط مبادی کلیہ کی شکل میں ہوں — یا قوانین جزئی ہوں — اور فرد کی حیثیت اس عالم میں کارکن سی ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ وہ انفرادی ملکیت کی بنیاد پر اپنی کوشش کے بالمقابل تصرف کرے اور یہ تصرف خود اس فرد اور پوری جماعت کی فلاح کا ضامن ہو اور اللہ کی مقرر کردہ شرائط کی حدود میں ہو۔

اگر فرد اپنے حق ملکیت کو غلط استعمال کرے تو اس سے یہ حق ملکیت ختم ہو کر جماعت کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گا کیونکہ جماعت ہی اس کی اصل مالک ہے!

مندرجہ بالا اصول — انفرادی ملکیت سے — جس پر اسلامی نظام قائم ہے — نہیں ٹکراتا۔ البتہ اس سے یہ ضمانت مل جاتی ہے کہ فرد اپنی ملکیت میں حسن تصرف کرے گا اور اپنے مال میں سے جماعت کا مقررہ حق ادا کرتا رہے گا۔ جیسے زکوٰۃ وغیرہ۔ انفرادی ملکیت بدستور باقی رہے گی سوائے ان موارد عامہ کے جو عام ملکیت میں ہوں:

وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ۔ (النور ۳۳)	اور اللہ کے دیئے ہوئے اس مال میں سے ان کو بھی دو۔ جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے
وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ	اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن

الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیَامًا (النساء ۵) — کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مایۂ زندگانی بنایا ہے۔

اس کے بعد اسلامی اقتصادی نظام "تقسیم دولت" کا اصول رکھتا ہے۔

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ۔ (الحشر: ۳) — تاکہ وہ مال تمہارے تونگروں کے قبضے میں نہ آجاوے۔

اسلام اس امر کی اجازت نہیں کہ دولت سرمایہ داروں کے پاس جمع ہوجائے، بلکہ دولت کو بہت سے ہاتھوں میں تقسیم ہونا چاہیئے۔ تاکہ سرمایہ کی طبعی گردش قوم کے تمام افراد کے ہاتھوں میں ہوتی رہے!

اسلام میں مجبور و محروم کے بھی حقوق ہیں۔ ان حقوق کو جماعت وصول کرے گی، اور محتاجوں پر صرف کرے گی۔

وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات: ۱۹) — اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا۔

یہ حق — زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے حقوق و واجبات بوقت ضرورت سرمایہ داروں سے وصول کیے جاتے ہیں۔

پھر اسلام میں کچھ قواعد کسب مال اور تعامل کے بھی ہیں۔ اگر کسی تعامل میں کسی فرد یا جماعت کا نقصان ہو تو اسلام اسے جائز نہیں قرار دیتا۔ اسی لئے لوٹ، چوری، دھوکہ اور اجارہ داری کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ سود، جو ان تمام وسائل میں بدترین وسیلہ ہے بھی حرام ہے!

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا — اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔ اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف اور اس کے رسول

لہ

بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کی طرف سے۔
(البقرہ: ۲۷۹)

اسلام نے پاکیزہ امدادِ باہمی کا بھی حکم دیا ہے۔

فَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔	اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے اور معاف کر دو تو یہ زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو ثواب کی خبر ہو۔
(البقرہ: ۲۸۰)	(البقرہ ۲۸۰)

یہ عام قواعد ہیں اور یہ وہ خاکہ ہے۔ جس میں اقتصادِ اسلامی بغیر رکاوٹ کے نشو و نما پاتا ہے سوائے ان پابندیوں کے جو بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔

یہ وہ طریقہ ہے۔ جس پر منہج ربانی' اقتصادی امور کو درست کرتی ہے۔ لوگوں کو ظلم سے روکتی ہے اور ان کو طاغوت کی غلامی میں جانے سے بچاتی ہے۔

ان بنیادی اصولوں کے ساتھ ہم ایک اہم حقیقت بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں جو اقتصادیات میں اللہ کی صراطِ مستقیم کا طرۂ امتیاز ہیں۔

اسلامی تصورِ انسان کو "جبریتوں" کا غلام نہیں بناتا۔ خواہ مادی جبریت ہو یا اقتصادی جبریت یا تاریخ کی جبریت!

— بلکہ اسلامی نظام میں انسان اپنے اقتصاد اور اپنے مجتمع کی خود تشکیل کرتے ہیں — اسلام کسی قسم کے ایسے جبری اطوار کو نہیں تسلیم کرتا۔ جو لوگوں کی زندگیوں کو معین قالب میں ڈھالیں۔ یا کوئی طبقہ دوسرے پر حاکم ہو۔ اس لئے کہ اقتصادی جبریت نے اس طبقہ کو ملکیت اور اقتدار دے دیا! یہ سب باتیں جاہلیت کے زیر سایہ ہوتی ہیں۔

اسلام میں تو لوگ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں "مادی جبریت" کی نہیں!

اسلام اس گئے گذرے دور میں بھی بڑی حد تک بگاڑ کو پھیلنے سے روکتا ہے! چنانچہ یورپ کی بھیانک جاگیرداری اسلامی دنیا میں اپنی 'جبریت' مسلمانوں پر اس طرح مسلط نہ کر سکی، جیسی یورپ میں کی ہے۔

اسلامی تصور میں انسان ہی قوتِ فاعلہ ہے اور کائنات پوری کی پوری اس کے لیے

مسخر کر دی گئی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ: ۱۳)

اس نے زمین و آسمان کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا سب کچھ اپنے پاس سے۔

اسلام میں انسان اپنا اقتصادی نظام اپنے تصور و عقیدہ کے مطابق اپنے ارادے سے تشکیل کرتا ہے۔ وہ کسی "تاریخ کی مادی جبریت" کے سامنے ذلیل و خاضع نہیں ہے!

اسلام انسان کو یہ فعال ایجابیت عطا کر کے اسے عالم تصور میں مکرم اور دنیائے عمل میں اس کے اقدام کو درست کرتا ہے ـــــ اس طرح انسانی معاشرہ ظلم، انحراف اور فساد سے بری ہو جاتا ہے۔

اسلام اور اجتماعی مسائل

اسلام نے اجتماعی مسائل میں فرد اور معاشرے کے درمیان توازن اور اعتدال قائم کیا ہے اور سماج میں مرد و زن کے تعلقات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ کیونکہ اسلام کی نظر میں فرد اور معاشرہ دو متحارب اور متضاد قوتیں نہیں ہیں بلکہ دونوں میں ہم آہنگی ہے اور دونوں کو خلافت کا منصب سپرد کیا گیا ہے۔ اس لیے فرد اور معاشرے میں فرد کی اہمیت زیادہ ہو۔ وہ معاشرے کی بیخ کنی میں لگ جائے اور جس سماج میں معاشرے کی اہمیت زیادہ ہو وہ سماج کو کچل کر رکھ دے۔

اعتدال کی راہ یہی ہے کہ فرد کا وجود معاشرے سے وابستہ اور معاشرہ افراد کے وجود سے قائم ہوتا ہے۔ اگر اس حقیقت میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو یا فرد معاشرے کی قیود سے آزادی حاصل کر کے سماج کی توڑ پھوڑ میں لگ جائے گا۔ یا معاشرہ فرد کے وجود کو مٹا دے گا۔

جبکہ اعتدال کی صورت میں فرد اور معاشرہ دونوں طبعی حدود میں رہتے ہیں اور ان کے مقاصد افکار اور شعور میں یگانگت اور ارتباط ہوتا ہے ـــــ اور معاشرتی ڈھانچہ مکمل اور سالم ہوتا ہے۔

اسلام بھی فطرتاً اعتدال کی راہ پسند کرتا ہے اور فرد اور معاشرہ دونوں میں اعتدال قائم کر کے ـــــ

انتہا پسندی اور بگاڑ کی راہیں مسدود کر دیتا ہے ——

اسلام فرد اور معاشرے میں متوازن کیفیت پیدا کرتا ہے۔ ایک طرف تو فرد کو اپنے تشخص کے اظہار کے لیے مواقع فراہم کرتا ہے اور دوسری جانب معاشرے کے مربوط تشخص کو ابھارتا ہے —— اور دونوں میں اعتدال پیدا کرتا ہے!

اسلام اور انفرادیت

فرد سے اسلام براہ راست خطاب کرتا ہے۔ اس کو کچھ حقوق دیتا ہے اور کچھ ذمہ داریاں عائد کرتا ہے جس سے مضبوط اور مربوط معاشرہ رونما ہوتا ہے!

اسلام میں فرد کا اللہ سے براہ راست بغیر کسی واسطہ کے تعلق ہے۔

فرد اللہ کو پکارتا ہے۔ مناجات کرتا ہے۔ اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اللہ کے قریب ہوتا ہے اور ان تمام امور میں فرد مستقل اور بذات خود اپنا وجود رکھتا ہے۔

اسلام فرد کو ہمیشہ شعور دلاتا ہے کہ اس کو انفرادی طور پر اللہ کی پوری پوری رعایت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرد کو ماں باپ سے پیدا کرتا ہے۔ اپنی محدود قسمت لے کر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے رزق دیتا ہے۔ اگرچہ رزق انہی اسباب سے ملتا ہے جس میں جماعت اور پوری کائنات مشترک ہے لیکن یہ رزق اس کی ذات ہی تک محدود ہوتا ہے اور اس کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔

پھر جب فرد اللہ کو پکارتا ہے۔ اللہ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ اس کی دنیاوی حاجت پوری کرتا ہے۔ یا آخرت میں اس کے لئے ثواب لکھ لیتا ہے۔ بہرکیف دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ فرد کی دعا کو —— انفرادی حیثیت سے —— قبول فرماتا ہے:

پھر فرد آخر میں اللہ کے پاس بھی انفرادی حیثیت میں جاتا ہے۔

وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا (مریم ۹۵)	اور قیامت کے روز سب کے سب تنہا تنہا حاضر ہوں گے۔
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (المدثر: ۳۸)	ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں محبوس ہوگا۔
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (الانعام: ۱۶۴)	اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا۔

اللہ کے ساتھ فرد کے اس براہ راست رابطے اور تعلق سے اس کا مستقل ذاتی انفرادی شعور پیدا ہوتا ہے ؟

پھر اللہ تعالیٰ فرد کو انفرادی حیثیت میں کچھ ذمہ داریوں کا مکلف بھی بناتا ہے ۔ ہر فرد ذاتی طور پر مکلف ہے کہ وہ اللہ کے شعائر اور اللہ کے قوانین کی پابندی کرے اور معاشرے کے دیگر افراد کو بھی ان امور کی بجاآوری کی دعوت دے جس قدر بھی اس میں طاقت اور ایمان ہو ۔

فرد ـــــ اسلام میں ـــــ امت کے مسائل کو اپنے ہی مسائل سمجھتا ہے ۔ اور اسلام میں عام مسائل یہ ہیں : اللہ کے قانون کا نفاذ ، صحیح و راست حکومت کا قیام ، درست اقتصادی نظام کا قیام ، صالح معاشرہ کا وجود ، معاشرے میں اخلاقی اقدار کی اشاعت ، معاشرے کو ہر اخلاقی بگاڑ سے پاک صاف رکھنا اور حاکم پر نظر رکھنا ـــــ کہ وہ اللہ کے قانون اور حق وانصاف سے نہ ہٹ جائے ـــــ

مندرجہ بالا تمام امور اس بات کے ضامن ہیں کہ اسلام فرد کی مثبت اور فعال شخصیت کو واقعیاتی زندگی میں اجاگر کرتا ہے اور فرد کی انفرادی شخصیت کو بروئے کار لانے کیلئے تربیتی طریقہ کار اختیار کرتا ہے کہ پہلے فرد کو نفسیاتی اخلاقی اور اجتماعی تربیت دیتا ہے تاکہ وہ اس نظام اسلام میں موجود عظیم تر ذمہ داری سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہو سکے !

اس کے بعد اسلام فرد کو ۔ انفرادی ملکیت کے حقوق بھی عطا کرتا ہے ۔ اس سے بھی اس کی مستقل فردیت کو مزید نما ملتا ہے ۔ خواہ فی الواقع اسے کوئی ملکیت حاصل ہو یا نہ ہو اس کا حق ملکیت تو بہرحال موجود ہے ۔ اسی طرح اسے حصول ملکیت کے مواقع بھی موجود ہیں ۔ ان دونوں امور سے جہاں فرد کی اپنی شخصیت کو ذاتی ملکیت کی بنا پر نما و ظہور حاصل ہوتا ہے ۔ وہاں فرد اپنا رزق ـــــ جو کچھ اللہ نے اسے عطا کیا ہے ـــــ اپنے سامنے پاتا ہے اور اپنے ہاتھ سے حاصل کرتا ہے ۔ اس سے بھی اس کا ذاتی شعور ابھرتا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایسا کوئی ذریعہ بھی آجاتا ہے کہ جس سے وہ حاکم اور منحرف معاشرے کے طغیان کا مقابلہ کر سکتا ہے ۔

اگر حق ملکیت موجود ہونے ـــــ اور حصول ملکیت کے مواقع فراہم ہونے کے باوجود معاشرے کا کوئی فرد محروم رہ جائے تو بھی اسلام اس فرد کو ضائع ہونے کے لیے بے آسرا نہیں چھوڑ دیتا ۔ بلکہ

اسے حکومت کے بیت المال کی کفالت حاصل ہوتی ہے۔

اسلام میں حکومت کا کسی فرد کی کفالت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ حکومت اس فرد کو کسی مفید کام کے لئے تربیت دے کر اسے کسی نفع بخش عمل میں لگائے گی ــــ اور اگر کمزوری بڑھاپے یا بچپن کی بنا پر فرد کو عمل کے لیے تیار نہ کیا جا سکے تو حکومت اسے بیت المال سے وظیفہ دے گی۔

پھر اس فرد کو جو کچھ ملے گا۔ وہ کوئی لوگوں کا اس پر احسان نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ اسلام کا مقرر کردہ حق وصول کرے گا! کیونکہ لوگوں کے پاس جو رزق ہے۔ وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ نے اپنے رزق میں مستحقین کا بھی حق رکھا ہے۔

فرد کی ذاتیت کے ظہور کی یہ آخری حدود ہیں۔ جو دنیا میں کوئی نظام ممکنہ طور پر پیش کر سکتا ہے اور یہ نظام اسلام ہے!

اسلام اور اجتماعیت

دوسری جانب اسلام "اجتماعی شخصیت" کو بھی نمار دیتا ہے۔

جس طرح اسلام نے فرد کو کچھ ذمہ داریوں کا مکلف بنایا ہے۔ اسی طرح جماعت بھی بعض امور کی مکلف ہے چنانچہ جماعت اپنی ــــ اجتماعی حیثیت میں ــــ اللہ کے قانون کے نفاذ کی مکلف ہے ــــ جماعت ہی خلیفہ کو منتخب کرتی ہے اور جماعت ہی سے بیعت ہوتی ہے۔ نہ کہ افراد سے ــــ جماعت ہی خلیفہ کی نگرانی کرتی ہے۔ اس کا محاسبہ کرتی ہے اور اس کو مشورے دیتی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۱۰۴)	تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں، اور بُرے کاموں سے روکا کریں۔
وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ: ۳۸)	اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔
وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ	اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورے

(آل عمران : ۱۵۹) لیتے رہا کیجیے۔

قرآن نے متعدد مرتبہ جماعت مسلمین کو مخاطب کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى (البقرہ : ۱۷۸) — اے ایمان والوں تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے بارے میں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (البقرہ : ۲۰۸) — اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء : ۲۹) — اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور مت کھاؤ (النساء : ۲۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا (النساء - ۷۱) — اے ایمان والو! اپنی تو احتیاط رکھو پھر متفرق طور پہ یا مجتمع طور پر نکلو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ (المائدہ : ۹۰) — اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں۔ سو ان سے بالکل الگ ہو۔

ان تمام مخاطبات میں جماعت کے لیے قوانین دیتا ہے اور ان کو حکم دیتا ہے کہ وہ اجتماعی انداز میں اپنی تربیت کریں اور اپنے اندر ایسے افراد کی تشکیل کریں۔ جو ان تمام ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دے سکیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران : ۱۰۳) — اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ : ۲) — اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو۔

یہ تمام امور ایک مضبوط اور مربوط جماعتی حیثیت چاہتے ہیں۔ جو ان امور کے نفاذ پر قادر ہو۔

اسلام میں جماعت کی تشکیل افراد سے ہوتی ہے ـــ مومن جماعت ـــ جس سے قرآن تخاطب کرتا ہے۔ اور جس کی ذمہ داریاں اوپر بیان ہوئی ہیں ـــ مومن افراد سے وجود میں آتی ہے۔ ہر فرد اپنی جگہ پر مومن ہوتا ہے اور اللہ سے اس کا رشتہ ہوتا ہے۔ لیکن اسلام نے افراد سے تشکیل پائی ہوئی ہیئت اجتماعی کو تمیز تشخص دیا ہے اور اس "اجتماعی ہیئت" کو یہ بالادستی عطا کی ہے کہ اگر کبھی فرد کو اس کی فردیت سوا ءسبیل سے ہٹا دے۔ تو اجتماعی ہیئت اس فرد میں توازن پیدا کرے۔ کیونکہ جماعت فرد کی نگران ہے اور اس کے اعمال کو صحیح رُخ دینے والی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جماعت مسلمہ کو یہ اقتدار عطا فرمایا ہے کہ جب بھی کوئی فرد جادۂ حق سے منحرف ہو جائے تو جماعت اس کو راہِ راست پر لگا دے۔

لیکن جماعت کو اس اقتدار کے غلط استعمال سے بچانے کے لئے اس کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ ہر حال اور ہر شکل میں ـــ اسلامی معاشرے میں اللہ کے قانون کی پابند رہے گی۔ اور اللہ کا قانون انسان کے لیے ہے جس میں فرد ـــ اور ـ مجتمع برابر کے شریک ہیں۔

جماعت مسلمہ کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اسلامی سرزمین، اسلامی قانون اور ارض اسلام میں رہنے والوں کی حفاظت کرے ـــ اور یہ تحفظ ایک مربوط اور متناسق ہیئت اجتماعی کے طور پر ہونا چاہیئے۔

اسلام میں جماعت ـــ علی نقطۂ منظر سے ـــ سرمایہ کی مالک ہے۔ وہ ہی فرد کو اس میں تصرف کا حق دیتی ہے ـــ اور ـــ علیٰ نقطۂ منظر سے اگر کوئی فرد حسن تصرف میں کوتاہی کرے تو جماعت ایسے فرد سے ملکیت واپس لے لیتی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا (النساء:)

اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے مایۂ زندگانی بنایا ہے اور ان مالوں میں سے ان کو کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو۔

پھر جماعت مسلمہ کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ حکومت کے تعاون کی ضرورت پیش آنے سے پہلے ہی اپنے کمزور افراد کو اپنی کفالت میں لے لے۔ کیونکہ حکومت تو ایسے لوگوں کا آخری سہارا ہے ــــ اور یہ اجتماعی کفالت پہلے خاندان کے دائرے میں پھر اجتماعی ہیئت میں اور پھر پوری امت اسلامیہ کی حدود میں ہونی چاہیئے۔ اس طرح اسلام میں ہیئت اجتماعی کا ظہور و نما ہوتا ہے اور فرد و جماعت کے تشخص میں توازن پیدا ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی واقعیاتی زندگی اس قدر سہل نہیں ہے۔ جس آسانی اور سہولت کی ساتھ ہم یہ باتیں لکھ رہے ہیں ــــ

ــــ بلکہ واقعیاتی زندگی میں جو تلخ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ کبھی فرد معاشرے کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور کبھی اجتماعی ہیئت فرد کے وجود کو ختم کرنے کھڑی ہو جاتی ہے! لیکن اس حقیقت کے ذمہ دار لوگ ہیں۔ نظام نہیں ہے!

انسانوں میں بہرحال راہ راست سے منحرف ہونے کا فطری جذبہ بھی اسی قدر ہے۔ جتنا جادۂ حق پر چلنے کا ہے۔

نظریاتی اور واقعیاتی لحاظ سے ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے ــــ کہ انسان طبعی استعداد کی بناء پر کبھی کبھی منحرف بھی ہو جائیں ــــ اور یہ کہ انحراف کسی نظام کا جزء لاینجزیٰ ہو کہ لوگ اس وقت تک انحراف سے نہ بچ سکیں۔ جب تک اس نظام میں بنیادی تبدیلیاں نہ کرلیں۔ یا جب تک اس غلط نظام کو بدل کر دوسرا نظام نہ لے آئیں

نظام سرمایہ داری اور فرد کی بغاوت

سرمایہ داری نظام کی طبیعت میں یہ بات شامل ہے کہ اس میں فرد معاشرے کے خلاف باغی ہوتا ہے ــــ اور لوگ اس بات پر قادر نہیں ہوتے کہ وہ فرد کی بغاوت کا راستہ روک دیں۔ الا یہ کہ وہ سرمایہ داری نظام کی بنیادیں ہی بدل ڈالیں ــــ لیکن جب تک سرمایہ داری نظام رہے گا۔ لوگ نہ فرد کی سرکشی کو دبا سکتے ہیں اور نہ اسے راہِ راست پر لا سکتے ہیں۔

اشتراکی نظام اپنی فطرت میں فرد کے خلاف باغی ہے۔ اس خوفناک اور بھیانک

نظام کے بوجھ تلے فرد کا وجود لمحہ بہ لمحہ سکڑتا رہتا ہے اور اشتراکی نظام ہر اس فرد کو کچل ڈالتا ہے۔ جو اس نظام کے خلاف آواز اٹھائے۔ یا پرولتاری آمریت کے مقدس لیڈر کے خلاف بغاوت کرے۔

اسلامی نظام کی فطری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرد اور مجتمع نظام کی خرابی کی بنا پر باغی نہیں ہوتے۔ ہاں جب فرد یا مجتمع اسلامی نظام سے انحراف کریں تو طغیان پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تمام تر ذمہ داری لوگوں ہی پر ہے اور ان کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹائیں۔ تاکہ انحراف دور ہو جائے اور تمام معاملات مستقیم ہو جائیں:-

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسولؐ کا کہنا مانو اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے حوالہ کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

(النساء: ۵۹)

اس موقعہ پر یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ تمام امور میں قانونی اقتدار صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو حاصل ہے اور اطاعت بھی براہ راست اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ اطاعت اولی الامر اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے متعلق ہے۔ اسی بنا پر "اطیعوا" کا فعل اللہ اور رسولؐ کے ساتھ مکرر لایا گیا ہے اور اولی الامر کی اطاعت کو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ پھر مؤمنین کے درمیان اختلاف رونما ہونے کی شکل میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ اس سے علم ہوا کہ قانون سازی کا اختیار صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو حاصل ہے۔ اولی الامر اس میں شریک نہیں ہیں!

اس اسلامی تصور کے زیر سایہ فرد اور معاشرہ دو متقابل اور متحارب قوتیں نہیں ہیں۔

بلکہ فرد اور مجتمع میں تداخل اور تعاون ہے اور یہ دونوں مقاصد افکار اور شعور میں متحد ہیں ـــــ یہی اتحاد درحقیقت انہیں کش مکش اور سرکشی سے بچاتا ہے۔

اسلام کی انسانیت سے ہمدردی

اسلام معاشرے کے افراد (مرد۔ عورتیں۔ بچے) کے ساتھ بہت ہمدردی رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کی نشوونما صالح بنیادوں پر ہو۔ تاکہ وہ جاہلیت کے انحراف اور اس انحراف کے نتیجے میں شقاوت، بدبختی، حیرت و بے چینی اور عذاب الیم سے بچ سکیں!

چنانچہ اسلام نے تقسیم کار کے اصول پر مرد کو مادی پیداوار اور اقتصاد و سیاست کا ذمہ دار بنایا ـــــ اور ـــــ عورت کو پیدائش، گھریلو نگرانی اور نئی نسل کو صالح بنیادوں پر تربیت دینے کی ذمہ داری سونپی ہے ـــــ اور ـــــ

بچوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنی فطری پرورش گاہ سے رعایت اور تربیت حاصل کریں ـــــ اور خاندانی بنیادوں کو سہارا دیں! مگر یہ تقسیم کار جبری اور قطعی نہیں ہے۔ البتہ ـــــ اس تقسیم میں مرد و عورت کی فطرت اور ان کی طبعی استعداد کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

عورت، حمل، ولادت اور رضاعت کے لیئے فطری اور حیاتیاتی استعداد رکھتی ہے اور اس کی نفسیاتی ترکیب نے اس میں جذبۂ عاطفیہ کو زیادہ قوی اور جلد بیدار ہونے والا بنایا ہے اور یہی عورت کا اصل تشخص ہے ـــــ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت گھریلو زندگی سے باہر اور وظیفۂ فطری کے علاوہ کوئی کام انجام دے ہی نہیں سکتی۔ پہلے باب میں آسٹریا کی خاتون ڈاکٹر کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ عورت نے مرد کے تمام اعمال میں مساوات کی کوشش کی اور اس کی یہ کوشش کس طرح اس کے حیاتیاتی تشخص پر اثر انداز ہوئی ہے اور اس کے مثل بننے کے وظائف کمزور پڑ گئے اور عورت، عورت باقی نہیں رہی اور نہ مرد بن سکی (جو اس کی دلی تمنا تھی) بلکہ تیسری جنس ہی بننے والی ہے۔ جو پریشان و بے چین و مضطرب ہے۔ یہ در اصل فطرت کی سزا ہے۔ اور فطرت جاہلیت کی حماقتوں کے سامنے سرنگوں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ فطرت اللہ کی صنعت ہے۔ جس نے ہر شے کو پیدا کیا اور اس کو اپنی فطرت کی طرف

ہدایت فرمائی۔

جدید عورت کے ترقی پسندی اور آزادیٔ نسواں کے تمام دعوے کھوکھلے ہیں اور مرد نے عورت کو اس لیے سجائی ہیں کہ مرد کے لیے اس کا حصول آسان ہو سکے اور وہ اپنے جذبات کی آسانی سے تکمیل کر سکے۔

غرض یہ سب باتیں فطرت کا مقابلہ اور کھلی حماقتیں ہیں! فطرت وقت و زمانہ کی پابند نہیں کہ وقت آگے بڑھ گیا اور زمانہ ترقی کر گیا! اگر فطرت کے مقابلہ میں وقت کے پیمانے مختل ہو جائیں تو عورت ـــــ اور اس کے ساتھ مرد اور بچے بھی پراگندگی اور بدبختی کا شکار ہو جائیں گے یہی وجہ ہے کہ عورت کی بے پردگی سے سارا معاشرہ تباہی اور شقاوت سے ہمکنار ہو گیا ـــــ نہ گھر باقی رہا ـــــ نہ خاندان اور نہ گھر کا سکون! اسلام تو جاہلیت کی حماقتوں پر چلنے سے رہا!

اسلام نہیں چاہتا کہ عورت اس طرح جاہلیت کے بگاڑ میں ختم ہو کر رہ جائے۔ بلکہ اسلام تو چاہتا ہے کہ عورت سعادت و سکون حاصل کرے۔

چنانچہ اسلام نے عورت کو فطری وظیفہ سپرد کیا ہے اور اس ضمن میں اس کو ہر ممکن کفالت اور صیانت مہیا کی ہے۔ مثلاً بغیر عمل کے اسلام اس کے رزق کا ضامن ہے۔ اسلام اس کے انسانی احترام کا محافظ ہے۔

اسلام اس کی گھر اور گھر سے باہر کی کوششوں کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے۔

اور اسلام اس کے اخلاق کا محافظ ہے اور نہیں چاہتا کہ وہ مخلوط معاشرے میں مل کر لوگوں کے لئے فتنہ اور انسانیت کے لیے تباہی کا سبب بنے۔ جیسا کہ ول ڈیورانٹ کہتا ہے کہ اسلامی نظام میں مرد تمام گھریلو اخراجات کا مکلّف ہے ـــــ اور اگر عورت کے پاس کوئی سرمایہ ہو تو وہ اس کی بھی مالک ہے اور اس میں تصرف بھی کر سکتی ہے اور یہ وہ حق ہے جو جاہلیت جدیدہ میں بہت بعد میں تسلیم کیا گیا اور ابھی تک مکمل نہیں ہے ـــــ اور یہ وہ حق ہے جس کے حصول میں مغربی عورت اپنی نسائیت، اپنی فطرت اور اپنا اخلاق بھی کھو بیٹھی ـــــ حالانکہ اسلام نے از خود یہ حق عورت کو عطا کر دیا!

اسلام میں عورت کا احترام

اسلام کے تمام قوانین و توجیہات عورت کے احترام انسانی کے کفیل ہیں اور حق ملکیت

اور حق تصرف بھی اس کے لیے محفوظ ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء، ۳۲)	مردوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ (النساء،)	اے ایمان والو تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ۔ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے۔ اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو۔

اللہ نے انسانوں میں مساوات بھی مقرر فرمائی ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً (النحل ۹۷)	جو شخص بھی نیک عمل کرے گا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔
فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ (آل عمران۔ ۱۹۵)	سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو۔

عائلی زندگی میں عورت کا احترام بھی اسلام میں ملحوظِ خاطر ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء۔ ۱۹)	اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو۔

حتیٰ کہ ناگواری کے حالات میں بھی عورت کا احترام مدِ نظر ہے۔

فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ	اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم

اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (نساء-۱۹) ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

اس طرح اسلام فکری و عملی، اقتصادی اور اجتماعی طور پر عورت کو اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لیے فارغ کر دیتا ہے اور اس کے فطری تشخص کو بروئے کار لاتا ہے۔ جس کو جاہلیت جدیدہ نے مساوات کا جھگڑا کھڑا کر کے تباہ کر دیا!

پھر بھی عورت کے حق میں یہ تقسیم عمل آخری اور فیصلہ کن نہیں ہے۔ کیونکہ گھر سے باہر کے کام عورت کے لئے ممنوع و حرام نہیں ہیں۔ لیکن اسلام اس کو صرف ضرورت کے وقت ہی مناسب خیال کرتا ہے۔ خواہ وہ انفرادی ضرورت ہو یا اجتماعی ــــ بغیر ضرورت اسلام عورت کے گھر سے باہر کے کاموں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

اور اگر انسانی زندگی کی اجتماعی، اقتصادی، فکری، روحی اور خلقی طور پر اس طرح تشکیل کی جائے کہ عورت زندگی کے ہر میدان میں مرد کی ساتھی ہو۔ تو یہ ایک تباہ کن جاہلی حماقت ہے جس کے نتائج عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں کہ عورت جنس ثالث کی طرف منتقل ہو گی اور اس میں ہر قسم کی عقلی، عاطفی، وجدانی، اخلاقی اور جنسی پراگندگی پائی جائے گی اور بچوں کی نسل جو بغیر ماؤں کے نوکروں کے ہاتھوں یا تربیت گاہوں میں پرورش پائیں گے وہ بھی اسی قسم کی پراگندگی اور ابتری اور کا شکار ہوں گے اور ان عورتوں اور ان بچوں سے کل کا معاشرہ وجود میں آئے گا!

یہ کہتے کہ ہم تھوڑی سی مادی منفعت کے لئے خود ہی انسانیت کو تباہی میں ڈال رہے ہیں۔ مادی منفعت خواہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو ــــ وہ جوہر انسانیت کے سامنے تو بالکل حقیر ہے ــــ دنیا کی آج کی ساری مادی پیداوار اور کل کی الکٹرونی مشینوں کی فراہم کردہ مصنوعات ساری کی ساری بھی انسانیت کی قیمت نہیں بن سکتی!

ــــ مگر اسلام جاہلیت کی حماقتوں کو کبھی بھی درست نہیں کہہ سکتا!

اسلام تو مرد، عورت اور بچوں سب کو صحیح مقام دیتا ہے! اسلامی نظام میں مرد مادی پیداوار اور سیاست و اقتصاد سے نمٹتا ہے۔ عورت پیدائش، پرورش، تربیت اور بچوں

کی نشوونما کے فرائض انجام دیتی ہے ـــــ اور بچے اپنی فطری پرورش گاہ میں پرورش حاصل کرتے ہیں۔ اور اس مطمئن خاندان کے بندھن عورت اپنے عاطفی جذبات سے باندھے ہوئے ہوتی ہے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت بوقت ضرورت بھی مادی پیداوار کے لیے کام نہ کرے ہاں یہ کہ ایسا شغلہ نہ بننا چاہیئے۔ جس سے طاقتیں تباہ اور اخلاق خراب ہو!

پھر مرد و عورت اسلامی نظام میں پاک و نظیف اجتماعی اصولوں کے مطابق گھر میں اور گھر سے باہر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ ملاقات حیوانی سطح پر لہو و عبث نہیں ہوتی وہ مل جل کر ایک صالح معاشرہ کے قیام کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔

بغیر کسی مجنونانہ اختلاط کے جس میں مرد و عورت اور نوجوانوں کی قوتیں تباہ اور ان کی صلاحیتیں برباد ہوں۔ اسلامی نظام میں مرد و عورت مل جل کر اپنی اولاد کی اسلامی اخلاق پر پرورش کرتے ہیں۔

ذرا جاہلیت جدیدہ کی طرف نظر ڈال کر دیکھیئے۔ کتنا وقت، کتنی محنت اور کتنا سرمایہ رقص گاہوں اور مختلف محفلوں پر خرچ ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں سوائے لذتِ حیوانی اور اخلاقی فساد کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ الغرض سارے معاشرے کے بگاڑ کی بنیاد ہی یہی ہے کہ عورت فساد کا شکار ہو گئی ہے اور یہ فساد مردوں میں اور نوخیز نسل میں سرایت کر گیا ہے!

تمام معاملات کی اساس ـــــ اخلاق

اسلام کی نظر میں معاشرے کے جملہ معاملات کی اساس اخلاق ہے اور اس کا رشتہ اللہ سبحانہ کی ذات سے پیوست ہے اور اخلاقی اصولوں کا معاملہ انسانوں کے ہاتھوں میں نہیں دیا گیا ہے کہ وہ جب چاہیں انحراف کو قبول کر لیں۔

مگر جب جاہلیت اللہ کی الوہیت اور اس کی حاکمیت سے منحرف ہو کر اضطراب میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس کے سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی نظام میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح جب جاہلیت اخلاق میں اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے بھٹک جاتی ہے تو اضطراب و اختلال سے دوچار ہو جاتی ہے۔

کیونکہ ـــــ جب لوگ جادۂ حق سے دُور ہو جاتے ہیں تو ان کی زندگی پر طاغوت حکمران ہو جاتا ہے ۔ اور یہی طاغوت لوگوں کے لیے اخلاقی قوانین بھی بنا ڈالتا ہے ۔

تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے کہ اخلاق اقتصادی نظام کا ایک پرتو ہے اور اخلاق ــ انقلاب پذیر ہے ۔ جس وقت معاشرے کا اقتصادی ڈھانچہ بدلے گا لازمی طور پر نظام اخلاق بھی بدل جائے گا! ہر چند کہ یہ تعبیر بہ حیثیت مجموعی غلط ہے مگر ایک درجہ میں اس میں صداقت بھی موجود ہے۔

جاہلیت میں اخلاق فی الواقع اقتصادی نظام کے تابع ہوتا ہے ۔ اور جوں ہی اقتصادیات میں تبدیلی آتی ہے فوراً اخلاق بھی بدل جاتا ہے ۔ کیونکہ جو طاغوت ایک طبقہ کے مفادات کی خاطر قانون بناتا ہے ـــ وہ اسی طبقہ کے مفادات کے لیے اخلاق بھی گھڑ لیتا ہے ـــــ جاہلیت سمجھتی ہے کہ اخلاق اور اقتصادیات میں سبب اور نتیجہ کا رشتہ ہے ۔ حالانکہ ان دونوں کا ارتباط صرف اس وجہ سے ہے کہ دونوں کا تعلق ایک ہی طاغوت سے ہے ۔!

اللہ کی صراط مستقیم میں بھی سیاست، اقتصاد، اجتماعی اور ـــ اخلاق میں ارتباط پایا جاتا ہے ۔ لیکن یہاں بھی سبب اور نتیجہ نہیں ہے ۔ بلکہ ارتباط صرف اس لئے ہے کہ یہاں بھی زندگی اور اخلاق دونوں کا مصدر اللہ تعالیٰ ہے ۔

ہونا بھی یہی چاہیئے ـــ کہ ایک ہی مصدر لوگوں کی تمام زندگی کی تشکیل کرے ۔ سیاست ہو یا اقتصاد ـــ اجتماع ہو یا اخلاق ـــ جنسی علائق ہوں یا زندگی کا کوئی اور گوشہ سب کی تشکیل ایک ہی مصدر سے ہونی چاہیئے ـــ خواہ وہ مصدر و مرکز اللہ ہو ـــ یا ـــ طاغوت ـــ!

جب مغرب کی جاہلیت جدیدہ میں اخلاق کا رشتہ اپنے اصلی سرچشمے یعنی اللہ کی صراط مستقیم سے ٹوٹ گیا ۔ تو اخلاق بھی بگاڑ کا شکار ہو گیا!

اگرچہ یہ بگاڑ بہت آہستہ آہستہ رونما ہوا ۔ کیونکہ اخلاق انسانی نفس کی گہرائیوں میں پیوست ہوتا ہے اور اس وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑتا جب تک انسانیت شدید بحران اور اضطراب سے دوچار نہ ہو جائے ـــــ لیکن بالآخر بگاڑ رونما ہو کر رہا اور پہلے سیاست اخلاق سے جدا ہوئی ۔ پھر اقتصاد کا رشتہ ٹوٹا ۔ پھر جنسی علائق جدا ہوئے حتیٰ کہ سارا

اخلاق نفع پرستی اور خود پسندی کا نام ہو گیا

تاریخ میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی وقت میں سارا اخلاق تباہ ہو گیا ہو — کیونکہ انسانیت — جس میں خیر و شر کے دونوں پہلو موجود ہیں — کبھی بھی کلیتاً شر اختیار نہیں کر سکتی، بلکہ خیر کے اجزا اس کی زندگی کے مختلف گوشوں میں بکھرے رہتے ہیں۔ ہاں یہ ہوتا ہے کہ شر بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ خیر پر غالب آجاتا ہے —— اور — جب شر خیر پر غالب آجاتا ہے۔ تو انسانی معاشرہ زوال پذیر ہو جاتا ہے!

اسلام اخلاق کو بھی اس کا طبعی اور مناسب مقام دیتا ہے۔ اسلام میں زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرح اخلاق کا بھی مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس عقیدے کے پیش نظر اخلاق طاغوت کے ہاتھوں میں جانے سے بچ جاتا ہے۔ کیونکہ طاغوت اپنے وجود کو چھپانے اور انسانیت کے لیے فساد کو سہل بنانے کے لیے اخلاقی حلت پسندی کو "تطور" (ترقی) کے نام سے پیش کرتا ہے۔

مگر کیونکہ اسلامی اخلاق اللہ کی جانب سے ہے۔ اس لئے نہ یہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق بدلا جا سکتا ہے اور نہ اپنے راسخ اصولوں سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ نہ کسی طبقہ کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے اور نہ روز بدلنے والا فیشن بن کر رہ جاتا ہے۔

اور —— چونکہ یہ اخلاق اللہ کی جانب سے ہے۔ اسی لئے یہ انسانی اخلاق بھی ہے یہ تمام انسانوں سے انسانیت کی بنیاد پر تعامل کرتا ہے نہ قومی مصلحت مدنظر ہوتی ہے اور نہ عصبیت دینی —— اور نہ انحراف کا کوئی اور رنگ ہوتا ہے —— جس کا اللہ کے راستے سے ہٹ کر مغربی اخلاق شکار ہوا ہے۔ بلکہ اس کا انسان سے معاملہ صرف انسانیت کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اس میں کسی رنگ عنصر طبقہ اور اعتقاد کا فرق ملحوظ نہیں ہوتا۔ اور اس اخلاق میں صرف وہ انسان مدنظر ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مرد و زن سے پیدا فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ	اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو،
الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ	جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور
وَخَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ	اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً (النساء: ۱)	ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔
وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات: ۱۴)	اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اسلام میں اخلاقی قواعد ناقابل تغیر رہتے ہیں۔ خواہ اقتصادیات وسیاسیات میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ کیونکہ اس کی بنیاد انسانوں کے درمیان انسانیت کی بنیاد پر مساوات ہے اور یہ کہ انسانوں کی حرمات کا دشمنوں سے تحفظ کیا جائے [1]

اسلامی تاریخ اس اخلاق کے کئی بہترین نمونے پیش کرتی ہے۔ جس کو سامنے رکھ کر اسلامی اخلاق اور مغربی اخلاق کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ جس مغربی اخلاق کی بنیادیں ذاتی نفع خود پسندی اور کسی طبقہ کا مفاد یا کسی قوم کی مصلحت کے حصول ہیں۔

ابتدائے اسلام میں جب یہودی اسلام کے خلاف بڑے شدومد سے نبرد آزما تھے اور اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ عقیدہ اسلامی کو جمنے سے پہلے اکھاڑ پھینکیں۔ دھوکہ فریب اور ہر قسم کی دغا بازیاں کر رہے تھے اور مسلمانوں کو شک وشبہ میں مبتلا کر رہے تھے اور مسلمان عورتوں پر تہمتیں لگا رہے تھے

اس ساری کش مکش کے ساتھ آلات حرب بھی استعمال کیئے جا رہے تھے، اور اس جنگ میں وعدہ سے پھر جانا۔ میثاق کو توڑنا اور مسلمانوں کی بے حرمتی کرنا ان کا عام شیوہ تھا!

اس ساری سرد وگرم جنگ کے باوجود جب ایک یہودی پر غلط تہمت لگائی جاتی ہے اور اسے سزا ملنے والی ہوتی ہے۔ تو اسلام اس بات کو قطعاً برداشت نہیں کرتا، کہ یہودیوں کی دسیسہ کاریوں کا بدلہ اس یہودی سے لیا جائے بلکہ فوراً آیت نازل ہوتی ہے

[1] "جمود وارتقا" میں "اسلام اور انسانی زندگی" کے باب دیکھئے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ
بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ
خَصِيمًا وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا
وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ
أَنفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا
يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا
أَثِيمًا يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ
وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَ
هُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ
مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ وَ
كَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا
هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ
عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ أَم مَّن يَكُونُ
عَلَيْهِمْ وَكِيلًا وَمَن
يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ
ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ
غَفُورًا رَّحِيمًا وَمَن
يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ
عَلَىٰ نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا

بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے
واقع کے موافق تاکہ آپ لوگوں کے درمیان
اس کے موافق فیصلے کریں جو کہ اللہ تعالیٰ آپ
کو بتلا دیا ہے اور آپ ان خائنوں کی طرفداری
کی بات نہ کیجئے اور آپ استغفار فرمایئے۔
بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے
رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف
سے جوابدہی کی بات نہ کیجئے۔ جو کہ اپنا نقصان
کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں
چاہتے۔ جو بڑا خیانت کرنے والا اور بڑا گناہ
کرنے والا ہو۔ جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ
آدمیوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے
نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس وقت ان کے
پاس ہے، جب کہ وہ خلاف مرضی الٰہی گفتگو
کے متعلق تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
ان کے سب اعمال کو اپنے احاطے میں لیے
ہوئے ہے۔ ہاں تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی
زندگی میں تو ان کی طرف سے جوابدہی کی باتیں
کرلیں۔ سو خدا کے روبرو قیامت کے دن
ان کی طرف سے کون جوابدہی کرے گا۔ یا
وہ کون شخص ہوگا جو ان کا کام بنانے والا
ہوگا۔ یا جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان
کا ضرر کرے پھر اللہ سے معافی چاہے تو وہ

حَكِيمًا ۝ وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً
أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا
فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا
مُّبِينًا ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ
عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّت
طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ
وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ
وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن
شَيْءٍ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ
عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن
تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ
عَلَيْكَ عَظِيمًا۔

(النسآء ۱۰۵-۱۱۳)

اللہ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا اور جو شخص گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں اور جو کوئی شخص چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے۔ سو اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لادا اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہو تو ان لوگوں میں سے گروہ نے تو آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا اور غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جانوں کو۔ اور آپ کو ذرہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائیں ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

یہ نو آیات تفصیلی بیان اور شدید و مکرر تاکید کے ساتھ نازل ہوئیں۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس یہودی کے خلاف فیصلے سے باز رکھ سکیں جس کے خلاف تمام قرائن موجود تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ بری تھا۔

اس واقعہ سے اسلام نے وہ مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک رہنی والی ہے ـــــ اور اس جیسی مثال اسلام کے سوا کہیں نہیں پائی جا سکتی![1]

---

[1] "جمود و ارتقاء"

داخلی سیاست کے بارے میں ہمارے سامنے حضرت عمرؓ کا مؤقف آچکا ہے۔ اس وقت جب آپ اعدائے اسلام کی اسلام کے خلاف جنگ سے نمٹ رہے تھے۔

سیاستِ خارجہ کی ایک مثال

اب ایک مثال خارجی سیاست کی بھی لے لیجیے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے حیرہ سے متصل بعض شہر والوں سے معاہدہ کیا اور اس میں یہ تحریر فرمایا۔ کہ "اگر ہم تمہاری حملہ آوروں سے حفاظت کریں تو تم ہمیں جزیہ دو ورنہ نہیں"۔

جب ہرقل نے ان علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لئے لشکر تیار کیا تو حضرت ابو عبیدہ نے شام کے مفتوحہ شہروں کے عمال کو تحریر کیا کہ ان شہروں سے جو جزیہ لیا گیا ہے۔ واپس کر دیا جائے اور آپؓ نے ان شہر والوں کو تحریر فرمایا۔ "ہم تمہارا مال واپس کر رہے ہیں، کیونکہ اس وقت ہم تمہاری یہ شرط پوری نہیں کر سکتے کہ بیرونی حملہ کی شکل میں ہم تمہاری حفاظت کریں گے آئندہ ہمارا معاہدہ بحال ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرما دے"۔

اس طرح سیاست اخلاق میں داخل ہوتی ہے۔ اور میکیاویلی کا بچاؤ کرنے والا کوئی نہیں رہتا — جو کہتا ہے کہ سیاست کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں!

اقتصادیات میں تو جاہلیت جدیدہ کا یہ قطعی گمان ہے کہ اقتصاد اخلاق سے متعلق نہیں ہے، بلکہ اس پر جبری قوانین نافذ ہیں۔ جن کے بارے میں خیر و شر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہر چیز کا پیمانہ یہ ہے کہ وہ کس جبری دور سے گذر رہی ہے۔ جب وہ جبری دور ختم ہو جائے تو ناپ تول کا پیمانہ بھی بدل جائے گا اور کل جو شئے صالح اور مناسب تھی۔ وہ آج ملعون و غلط ہو جائے گی اور اس میں اخلاق کا کوئی دخل نہیں ہے!

جاگیرداری اپنے دور میں صحیح ہے اور اپنے امور کا خود ہی پیمانہ ہے۔ جب جاگیرداری دور ختم ہو گیا۔ اور اس کی جگہ سرمایہ داری کا دور آ گیا — تو جاگیرداری مردود و ذلیل قرار پائی۔ اس لئے نہیں کہ یہ نظام عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس کا دور ختم ہو چکا۔ — اور — سرمایہ داری درست ہے — جب تک وہ اپنے طبعی دور میں موجود ہے۔ اور جب سرمایہ داری ختم ہو جاتے تو یہاں بھی میزان الٹی ہو جائے گی — اور تاریخ کا چکر

اسی طرح چلتا رہے گا کہ اخلاق کسی شے کے ناپنے کا پیمانہ نہ ہو!

یہ سب باتیں ترقی، تقدم اور ارتقاع کی ہیں!!

مگر — اسلام اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتا کہ لوگوں کی زندگیوں کا کوئی حصہ ایسا بھی ہو سکتا ہے جس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہ ہو۔

حرمتِ سود

سود کی حرمت کی بنیاد اخلاقی بھی ہے اور اقتصادی بھی۔! اقتصاد اور اخلاق میں نہ قانون نے فرق روا رکھا ہے اور نہ عملی زندگی میں ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ (البقرہ ۲۷۹-۲۸۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے، تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے، آسودگی تک اور یہ کہ معاف ہی کر دو تو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے۔ اگر تم کو اس کے ثواب کی خبر ہو اور اس دن سے ڈرو۔ جس میں تم اللہ کی پیشی میں لائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہو گا۔

اس طرح اسلام میں توجیہہ قانون کے ساتھ اور اخلاق سیاست اور اقتصاد کے ساتھ

پیوست ہے۔
اسی لیے اللہ نے سود کو حرام قرار دیا۔ اس لئے کہ یہ ایک اقتصادی اور اجتماعی ظلم ہے۔ اور اس وجہ سے کہ یہ ایک اخلاقی گراوٹ ہے۔ اور دونوں وجہ سود کو حرام قرار دینے میں مساوی ہیں۔ یہ نہیں کہ سود کی حرمت ایک اخلاقی گراوٹ ہونے کی حیثیت سے کم ہو اور اقتصادی ظلم ہونے کی حیثیت سے اس کی حرمت میں اضافہ ہو جائے۔

اسلام سود کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف جہاد بھی کرتا ہے۔ کبھی یہ جہاد اخلاقی ہوتا ہے کہ لوگوں کو اللہ کے تقویٰ اور اس کے ثواب کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اور کبھی یہ جہاد اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیتے ہیں ــــ اور حکومت مسلمہ اپنے تمام سیاسی اداروں اور عدالتی نظام کے ساتھ اس کے خلاف نبرد آزما ہو جاتی ہے۔

ــــ لیکن سود کے خلاف اخلاقی جہاد اس جہاد سے کم یا زیادہ نہیں ہے۔ جو قانون اور عقوبت کے ذریعے اور پورے اقتصادی نظام کو غیر سودی بنا کر ہوتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں طریق کار ایک ہی مبدأ سے پھوٹتے ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اقتصاد کو اخلاقی بنیادوں پر قائم کر کے اور اخلاق کو اقتصادی اصولوں سے مربوط کر کے اس دوگانہ اور مکمل طریقے پر اسلام کے پہلے اسلامی معاشرے نے اپنے اقتصادی نظام کی بنیاد رکھی ــــ اور انفرادی اور اجتماعی تعامل میں اخلاق پر انتہائی زور دیا ہے۔

اسلام نے اپنے اقتصادی نظام میں سود اور اجارہ داری کو حرام قرار دیا ہے۔ غصب لوٹ، چوری اور دھوکہ دہی کو حرام کیا۔ مزدور کو پوری پوری اجرت دینے کا حکم فرمایا ہے اور حق کے غلط استعمال سے منع کیا

یہ سب اخلاقی اصول ہیں۔ جن پر اسلام کا اقتصادی نظام قائم ہے۔

اخلاق کا اعلیٰ ترین معیار

اخلاق میں اللہ کی بتائی ہوئی جادۂ حق سے انحراف ہی سے مغربی اقتصاد کو جاگیرداری کے مظالم، سرمایہ داری کے مظالم، سرمایہ داری کی مصیبتیں اور اجتماعی نظام کی ہولناکیاں برداشت

کرنا پڑی ہیں ـــــ اگرچہ جاہلیت کے مارے ہوئے انسانوں کو ابھی تک اپنی جاہلیت کی گرگرانی سے ہوش نہیں آیا کہ وہ یہ محسوس کر سکیں کہ اپنے اقتصادی نظام میں انہوں نے جس ظلم، زیادتی اور سرکشی کا مزا چکھا ہے۔ اس کا واحد سبب یہی ہے کہ ان کے اقتصادی نظام اخلاقی نہج سے علیحدہ ہو گیا ـــــ اس کے بجائے جاہلیت نے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اقتصاد کے اپنے جبری قوانین ہوتے ہیں۔ جن کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا!!

ـــــ اسلام نے اپنے پہلے مثالی دور کے اقتصادی نظام میں اخلاق کا وہ اعلیٰ ترین معیار عملی زندگی میں پیش کیا ہے۔ جس کی تاریخ عالم نظیر لانے سے عاجز ہے۔ بالخصوص ـــــ جب ـــــ انصار نے مہاجرین کو اپنے مال میں راضی خوشی بغیر حکومت کے ایماء کے شریک کر لیا تھا!

ـــــ جب ـــــ مسلمانوں نے ـــــ اسلامی معاشرے میں اجتماعی کفالت کے ٹیکس زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے بغیر حکومت کے دباؤ کے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی ـــــ جس میں ان کا مدعا صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا تھا!

جس وقت ـــــ انفاق فی سبیل اللہ ـــــ زکوٰۃ کی مقررہ حد سے گذر گیا اور صحابہؓ نے اپنا پورا پورا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔!

ـــــ جب ـــــ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے۔ تو حسب سابق تلاش معاش میں نکلے مسلمانوں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ خلافت کے کام اب آپ کو اس کی مہلت نہیں دیں گے۔ فرمایا: میری معاش کا کیا ذریعہ ہو گا؟ اس پر مسلمانوں نے بیت المال سے چند درہم آپؓ کے گھر والوں کے اخراجات کے لیے بطور تنخواہ متعین کر دیئے۔

لیکن ـــــ حضرت ابوبکرؓ ـــــ ان درہم کو قرض لیتے رہے ـــــ اور وفات سے قبل بیت المال کا یہ قرضہ ادا کر دیا!

ـــــ جب ـــــ حضرت عمرؓ کے خادم نے آپؓ کی معمولی سرکاری تنخواہ میں سے ـــــ جو آپ کو بیت المال سے ملتی تھی ـــــ کچھ گھی خرید لیا ـــــ تو حضرت عمرؓ نے یہ گھی غریب مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا کہ جب غریبوں کو کھانے کو نہیں ہے۔ تو عمرؓ کو کیسے حلال ہے!!

ـــــ جب ـــــ حضرت علیؓ نے بیت المال سے ایک بوری آٹا لیتے ہوئے اس پر مہر لگا کر فرمایا ـــــ تاکہ مجھے معلوم ہو سکے کہ میرے پیٹ میں کس قدر جا رہا ہے"؟!

— جب — حضرت عمر بن عبدالعزیز نے وہ زمین جو ان کو بنو مروان نے دی تھی۔ اور جو بنو امیہ نے بغیر حق لوگوں سے غصب کر رکھا تھا — سب مسلمانوں کو واپس کر دیا —

پھر اسلام اپنے بعد کے دور میں بھی — جب مسلمان بگاڑ و انحراف میں پڑ چکے تھے — جاگیرداری کے راستے میں حائل ہو گیا! — اور جاگیرداری عالم اسلام میں اس ہولناک۔ غیر اخلاقی شکل میں نہیں آئی — جس شکل میں وہ یورپ پر مسلط تھی —

کیونکہ مسلمانوں میں خواہ کتنا ہی بگاڑ کیوں نہ پیدا ہو گیا ہو لیکن ان کا اقتصادی نظام کلی طور پر اخلاق سے عاری نہیں تھا! — جب کہ — غیر اخلاقی جاہلی نظام نے اپنی پوری تاریخ میں کبھی بھی اخلاقی نظم کا ذائقہ تک نہ چکھا۔

— نہ جاگیرداری — نہ سرمایہ داری — اور نہ ہی اشتراکی نظام — کسی میں انسانیت کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے! اور ان میں سے کوئی بھی نظام اپنے "مثالی دور" میں بھی کوئی نمونہ پیش نہ کر سکا!

اشتراکی پارٹی ہر اشتراکی ملک میں اپنے لیے عام لوگوں سے کچھ مخصوص حقوق کی مالک ہے! اور — اشتراکی پارٹی کا کھانا پینا، لباس اور سکونت سب عام لوگوں کے معیار سے نہایت بلند ہے — حتیٰ کہ اشتراکی پارٹی کے لیے ادویہ بھی صرف کثیر کے بعد باہر سے درآمد کی جاتی ہیں — اور عوام روس کی دواؤں پہ گذارا کرتے ہیں!!

کیونکہ یہ سارا نظام — اقتصادیات کی اخلاقی بنیادوں پر ایمان رکھنے کے بجائے میکیاولی جاہلیت پر ایمان رکھتا ہے — جس میں حصول مقصد کے لیے ہر ذریعہ جائز ہے — پھر مقصد بذاتِ خود اخلاقی پیمانہ سے نہیں ناپا جاتا۔!

اسلام — اللہ کی بتائی ہوئی جادۂ حق — اپنے اقتصادی نظام کو اخلاقی اور انسانی بنیادوں پر استوار کر کے انسانیت کو ہر قسم کے فساد، ظلم اور طاغوت کی حکمرانی سے بچاتا ہے

جدید جاہلیت میں اسلامی اخلاق کے باقی ماندہ آثار

آج جاہلیت جدیدہ کے معاشرے میں جو اخلاق اور چند فضیلتیں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر سچائی، امانت داری، اخلاص، عمل اور استقامت — تو یہ سب اسلامی اخلاق ہے

جو یورپ نے قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں سے حاصل کیا تھا ـــــ اگرچہ اب مسلمان اس اخلاق سے بیزار ہو چکے ہیں ـــــ یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ یورپ میں اس اسلامی اخلاق کی بنیاد ذاتی نفع اور خود پسندی ہے۔ جبکہ اسلامی اخلاق کی بنیاد "انسانیت" ہے!

اسلام کا سارا اخلاق انسانیت کی اعلیٰ و ارفع بنیاد پر قائم ہے۔ اس میں کسی مصلحت اور عصبیت کا شائبہ نہیں ہے ـــ کیونکہ اسلامی اخلاق فی الحقیقت "ربانی اخلاق" ہے جو تمام انسانوں کے لئے مساوی ہے۔!

ـــــ انسان جب اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر چلتے ہیں، تو وہ خود بخود اسلام کے اس بلند و ارفع اخلاقی معیار کو اپنا لیتے ہیں ـــ اور رفتہ رفتہ ان کی زندگی کے تمام پہلو اخلاق آشنا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ زندگی کا کوئی گوشہ اخلاق سے باہر نہیں رہتا ـــــ کیونکہ اسلام میں اخلاق کی روح عام ہے ـــ زندگی کے کسی ایک پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے!

اسلام اور جنس

جنس کے بارے میں گفتگو کے خاص طور پر کئی پہلو ہیں۔!

اگرچہ اس موضوع پر ہم اخلاقی نقطۂ نظر سے بحث نہیں کریں گے، کیونکہ اسلام میں اخلاق کا مفہوم حد درجہ وسیع ہے ـــ اخلاق کا وہ محدود مفہوم نہیں ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ جنسی علائق میں پاکیزگی کا نام اخلاق ہے، بلکہ اسلام کی نظر میں انسان مجسمۂ اخلاق ہے ـــــ اور انسان کے اپنے رب، اپنے نفس اور لوگوں کے ساتھ تمام روابط اسلام میں اخلاقی بنیاد پر قائم ہیں!

اخلاق صرف جنسی علائق ـــ یا ـــ معاملات کی حدود میں مقید نہیں ہے ـــ بلکہ پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ حتیٰ کہ انسان کے وہ قلبی احساسات بھی جن کو وہ دوسروں سے بیان کرنا پسند نہیں کرتا ـــ بلکہ وہ احساسات بھی جن کو وہ اپنے دل میں سوچنا بھی پسند نہیں کرتا ـــ سب کو اخلاق شامل ہے ـــ کیونکہ ـــــ

يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى (طٰهٰ ۔ ۷) ـ اللہ تعالیٰ راز اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَ ـ وہ ایسا ہے کہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے، اور

مَا تُخْفِي الصُّدُورُ (غافر ۔ ۱۹) ـ ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

مناسب یہ ہے کہ انسان ہر اس بات میں پاکیزگی اختیار کرے جس کو اللہ جانتا ہے۔ اس لئے

اسلام میں اس مغربی اخلاق کا کوئی وجود نہیں ہے۔ جس میں فرد کا — انفرادی حیثیت میں علیحدہ اخلاق ہوتا ہے اور جب لوگوں سے معاملہ کرتا ہے تو دوسرا منافقانہ اخلاق ہوتا ہے!

بہرکیف لوگوں نے طویل عرصہ سے اخلاق کا رشتہ جنسی علائق سے جوڑا ہوا ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اخلاق اخلاقیاتِ جنس کا نام ہے!

یہ لوگ اخلاق کے مفہوم کو تنگ کرنے کے اس لئے درپے ہوئے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اخلاق اپنے وسیع معنیٰ میں پایا ہی نہیں جا سکتا اگرچہ لوگوں کے پاس جنسی علائق میں بھی اخلاق باقی نہیں رہا —!

جاہلیت نے اس سلسلہ میں بھی بڑی جدّوجہد کی ہے کہ وہ یہ ثابت کردے کہ جنس کا اخلاق سے کوئی تعلق ہے — لوگ جنسی معاملات جس طرح جی چاہے کرتے رہیں۔ ان کے اخلاق کو کوئی خطرہ نہیں ہے!

اس سے قبل ہم جاہلی شخصیات کی آراء نقل کر چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ جب لوگ شہوتوں کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں تو اللہ کی سنت ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہے!

یہاں ہم اس موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر پیش کر رہے ہیں۔ یہ گفتگو اخلاق کے اس عمومی مفہوم کے ماتحت ہوگی۔ جو اسلام میں مراد ہے۔ جو پورے انسانی تشخص کو شامل ہے۔ اور جس کی بنا پر انسان کو دیگر مخلوقات۔ خاص طور پر حیوان سے ممتاز کیا جا سکتا ہے۔!

اسلام فواحشات سے اس لئے نہیں منع کرتا کہ یہ محدود اخلاقی مفہوم کے خلاف ہے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ روش انسان کو انسانیت کے بلند مقام سے گرانے والی ہے!

انسان اللہ کا خلیفہ ہے۔ جس نے اللہ کی امانت کے بارِ گراں کو برداشت کیا — جس بارِ گراں کے اٹھانے سے زمین و آسمان عاجز تھے — انسان کو عمارتِ ارض، خلافتِ راشدہ کا قیام، عدل و انصاف، صالح سیاست صالح اقتصاد اور صالح معاشرے کے قیام کے فرائض سونپے گئے اور ان اعلیٰ ترین مقاصد کے لئے انسان کو جہاد کا حکم ہوا — کیونکہ بغیر جہاد کے یہ مقاصد رفیعہ حاصل نہیں ہو سکتے! اگر انسان جنس کے گڑھے میں گر جائے تو یہ مقاصد کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ پھر کہاں خلافت راشدہ — اور کہاں جہاد!

پھر تو انسان و حیوان کے درمیان ہی کوئی فرق باقی نہیں رہتا — اور انسان باوجود گوشش

کے حیوانیت سے مرتفع نہیں ہو سکتا!

اگر انسان اپنے اصل مشن سے دستبردار ہو جائے ــ تو کیا اخلاق اپنے وسیع تر مفہوم میں باقی رہ سکے گا!؟

ــ کیا انسان کے پاس اخلاق باقی رہ جائے گا؟ جب انسان شہوت رانی کرتا پھرے گا۔ اور کسی طرح اس کی آتش سوزاں سرد نہ ہو گی ــ اور اس آتش کے سرد کرنے میں انسان اپنی تمام صلاحیتیں کھو بیٹھے گا۔ اور اپنی وہ قوتِ ارادی ضائع کر دے گا۔ جو اس میں اور حیوانات میں وجہ امتیاز ہے ـ حتیٰ کہ اس کے وہ فطری ضوابط بھی ماؤف ہو جائیں گے۔ جو جانوروں کو بھی حاصل ہیں ــ

اسلام فواحش کو حرام قرار دے کر انسان کو مکرم بنانا چاہتا ہے ــ تاکہ وہ خلافت کے بلند منصب کے لائق ہو سکے!

فواحش کی حرمت

اسلام فواحشات کو اس لئے حرام نہیں قرار دیتا کہ اللہ کے بندے تنگی میں پڑ جائیں ــ یہ اللہ کا طریقہ کار نہیں ہے!!

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج ۸)

اس نے تم کو اور امتوں سے ممتاز فرمایا اور تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی.

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (المائدہ ۶)

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر تنگی ڈالیں لیکن اللہ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک وصاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنا انعام تام فرما دے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ

اور اللہ تعالیٰ کو تو تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے اور جو لوگ شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہو کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ

تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء، ۲۷-۲۸)

جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ۔۲۸۶)

اللہ تعالیٰ نے کسی جاندار کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (النساء، ۱۴۷)

اور اے منافقو! اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کریں گے۔ اگر تم سپاس گزاری کرو، اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والے خوب جاننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فواحشات کو اس لئے حرام فرماتا ہے، تاکہ انسانوں کو پاک وصاف کرے۔ اور انہیں انسانیت کے مقام بلند تک پہنچائے۔ انسان ـــــ جس کو اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا اور اس کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی!

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔ (الاسراء۔ ۷۰)

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا، اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

پھر انسان اپنی تخلیق میں بھی منفرد ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (ص ۔ ۷۱-۷۲)

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔

انسان اپنی اسی خاکی اور روحی مرکب طبیعت کی بنا پر نہ تو بے لگام شہوت پرست بن سکتا ہے اور نہ ایسا جسم بن سکتا ہے جس میں روح کا کوئی نور نہ ہو!

اسلام کا وضع کردہ اخلاق انسان کے تمام اعمال میں اسی مرکب طبیعت کا قانون ہے۔

اسلام میں اخلاق کوئی قائم بالذات اور انسانی تشخص سے علیحدہ قانون نہیں ہے۔ جو باہر سے انسان کے اوپر مسلط کیا جائے بلکہ اسلامی اخلاق انسان کی فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے۔ جس کو خود انسانی طبیعت استوار کرتی ہے!

فرشتوں اور جانوروں کے اخلاق —— اگر یہ تعبیر استعمال کرنا صحیح ہو —— انسانوں کے اخلاق سے بالکلیہ مختلف ہیں کیونکہ ہر مخلوق کا اخلاق اسی مخلوق کے تشخص کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے —— اور —— یہی حال انسان کا بھی ہے!

فرشتے اللہ کی ایسی مخلوق ہیں۔ جن کے نہ جذبات ہیں اور نہ ارادہ چنانچہ ان کا اخلاق بھی ان کے طبعی مزاج کے مطابق ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ (التحریم ۶)

اللہ تعالیٰ جو ان کو حکم دیتا ہے۔ اس میں نافرمانی نہیں کرتے۔ جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ فوراً بجا لاتے ہیں۔

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ۔ (الانبیاء: ۲۰)

شب و روز پروردگار کی تسبیح کرتے رہتے ہیں تھکتے نہیں۔

حیوانات دوافع فطری میں گھرے ہوتے ہیں۔ لیکن ارادے کے مالک نہیں ہیں، اور فطری ضوابط کے علاوہ کوئی ضابطہ نہیں ہے۔ اس لئے ان کا اخلاق ان دوافع پر لبیک کہنا ہے اور اس میں کسی فکر اور تدبر کی ضرورت نہیں!

انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے۔ جس کے دوافع بھی ہیں اور ضوابط بھی —— جو اس کی خاکی و روحی مرکب طبیعت سے ابھرتے ہیں[1] اور اس کا اخلاق اس کی طبیعت سے ہم آہنگ ہے

---

[1] نفس انسانی کا مطالعہ" میں "مرکب طبیعت" کا باب دیکھئے۔

اس طرح کہ وہ اپنے دوافع پر لبیک کہے اور اس کی طبیعت کے فطری اورارادی ضوابط اسے کنٹرول کرتے رہیں ـــ اور جسمانی جذبہ پر روحانی روشنی لیئے ہوئے کہے ؛
اس طرح انسان کے اعمال نہ تو بلا ضابطہ ہو سکتے ہیں اور نہ بے مقصد رہ سکتے ہیں ـ اور نہ ہی اس درجہ گر سکتے ہیں کہ حیوانیت آجائے چنانچہ انسانی اخلاق، تمام اعمال میں دوافع فطری کو پورا کرنا ہے۔ لیکن ان دوافع پر ضبط، اور ان کی تکمیل میں مقصد اور روحانی اشراق ہونا چاہیئے ۔

عطف کا پہلو

انسان کے لیئے جنسی علائق میں اخلاق بھی زندگی کے دیگر پہلوؤں کی طرح ہے کہ انسان جنسی جذبہ کی تکمیل "شہوت" کے معیار پہ نہیں ۔ بلکہ "عطف" کے معیار پہ ہے جنس بذات خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد کے لیے وسیلہ ہے ۔ اور قوانین وضوابط اس کو کنٹرول کرتے ہیں تاکہ فردکی ہلاکت اور جماعت کا بگاڑ نہ بن جائے ! اسی طرح زندگی کے تمام اعمال کے لیئے اخلاقیات ہیں ، جیسے کھانا پینا ۔ لباس رہائش وغیرہ
اس اخلاق سے انسان ۔ انسان بنتا ہے ۔ اور اس کے بغیر جانور سے بھی گیا گذرا ہو جاتا ہے ۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الاعراف ۱۷۹)	ان کے پاس دل ہیں ۔ مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں ۔ مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں ۔

اس ہمہ گیر بنیاد پہ اسلام جنسی مسائل کو بھی حل کرتا ہے اور انسان کی تربیت بھی کرتا ہے
اسلام نہ جنس کو گندگی کہتا ہے ۔ نہ اس سے انسانی شعور و احساس کو متنفر کرتا ہے ۔
جس طرح ہندو دھرم اور مسیحیت وغیرہ کرتے ہیں ۔ جو طہارت کے حصول کے لیے انسانی جسم کو مجبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔
اسلام تمام فطری دوافع اور زندگی کے ہر نشاط کو جائز کہتا ہے ۔ لیکن اس پہ کچھ قوانین

لہ "نفس انسانی کا مطالعہ" میں یہ ابواب دیکھئے ، دوافع اور ضوابط ۔ بلند اقدار ـــ ۔

بھی عائد کرتا ہے ۔ اور یہ قوانین جائز حدود میں بھی موجود ہیں ۔ اور ہر معاملے میں ایک [illegible] ۔ یہ معیار و ناجائز کا خط فاصل ہی انسانیت کو ہلاکت سے بچانے والا ہے ۔

جائز و ناجائز کا خط فاصل صرف جنس ہی میں نہیں ہے ۔ بلکہ کھانے میں بھی ہے ۔ خون ، مردار ، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا حرام ہے ۔ لیکن باقی اشیا بھی علی الاطلاق جائز نہیں ہیں ۔ کیونکہ ضروری ہے کہ طعام چوری ، غصب یا اسراف کا نہ ہو ۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔ کھاؤ وہ پاک چیزیں ، جو ہم نے تم کو بخشی ہیں ۔
(الاعراف : ۱۶۰)

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۔ کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو ۔
(الاعراف : ۳۱)

اسی طرح طعام کے کچھ آداب بھی ہیں ۔

" آدمی جو برتن بھرتا ہے ۔ اس میں پیٹ سب سے بُرا برتن ہے ۔ آدمی کے لیے تو چند لقمے کافی ہیں ، جو اس کی کمر کو سیدھا رکھ سکیں ۔"

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے ۔

اس طرح طعام حس کی گندگی سے بلند ہو کر انسان کے مناسب زندگی کا ذریعہ بن جاتا ہے ۔ جس میں جسم اور روح دونوں شریک ہوتے ہیں ۔

اسی طرح جنس میں بھی کچھ محرمات ہیں ۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ ۔

تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ۔

لیکن جو جنسی تعلق جائز ہے ، وہ بھی غیر مشروط نہیں ہے ۔ بلکہ طہارت اور نظافت کو برقرار رکھنے کے لیے کئی احکام ہیں ۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے وہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے قربت نہ کیا کرو جب تک وہ پاک صاف نہ ہو جائیں پھر جب اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آ جاؤ جس جگہ سے خدا تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے۔ (البقرہ ۲۲۲)

اس کے ساتھ ساتھ وہ اقوال بھی ہیں جو حس کی شدت کو کم کرتے ہیں ۔ حضرت عائشہؓ نبی کریم — صلی اللہ علیہ وسلم — سے اس مفہوم کی کئی احادیث نقل فرمائی ہیں۔

پھر انسان کو یاد دلایا گیا کہ جنسی علاقہ کا ایک خاص مقصد ہے

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ — تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔

اس آیت میں نسل کشی کی جانب اشارہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ جنسی تعلق صرف جسمانی تعلق ہی نہیں، بلکہ روحانی اور وجدانی تعلق بھی ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم ۲۱)

اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہارے جنس کی بیبیاں بنائیں، تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

انسانی ترفع کے اس بلند مقام پر جنسی بے راہ روی ایک ایسا عمل بن جاتی ہے۔ جو انسانیت کے کسی پیمانہ پر پورا نہیں اترتا۔ انسان کی کوئی بھی صفت اس عمل میں نہیں پائی جاتی۔ نہ روح کی روشنی، نہ ضبط کی قدرت، نہ مقصد کی فکر اور نہ معاشرے کی خلافت راشدہ کی حدود میں تشکیل ——

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا۔ کیونکہ یہ عمل اللہ کے خلیفہ کے لائق نہیں۔ یہ وجہ نہیں کہ اللہ بندوں پر تنگی کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان تمام اعمال کو بھی حرام کر دیتا ہے۔ جو فحش کاری میں مدد پہنچائیں۔ چنانچہ اختلاط، تبرج اور اظہار زینت سب حرام ہیں۔

—— اسی طرح اللہ نے بُری نظر سے دیکھنے اور بُرے الفاظ کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔ چہ جائیکہ عمل فاحش —— !؟ بس ایک صاف ستھرا طریقہ جائز ہے۔ یعنی نکاح!

میں نے دوسری کتابوں میں اس کہانی کو نقل کیا ہے[1]۔ جو یہ کہتی ہے کہ اس قدر نظافت آج ممکن نہیں رہی۔ کیونکہ آج کل لوگ ترقی یافتہ بیسویں صدی میں زندگی گذار رہے ہیں!

جی ہاں! یہ نظافت اس عالم بہائم میں ناممکن ہے۔ جو بیسویں صدی کی جاہلیت میں زندگی گذار رہے ہیں۔

لیکن یہ سب کچھ عالم انسان میں ممکن ہے۔ جب کہ انسان انسانیت کے مرتبہ کو حاصل کر لے۔

اقتصادی اور اجتماعی ضروریات کے بارے میں جس قدر باتیں کہی جا رہی ہیں یہ سب وہم باطل ہیں۔ جنہیں جاہلیت بڑا کر کے بتاتی ہے۔ تاکہ لوگ شہوتوں کے بھنور میں پھنس کر اس طاغوت سے غافل ہو جائیں۔ جو ان کی گردنیں دبوچے ہوئے ہے!

اقتصادی اور اجتماعی ضرورت کے نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اجتماعی حکومت۔ روس جو لوگوں کے کھانے پینے اور شادی بیاہ کی کفیل ہے۔ وہ بھی لوگوں کے نکاح کی فکر نہیں کرتی۔ بلکہ لوگ بغیر کسی اقتصادی مجبوری کے جانوروں کی طرح اختلاط کرتے رہتے ہیں!

بیشک یہ جاہلیت ہے۔ جو لوگوں کو شہوت میں اس لئے الجھا دیتی ہے تاکہ لوگ طاغوت سے غافل ہو جائیں۔

اسلام جہاں جنسی انحرافات کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے —— جیسے ہر فطری جذبہ کو منحرف ہونے سے روک قائم کرتا ہے ——

—— وہاں اسلام نکاح کی سہولتیں بھی مہیا کرتا ہے۔ نکاح کو آسان بناتا ہے۔ اس پر لوگوں کو

---

[1] اسلام اور جدید مادی افکار میں ملاحظہ کیجئے۔ انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء اور معرکۂ تقالید۔

ابھارتا اور اسے اللہ سے قربت حاصل کرنے کا ذریعہ اور عبادت قرار دیتا ہے۔ اور بیک وقت راحتِ اعصاب اور راحتِ ضمیر کا بھی ضامن بن جاتا ہے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ اس فطری جذبہ کو دبا کر انسان کے اعصاب کو تھکایا جائے۔ البتہ یہ کوشش کرتا ہے کہ معاشرہ صاف ستھرا رہے۔ تاکہ لوگوں کی قوت برداشت جواب نہ دے جائے ـــــ بلکہ اسلام اس کی سہولتیں فراہم کرتا ہے اور اس میں نظافت کو ملحوظ رکھتا ہے۔ تاکہ ضمیر مطمئن رہے ـــــ اسی طرح اسلام سکون واستقرار کا ضامن ہے ـــــ جب کہ ـــــ

اس سے قبل ول ڈیورانٹ کا بیان گذر چکا کہ جاہلیت جدیدہ میں انسانیت کس طرح اپنا نفسیاتی عصبی اور روحانی اطمینان کھو چکی ہے اسلام عائلی استقرار کی ضمانت دیتا ہے ـــــ جب کہ پہلے گذر چکا کہ جب جنس کا اخلاقی بندھن ٹوٹ گیا تو کس طرح عائلی نظام کی بنیادیں ہل گئیں اور مرد وعورت پراگندہ ہو گئے۔

اسلام بچوں کے لئے ضامن ہے کہ وہ پیار ومحبت کی فضاء میں پرورش پائیں ـــــ اور انحراف وپراگندگی سے بچ جائیں۔

اسلام جس وقت انسان کو انسانیت کے بلند اور ارفع مقام پر لاتا ہے ـــــ اسی وقت اس کی تمام ضروریات وحاجات کی تکمیل کے لیے بھی حل بتاتا ہے ـــــ

اسلامی فن کا طریقِ کار

آرٹ وفن کو بھی اللہ کی بتائی جادۂ حق کے مطابق ہونا چاہیئے۔

میں نے اپنی کتاب "اسلامی فن کا طریق کار" میں ان لوگوں کی تفصیلی تمدید کی ہے۔ جو منہ بنا کر اور ناک بھوں چڑھا کر کہتے ہیں کہ فن کا اللہ کی ہدایت سے کیا تعلق ؟!

ہم پہلے بتا چکے کہ ہم اسلامی طرز زندگی کی تفاصیل نہیں پیش کرنا چاہتے۔ بلکہ ہر باب میں رہنمائی کے لیئے چند کلیدی اصول پیش کرنا چاہتے ہیں۔

جس طرح ہم نے گذشتہ صفحات میں سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق اور جنسی تعلقات کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اسی طرح یہاں ہم فن کے بارے میں اسلام کے رویہ پر روشنی ڈالیں گے۔ فن نشاط بشری ہے۔ جس کو انسان اپنی زندگی میں قائم کرتا ہے۔ اگر انسان کی ساری دلچسپیاں ـــــ سیاست، اقتصاد، اجتماع ـــــ اور اخلاق اللہ کی ہدایت میں داخل ہو سکتا ہے ـــــ اور ـــــ

اللہ کی ہدایت انسانی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو بلند کر کے انسانیت کے بلند و ارفع مقام تک لا سکتی ہے۔ تو وہ فن بھی اللہ کی ہدایت کے سائے تلے پروان چڑھ کر انسانیت کے بلند مقام تک آسکتا ہے۔

کچھ لوگ یہ کہیں گے کہ اگر فن ـ اللہ کی ہدایت کے زیر سایہ ـ آگیا ـ تو فن دینی وعظ اور منبری خطبہ بن جائے گا ـــ اور انسانیت کی جو تصویر یہ فن پیش کرے گا وہ بڑی پاکیزہ اور صاف ستھری ہوگی!؟ کبھی نہیں ـ یہ کہنا جاہلی ذہن کی سادگیٔ فکر ہے۔

فن کا اسلامی طریقۂ کار فن کو اتنی ہی وسعت عطا کرتا ہے ـ جتنی وسعت ـــ اسلام زندگی کے ہر گوشے میں انسان کو دیتا ہے ـــ

بلکہ ـ اسلامی طریقۂ کار میں تمام 'وجود' فن کی جولان گاہ ہے! اللہ ـ کائنات ـ اور انسان سب اسلامی فن کے میدان ہیں ـ! یہ تمام پہلو زاویہ اسلامی کی گرفت میں آسکتے ہیں ـ کیونکہ فن ـــ اپنی تمام مختلف شکلوں میں ـــ انسان کی اس کوشش کا نام ہے کہ وہ اپنے احساسات میں القاء ہونے والے حقائق وجود کی عکاسی خوبصورت اور مؤثر انداز میں کرے۔

انسان کا ـ اللہ، کائنات، زندگی، اپنے نفس اور دوسروں سے تعلق ـــ فن کی جولان گاہ ہے۔ خواہ فن اسلامی منہج کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

جس وقت فن اسلامی طریقۂ کار اختیار کرے گا اس وقت صرف یہ تبدیلی ہوگی کہ انسان کے جملہ تعلقات کو اسلامی نقطۂ نظر اور اسلامی شعور سے دیکھا جائے گا۔

یہ بالکل بدیہی امر ہے ـ کہ مسلمان جن احساسات و شعور کی ترجمانی کرے گا وہ قطعًا ان احساسات سے مختلف ہوں گے ـ جو ایک غیر مسلم کے ہوں گے۔

ایک مسلمان کے شعور و احساسات یہ ہوتے ہیں ـ کہ وہ اللہ سے محبت، کائنات سے مشارکت، زندگی کے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے زندگی سے محبت اور یہ کہ زندگی دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے اور انسانوں سے محبت و کشش کا تعلق!

اسلام واقعیت پسند ہے اور اسلام کہتا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ   اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں

بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ۔ (البقرہ ۲۵۱)

کو بعض سے دفع کرتے رہا کرتے، تو سرزمین تمام تر فساد سے پر ہو جاتی ۔

یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ (الانشقاق ۶)

اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں کوشش کر رہا ہے۔ پھر اس سے جا ملے گا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ (البلد ۴)

ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔

اسلام یہ نہیں کہتا کہ دنیا مثالی جنت ہے، نہ یہ کہتا ہے کہ انسان کے قدموں کے نیچے نعمتیں بکھری پڑی ہیں۔ بلکہ اسلام کہتا ہے کہ زندگی محنت و مشقت اور کشمکش کا نام ہے!

بلحاظ انسان بھی اسلام واقعیت پسندانہ انداز اختیار کرتا ہے۔ وہ انسان سے یہ نہیں کہتا کہ تو فرشتہ ہے اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہے اور نہ یہ کہتا ہے کہ دنیا میں سب ہی لوگ صاحب عزم ہوتے ہیں — بلکہ یہ کہتا ہے۔

وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء ۲۸) انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے ۔

اور کہتا ہے " ہر ابن آدم خطا کار ہے "۔

اسلامی طریقۂ کار کو اپنانے والا فن زندگی اور انسان کی غلط تصویر کشی نہیں کرے گا۔ نہ کوئی خیالی شکل بنائے گا اور نہ کوئی چمکدار مثالی صورت دے گا ——

بلکہ۔ فن کا اسلامی طریقہ بھی انسان کی کش مکش، اس کی زندگی کی مشکلات، خیر و شر کے درمیان کشاکش اور ارتفاع و ہبوط کی عکاسی کرے گا!

سوال یہ ہے کہ پھر اسلامی فن — اور جاہلی فنون میں کیا فرق ہے ۔؟ کئی فرق ہیں —— پہلا یہ ہے کہ اسلامی فن کی واقعیت ۔ اور جاہلی فنون کی واقعیت میں فرق ہے ۔ جاہلی واقعیت کا سرچشمہ انسان کی حیوانی تعبیر ہے۔ جب کہ اسلامی فن کا انسانی تعبیر ہے —— انسانی تعبیر، ترقی و تنزل، خیر و شر اور خاکی و روحانی تمام پہلوؤں کو حاوی ہے ۔

دوسرا فرق مرکزی توجہ کا ہے ۔

اسلامی فن جو تصویر انسانی زندگی کی بنائے گا۔ اس میں روشن اور تاریک دونوں رخ

بھول گئے — لیکن مرکز توجہ کون سا رخ ہوگا ؟ !

فنون جاہلیت — جو انسان کی حیوانی تعبیر سے مستفاد ہیں۔ وہ تاریک پہلو مرکز توجہ بناتے ہیں — گویا تاریک پہلو انسان کی زندگی پر محیط ہے۔ !

تاریک پہلو سے ہم کوئی محدود اخلاقی جانب مراد نہیں لے رہے ہیں، بلکہ تمام امور کو اسلامی نقطۂ نظر سے بیان کر رہے ہیں ——

جب — انسان کی یہ تصویر بنائی جاتی ہے کہ وہ ضرورت کے سامنے مجبور ہے، نہ بلند ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے —— یہ انسان کا تاریک پہلو ہے !

جب — یہ دکھایا جاتا ہے کہ انسان مادی جبر تحول کے سامنے مجبور و ہیچ ہے۔ ان کی غلامی سے آزاد ہونے کی کوئی سبیل نہیں اور ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں —— یہ بھی انسان کا تاریک پہلو ہے !

رہ گئے دوسرے انحرافات ان سے بھی اسلامی فن بری ہے !

مسلمان کے احساسات میں اللہ اور انسان کی کش مکش کا کوئی عکس نہیں ہے — اس لئے اسلامی فن اس کش مکش کا عکاس نہیں ہوگا۔ اگر کسی منحرف انسان کے نفس میں یہ تصور ہو — تو اسلامی فن اس کو انحراف کی شکل میں پیش کرے گا۔ !

اسلامی فن میں غیر اللہ — کو الٰہ تسلیم کرنا بھی نہیں ہے ——

فطرت بیشک خوبصورت، محبوب اور بدیع صورتوں والی ہے — اور انسانی حس اس پر تعجب کرتی ہے —— لیکن فطرت کو معبود نہیں بنایا جائے گا۔ جیسے رومانوی تحریک نے بنا لیا — جو کلیسا کے معبود سے بھاگ کر کسی نئے معبود کی تلاش میں تھی — تاکہ رجال دین سے نجات ملے۔

اگرچہ انسان کو عظیم صلاحیتیں حاصل ہیں۔ لیکن انسان معبود نہیں ہے۔

انسان کو یہ تمام نعمتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں۔ اور انسان پر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی شکر نہ کرے بلکہ کفران نعمت کرے۔ تو اسلامی فن اسے انحراف اور بگاڑ کی شکل میں پیش کرے گا !

تاریخ کی مادی جبریت بھی معبود نہیں ہے۔ جیسا کہ جاہلی اشتراکی ادب و فن نے انسان کو

مادی جبریت کے سامنے ذلیل و حقیر بنا کر رکھدیا ہے !

اس کے برعکس ـــــ اسلامی فن کا میدان بہت زیادہ وسیع ہے اور زندگی کا کوئی معاملہ اسلامی فن کے دائرے سے خارج نہیں ہے !

بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اسلامی فن کا میدان تمام فنون سے وسیع تر ہے ـــــ کیونکہ اس میں اللہ کائنات، زندگی، انسان اور ان تمام کے درمیان روابط و تعلق مدنظر ہیں !

لیکن ـــــ اسلامی فن ـــــ متوازن، تلطیف اور اعلیٰ ہے۔ اور اس اعلیٰ ترین مقام پر ہے۔ جو مقام اللہ کے خلیفہ کا ہو سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس واقعیت سے بھی غافل نہیں ہے کہ انسان زندگی میں خلافتِ راشدہ سے منحرف ہے اور انسان میں فطری ضعف بھی ہے۔

جب ـــــ یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان زندگی میں حیران و سرگرداں ہے اس کے سامنے نہ زندگی کے کوئی معنی ہیں اور نہ مقصد ـــ اور نہ اس کے ضمیر کو قرار حاصل ہے ـــ اور نہ اسے روشنی کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے ـ تو یہ انسان کا تاریک پہلو ہے !

اور ـــــ جب ـــــ یہ دکھایا جاتا ہے کہ انسان شہوتوں کے غلیظ جوہڑ میں غوطے لگا رہا ہے اور ناک تک ڈوبا ہوا ہے ـــــ اور ـــ اس گندگی سے باہر آنے کی کوئی صورت نہیں تو یہ انسان کا تاریک پہلو ہے :

بیشک یہ تاریک پہلو انسانی زندگی میں موجود ہے ـ لیکن انسان کے تشخص، اس کی حقیقت طاقت اور مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ـــ یہ پہلو ہمیشہ انسان پر مسلط نہیں رہتا ـــ اور نہ یہ انسان کی اصل ہے کہ انسان ہمیشہ اسی حال میں رہے !

انسان کی واقعیت

اسلامی طریقہ کار کے زیر سایہ ہم وہی واقعیت سامنے لائیں گے جو واقعیت ہم دیکھتے ہیں ـ اللہ کی ہدایت کی روشنی میں جو ہمیں انسان کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ ہماری واقعیت اس ادراک سے مستفاد ہے ـــ ہم اس واقعیت پر اس طرح روشنی ڈالیں گے کہ تاریک پہلو ہمارا مرکز توجہ نہیں ہوگا !

تاریک پہلو انحراف کی واقعیت ہے۔ انسان کی واقعیت نہیں ہے ـــ یہ انسانی کمزوری

کا وقفہ ہے ۔ اس کے بعد انسان پھر بلند ہو جائے گا ؛ یا یہ کہیے کہ ـــــ
یہ انسانی کمزوری کا ایسا وقفہ ہے ۔ جو اعجاب و تفذیر کے بجائے ـــ افسوس و ندامت القا کرتا ہے ۔

يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (یٰسٓ : ۳۰)

افسوس بندوں کے حال پر ۔ جو رسول ان کے پاس آیا ۔ اس کا وہ مذاق ہی اڑاتے رہے ۔

انسانی کمزوری و ضعف ۔ بطولت (ہیروازم) نہیں ہے ۔ جیسا کہ جاہلیت جدیدہ کے فنون بتلاتے ہیں ۔

یہیں راستے علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں ـــــ

اسی طرح اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم تمام انسانی زندگی کو محیط ہے ۔ یہ سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق، علائق جنسی اور فن غرض زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے دائرے میں لئے ہوئے ہے!
انسان کی نشاط اور دلچسپی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے ۔ جو اللہ کی ہدایت سے باہر ہو!
ـــــ اور اللہ کی ہدایت ہی ـــ وہ واحد طریقۂ زندگی اور اسلوب حیات ہے ۔ جو ہر قسم کے نقص قصور اور بگاڑ سے پاک ہے!

ـــــ اللہ کی ہدایت اور اس کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کے علاوہ ہر راہ جاہلیت کی راہ ہے ـــــ
اور ہر جاہلیت اپنے دامن میں شر، فساد، شقاوت اور عذاب الیم لیے ہوئے ہے ـــ
حیات انسانی میں اعتدال آ ہی نہیں سکتا ۔ جب تک لوگ اللہ کی طرف رجوع نہ ہوں، اس پر ایمان نہ لے آئیں اور اس کے قانون کو عملاً اپنی زندگیوں میں نافذ نہ کریں ۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۔ (الاعراف ـ ۹۶)

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے ۔ مگر انہوں نے تو جھٹلایا ۔ لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا ۔ جو وہ سمیٹ رہے تھے ۔

اب لوگوں کے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں۔

یا ـــــ تو ایمان لائیں ـــــ اور اللہ سے ڈریں ـــــ تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دے۔

یا ـــــ تکذیب کریں ـــــ اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی سزا میں پکڑ لے۔!

مندرجہ بالا حقیقت کے عیاں اور روشن ہونے کے باوجود اور ان تمام حقائق کے باوجود جو ہم نے گزشتہ فصلوں میں بیان کئے ہیں ـــــ جاہلیت ـــــ بدستور تاریکیوں میں بھٹکتی رہے گی۔ اور کبھی بھی جاہلیت کو یہ موقع میسر نہ آسکے گا کہ وہ تاریکیوں سے نکل کر تمام امور کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے اور دیکھے کہ اس کے ہاتھوں دنیا میں کس قدر فساد اور تباہی برپا ہو چکی ہے اور جاہلیت کی ماری ہوئی انسانیت کس طرح مؤثر اور سریع علاج کے لئے تڑپ رہی ہے!

بلکہ ـــــ صورتِ حال اس سے بھی زیادہ بدترین ہے۔

اور وہ یہ کہ۔ اسلام ـــــ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم ـــــ نہ صرف یہ کہ لوگوں کی زندگی سے کلیتاً خارج ہے۔ بلکہ یہ کہ جاہلیت کے مارے ہوئے انسان اسلام کو ناپسند بھی کرتے ہیں! ـــــ

اسلام کیوں ناپسند ہے ؟!

اسلام — مکمل جادۂ حق اور ہر کجی اور انحراف سے بری ہے —
یہ وہ نظام ہے، جو ہر انسان کو پیش آنے والے ہر ہر مسئلہ کا ٹھیک ٹھیک حل پیش کرتا ہے اور ہر مشکل کو حق و انصاف سے حل کرتا ہے:

— یہ وہ اسلوب حیات ہے — جو نفس انسانی کی تمام منتشر صلاحیتوں کو یکجا کر کے۔ ایک مقصد عظیم کے حصول میں لگا دیتا ہے۔ اس طرح نہ انسان کی صلاحیتیں مختلف مقاصد میں بٹتی ہیں، اور نہ اس کی دلچسپی متعدد امور میں تقسیم ہوتی ہے۔ یہ وہ طرزِ زندگی ہے، جو انسانیت کو شقاوت و عذاب اور حیرت و اضطراب سے نجات دلاتا ہے:

کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ لوگ اس طرز زندگی کو ناپسند کرتے ہیں — اور جتنا ان کو اس کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اسی قدر وہ دور بھاگتے ہیں۔

جی نہیں! اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ بالکل طبعی امر ہے! — کیونکہ — تاریخ کے ہر دور میں جاہلیتیں اسلام کو ناپسند کرتی رہی ہیں — اور اس لئے ناپسند کرتی رہیں — کہ اسلام — اسلام ہے! جس قدر جاہلیت سرکش اور اللہ سے دور ہو گی۔ اسی قدر وہ اللہ کی نازل کردہ راہِ حق سے متنفر ہو گی!

— جب — جاہلیت جدیدہ — تاریخ کی تمام جاہلیتوں میں سب سے زیادہ سرکش ہے — تو یہ طبعی امر ہے کہ اس کی اسلام سے نفرت بھی تمام جاہلیتوں سے زیادہ ہو گی۔! —
جاہلیت اسلام سے اس لئے نفرت نہیں کرتی کہ جاہلیت اپنے دل میں — اسلام کا حق ہونا اور اس کا بھلائی ہونا محسوس نہیں کرتی — یا — جاہلیت یہ سمجھتی ہے کہ جس باطل زندگی کو وہ گزار رہی

ہے۔ وہ اسلام سے زیادہ درست اور صحیح ہے!

نہیں — بلکہ جاہلیت اسلام کو یہ جانتے بوجھتے ناپسند کرتی ہے کہ اس میں حق بھی ہے اور خیر بھی — اور اسلام زندگی کے بگڑے ہوئے معاملات کو سنوار سکتا ہے۔

— جاہلیت اسلام سے اس لئے متنفر ہے کہ وہ چاہتی ہے کہ زندگی میں بگاڑ رہے۔ اور تمام معاملات اسی بگاڑ اور کجی کے ساتھ چلتے رہیں۔ ان میں استقامت نہ آنے پائے! — اور — جاہلیت اسلام سے اس لئے متنفر ہے کہ وہ جاہلیت ہے اور یہ اسلام ہے!

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (فصلت۔ ۱۷)

رہے ثمود۔ تو ان کے سامنے ہم نے راہ راست پیش کی۔ مگر انہوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا رہنا پسند کیا۔

یہ مثال جاہلیت کا ہمیشہ کا موقف ہے!

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا۔ ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا اور اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ پھر کیا تم غلط روی سے پرہیز نہ کرو گے اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کر رہے تھے۔ جواب میں کہا ہم تو تمہیں بے عقلی میں مبتلا سمجھتے ہیں۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ، قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ۔

اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادران قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا۔ جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کے منکر ہیں۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ

اور لوط کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا۔ کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل ہی حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے بڑے پاکباز بنتے ہیں۔

یہ ایک ہی کہانی ہے جو تاریخ کے ہر دور میں دہرائی جاتی ہے اور جاہلیت نے ہمیشہ اسلام کے ساتھ ہی یہی روش برقرار رکھی ہے۔

فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ۔

ان کے سامنے ہم نے راہ راست پیش کی مگر انہوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا رہنا پسند کیا۔

کوئی تعجب نہیں۔ اگر جاہلیت جدیدہ اسلام سے نفرت کرتی ہے کیونکہ تاریخ میں جاہلیت کا ہمیشہ یہی موقف رہا ہے کہ جاہلیت اسلام سے نفرت کرتی ہے اور کسی صورت میں اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی ہے ۔۔ اور ہر اس شخص سے بھی نفرت کرتی ہے جو اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ اور اسلام کی طرف بلانے والے کو جلاوطن کرتی ہے یا قتل کر دیتی ہے۔

جاہلیت کا موقف

جاہلیت اسلام کی طرف بلانے والوں کو آزادیٔ رائے! اور آزادیٔ اعتقاد کے اصول کے ماتحت زندہ رہنے کا حق بھی نہیں دیتی!

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادرانِ قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف رہنمائی آگئی ہے۔ لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم واقعی مومن ہو اور زندگی کے ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو، اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو وہ زمانہ جب کہ تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تمہیں بہت کر دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ اگر تم میں سے ایک گروہ اس تعلیم پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، ایمان لاتا ہے اور دوسرا ایمان نہیں لاتا تو صبر کے ساتھ دیکھتے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے

خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا۔
(الاعراف ۸۷، ۸۸)

بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے۔ اس سے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا۔

کبھی نہیں ۔ جاہلیت کے متوالے ان صلح جو داعیوں کو بھی زندہ رہنے کا حق نہیں دیں گے۔ جو کہتے ہیں۔

فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ۔

انتظار کرو۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کردے۔ وہ ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

جاہلیت کا یہ مؤقف اتفاقیہ نہیں ہے۔ بلکہ اس مؤقف کے کئی اسباب ہیں:

انحراف کا آغاز

جب پہلے پہل اللہ کے قانون اور عقیدے سے انحراف شروع ہوتا ہے تو بڑی معمولی شکل میں ہوتا ہے اور مومنین سے پوشیدہ رکھ کر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت مومنین ہی غالب قوت ہوتے ہیں اور اللہ کا دین نافذ ہوتا ہے۔

کبھی انحراف 'حسن نیت' سے ہوتا ہے۔ جس کی وجہ تکالیف کے برداشت سے ہمت ہارنا اور ضعف ہوتا ہے۔

اور کبھی انحراف 'بری نیت' سے ہوتا ہے وہ اس طرح کہ منافقین اسلام میں داخل ہو کر عقیدہ کی عمارت ڈھانے کے لیے موقعہ کے منتظر رہتے ہیں۔

اور جب تک اللہ کے دین کا غلبہ رہتا ہے۔ وہ منافقت برتتے رہتے ہیں۔ بہرحال ابتدا میں یہ انحراف بڑا معمولی ہوتا ہے اور پوشیدہ رہتا ہے۔ اور بعدازاں جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے۔ انحراف بڑھتا جاتا ہے۔ اور لوگوں کے دلوں میں عقیدہ سے انحراف کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے اور صراطِ مستقیم کے نور کو دھندلا کر اور صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے قلوب کو افسردہ کرکے انہیں ایسا بنا دیتا ہے کہ پھر ان کی نگاہیں نور دیکھنے کے قابل نہیں رہتیں۔

اسی وقت سے زمین میں فساد پھیلنا شروع ہوجاتا ہے اور "طاغوت" سر اٹھانے لگتا ہے:
— پھر اللہ کے دین سے دوری بڑھتی رہتی ہے۔ اور لوگوں میں بگاڑ بڑھتا رہتا ہے:
— حتیٰ آنکہ لوگوں کی زندگیوں میں اللہ کا قانون نافذالعمل نہیں رہتا —— اور طاغوت کی حکمرانی شروع ہوجاتی ہے۔

اس وقت جاہلیت کسی ایسے شخص کی پکار نہیں سنتی جو اس کو اللہ کی طرف بلائے۔ بلکہ ہر داعی کی دشمن ہوجاتی ہے۔ بلکہ جاہلیت داعیانِ حق کے خلاف شدید ترین جنگ برپا کر دیتی ہے اور جوں جوں 'داعی' حق کی طرف بلاتے جائیں گے۔ اتنا ہی جاہلیت ان کی خلاف جنگ میں شدت برتتی جائے گی۔ حتیٰ آنکہ یا تو ان داعیانِ حق کو سرزمین وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ یا ان کا خون بہایا جائے گا!

جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو لوگ کسی سادگی اور ناواقفیت کی بناء پر اسلام کے دشمن نہیں ہوتے —— بلکہ اس دشمنی کا حقیقی سبب یہ ہوتا ہے کہ جاہلیت کو خطرہ ہوتا ہے کہ اگر اسلام آگیا۔ تو جاہلیت، اس کی مصالح شہوتیں اور انحرافات سب مٹ جائیں گے —— کیونکہ جاہلیت کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جادۂ حق سے کس قدر منحرف ہوگئی ہے۔ اور ہوائے نفس کی حکمرانی اور شہوتِ نفس کی غلامی کس درجہ بڑھ گئی ہے — اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر اسلامی نظام برپا ہوجائے۔ تو اسے کس قدر مصالح اور منافع سے دست بردار ہونا پڑے گا!

اس لئے جاہلیت اسلام سے متنفر رہتی ہے اور اسلام کے خلاف اس کا مؤقف معاندانہ اور جنگ جویانہ ہے۔ اس مؤقف میں متکبرین اور کمزور سب برابر ہیں — کیونکہ ان سب کی جاہلیت کے ساتھ کچھ منافع کچھ مصالح اور شہوتیں وابستہ ہیں —— اور یہ لوگ نہیں چاہتے کہ اسلام کو اپنا کر یہ اپنے ان منافع سے دستبردار ہوجائیں کیونکہ اسلام تمام مصالح فاسدہ، منافع منحرفہ اور شہوتوں کی راہ میں رکاوٹ قائم کر دیتا ہے!

جدید جاہلیت کی اسلام کی دشمنی

اس بیان سے یہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جاہلیت جدیدہ اسلام کی کیوں دشمن ہے؟!
بہرحال جاہلیت جدیدہ کا مؤقف اسلام کے بالمقابل دشمنی اور عداوت کا ہے —— مشرق و

مغرب میں ہر جگہ —— بلکہ ان ممالک میں بھی جو اپنے آپ کو "اسلامی ممالک" کہتے ہیں، جاہلیت کا موقف یکساں ہی ہے!

مگر یورپ و امریکہ میں جاہلیت کا یہ موقف بالکل واضح ہے کیونکہ یورپ تو دین کو ناپسند کرتا ہے — اور عقیدہ سے —— اور عقیدہ کے واقعیاتی زندگی پر چھا جانے سے متنفر ہے —— اور خاص طور پر اسلام تو بہت زیادہ ناپسند ہے — اسلام کے خلاف تو ایسی خوفناک جنگ برپا کی ہوئی ہے جس کا تصور بھی مشکل ہے!

مطلقاً مذہب سے نفرت کے اسباب تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ:

—— کانسٹنٹائن نے پوری رومی سلطنت میں مسیحی مذہب کو لازمی قرار دے دیا تھا — دین مسیحی میں کچھ بت پرستانہ خیالات بھی داخل کر دیئے گئے، تاکہ بت پرستوں کو دین مسیحی اپنانا آسان ہو۔ جب یہ ملغوبہ لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہو گیا تو اسرار دین کا کلیسا دعوے دار بن بیٹھا اور لوگوں کو کہا کہ وہ ان اسرار کو بلا سمجھے تسلیم کر لیں —— اور اللہ تک پہنچنے کے لئے کلیسا کا وسیلہ ضروری قرار پایا! اور پھر اس ذریعہ سے کلیسا اپنے اقتدار کو وسیع کرتا رہا —— لوگوں پر تاوان لگائے گئے — اور —— ان کو خلاف فطرت رہبانیت کی دعوت دی گئی!

اور کچھ وقت بعد —— لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عبادت وطہارت کے مراکز کلیسا میں اللہ کے "مقدس بندے" بھیانک جرائم میں ملوث ہیں۔! اس کے بعد پھر "مغفرت ناموں" کا کھیل کھیلا گیا۔ جس سے لوگوں کے دلوں سے مذہب کا رہا سہا احترام بھی ختم ہو گیا!

پھر جب کلیسا علم کے مخالف ہوا۔ اور سائنس دانوں کو آسمانی حکم پہ جلایا گیا — تو یورپ میں قیامت برپا ہو گئی!

یہ ہے وہ طریق کار جس نے یورپ میں مذہب و سائنس کو علیحدہ علیحدہ اور مذہب و زندگی کے راستے جدا جدا کر دیئے! اور —— یورپ کلیسا کے مذہب سے متنفر ہو کر آہستہ آہستہ مذہب ہی سے کنارہ کش ہوتا چلا گیا۔

جب اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم سے حاصل کردہ روشنی پر "تحریک احیاء" شروع ہوئی تو وہ کلیتاً مذہب دشمن بنیادوں پر قائم ہوئی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یورپ کے پاس کلیسا دشمنی کا تو کوئی عذر ہو سکتا ہے —— لیکن مذہب دشمنی کے لیے کیا عذر ہے؟

غرض یورپ کلیسا اور کلیسا کے مذہب سے بھی متنفر ہو گیا۔ اور اسلام سے بھی اس کا کفر بڑھ گیا۔ جب کہ اسلام ہی نے اسے تہذیب آشنا بنایا اور علم دے کر تاریکیوں سے روشنی میں لایا۔ اگر یورپ کے پاس کلیسا دشمنی کے لیے کوئی عذر موجود ہے۔ تو اس بات کا کیا عذر ہے کہ روحِ صلیبی نے اسے اسلام کے بالمقابل لا کھڑا کیا۔ جب کہ یورپ بخوبی واقف تھا کہ اسلام ہر قسم کی خیر اور اس کی تہذیب کا مصدر ہے!

یہودیت —— نے جب سے اللہ سے اپنے میثاق کو توڑا اور اس کی ہدایت کو ٹھکرایا تھا —— اسی وقت سے ہر نئی دعوت کے خلاف گھات لگائے بیٹھی تھی۔ چنانچہ ——

جب یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد کلیسا دشمنی پر رکھی گئی۔ یہودیت نے فوراً بھانپ لیا کہ وقت آگیا ہے کہ مسیحیت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے —— پس یہودیت نے مذہب دشمنی کی کھائی کو مزید وسیع کرنا شروع کر دیا —— اور ——

جب ڈارون اپنے نظریات کے ساتھ کلیسا کے مقابلہ پر آگیا۔ عالمی یہودیت بھی اپنے تین علماء —— مارکس، فرائڈ اور ڈرکایم —— کو لے کر مذہب کی بنیادیں ہلانے کے لیے میدانِ کارزار میں کود پڑی[1]۔ اور مسیحیت کو ختم کرنے کے لیے ہر قسم کے اخلاقی بگاڑ کو رواج دیا اور قوموں اور افراد کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی عالمی یہودیت مشرق و مغرب کی سیاست پر مسلط ہو گئی —— چنانچہ بیک وقت سرمایہ داری اور اشتراکیت پر یہودیت کا غلبہ ہو گیا۔! اور پھر صلیبی اور صیہونی مشترک عداوت اپنی پوری تندی اور سختی کے ساتھ عالمِ اسلام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

اسلام کے خلاف صلیبی صیہونی سازش

چنانچہ صلیبی یورپ نے —— یہودیوں کے سرمایہ کے بل بوتے پر دنیا کے اسلام کو اپنے استعمار کا شکار بنا لیا اور اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کیے —— مشنریاں قائم کیں —— مسلمانوں کے سامنے اسلام کو شکلیں بگاڑ کر پیش کیا۔ اخلاق کو برباد —— اور بالآخر ایک ایسی نسل تیار کی جو اسلام سے متنفر، اور مغرب کی ذہنی غلام تھی۔ اسی نسل کو اسلامی ملکوں کا

---

[1] اس کتاب کے صفحہ   پر پروٹوکولز کا بیان دیکھیں۔

اقتدار سونپ دیا گیا۔ اور انہوں نے بھی اسلام کو ختم کرنا شروع کر دیا! لہ

یہاں پر اس تفصیل کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلامی دنیا کے خلاف صلیبی صیہونی سازش نے کس قدر مکر و فریب سے کام لیا ہے۔ ہاں صرف ہم عصر مستشرق ولفرڈ کانٹول اسمتھ کی کتاب "موجودہ دور میں اسلام" کے صفحہ ۴۰۰ الخ ۱۱۳ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جہاں مصنف نے تحریر کیا ہے۔ کہ

"مغرب اپنی تمام تر جنگی فکری علمی اور اقتصادی طاقتیں اسلام کے خلاف استعمال کر رہا ہے اور وہ عالم اسلام کے قلب میں اسرائیل کو ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے ماتحت وجود میں لایا ہے۔"

یہ شہادت یورپ کی اسلام کے خلاف عداوت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

عالم اسلام میں اسلام دشمنی کسی قدر یورپ سے مختلف پیمانے پر ہے۔ لیکن آخر کار اس کا بھی سرا یورپ ہی سے ملتا ہے۔ جیسا کہ ہر جاہلیت دوسری جاہلیت سے تعاون کرتی ہے۔ خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں پائی جاتی ہو۔ اگرچہ نشانیاں اور علامتیں علیحدہ علیحدہ ہوتی ہیں۔ جن سے ایک جاہلیت دوسری سے ممتاز ہوتی ہے!

آج اسلامی دنیا میں اسلام اتنا ہی غریب و اجنبی ہے جس قدر وہ جزیرہ نمائے عرب کی جاہلیت میں اپنے ابتدائی دور میں تھا! بلکہ آج کے جاہل اسلام سے زیادہ متنفر ہیں!

ہم عالم اسلام کے مختلف گروہوں کے بارے میں بیان کریں گے کہ وہ کیوں اسلام کو ناپسند کرتے ہیں۔

عالم اسلام کی سرکش قوتیں

"عالم اسلامی" کی کوئی بھی سرکش طاقت ـــ خواہ یہ طاقت اسلام کے خلاف کھلم کھلا جنگ کر رہی ہو ـــ یا بظاہر رویہ مفاہمانہ ہو اور اندرون خانہ اسلام دشمن ہو ـــ ان میں سے کوئی بھی سرکش اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس کا ایک سادہ سا سبب ہے اور وہ یہ کہ اسلام

لہ "جمود و ارتقاء میں تین یہودیوں کا باب دیکھئے۔

انسانیت کا رشتہ اللہ سے جوڑتا ہے۔ جب کہ دوسری طاقتیں اللہ کے سوا کسی اور سے تعلق قائم کراتی ہیں۔

تاریخ کی ہر سرکش طاقت اسلام کے بالمقابل اسی طرح شکست کھاتی رہی ہے۔ خواہ اس کی جنگ اسلام کے عقیدہ کے ساتھ ہو۔ یا اسلام کے ماننے والوں کے ساتھ ہو۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عالم اسلام کی یہ سرکش طاقتیں بذاتِ خود قائم نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو صلیبی استعمار اور یہودی سازش نے سہارا دیا ہوا ہے تاکہ اس طرح وہ اسلام کا خاتمہ اور مسلمانوں کو تباہ کر سکیں!

عالم اسلام میں دانشوروں کا طبقہ

عالم اسلام میں ایک طبقہ "دانشوروں" کا ہے۔ جو صلیبی اور صیہونی مکر و فریب کا شکار اور اسلام کا اصل دشمن ہے کیونکہ ان دانشوروں کو سامراج نے اپنی خاص نگرانی اور توجہ کے ساتھ اپنی ان تعلیم گاہوں میں تیار کیا ہے۔ جن کا مقصد مسلمانوں میں ایک ایسی نسل تیار کرنا ہے جن کو حقیقت اسلام سے ذرا بھی مس نہ ہو اور اس کے بجائے ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کر دیئے جائیں!

مسلمانوں کی اس نسل کو یہ تعلیم دی گئی کہ اسلام پس ماندگی، تنزل اور رجعیت ہے۔ ترقی اور تہذیب کا راستہ صرف یہی ہے کہ مذہب سے دامن چھڑایا جائے۔ زندگی کی چہل پہل سے مذہب کو ذرا دور ہی رکھا جائے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں، سیاست، اقتصاد اور اجتماع پر اس کے اثر انداز ہونے کے مواقع کو بالکل ختم کر دیا جائے اور زندگی کی ہر تعبیر و مفہوم اسلام کے بجائے اس کا صلیبی اور صیہونی مفہوم اپنایا جائے۔ اس نسل کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے اور طاقت اور تہذیب اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب مذہب کو راستہ سے ہٹا دیا جائے!

اپنی کند ذہنی اور بیوقوفی کی بناء پر یہ دانشور جاہلیت جدیدہ کے مسموم چشموں سے سیراب ہوتے رہے۔ حتیٰ آخر ان کی نفع و نقصان کی فطری حس بھی ختم ہو گئی۔ اور یہ شعور

بھی باقی نہیں رہا کہ صرف علم کا حصول — جو بلاشبہ ایک تمدنی ضرورت ہے —— اور زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے منحرف افکار کا اپنا لینا دو علیحدہ علیحدہ شئے ہیں۔ اور یہ فکری انحراف ہی ہے جو عالمِ اسلام کو گھن کی طرح کھا کر ختم کر رہا ہے۔

اپنی کند ذہنی اور بیوقوفی کی بناء پر یہ دانشور نہ صرف اسلام دشمن ہو گئے۔ بلکہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لئے تمام صلیبی اور صیہونی ہتھیار لے کر نکل آئے۔

لکھنے والے فن کار، افسانہ نویس، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن کے آرٹسٹ تمام اسلام کے دشمن ہیں اور اسے ناپسند کرتے ہیں۔

ان کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ جو تجارت یہ کر رہے ہیں وہ تمام کی تمام اخلاق کی بربادی، بے حیائی کی اشاعت اور مرد و زن کے اختلاط کے گرد ہیں —— یہ بات ان آرٹسٹوں کو بھی معلوم ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تجارت حرام ہے اور اگر اسلام آگیا تو ظاہر ہے کہ وہ اس گندگی کو برداشت نہیں کرسکے گا۔ یہ تجارت اتنی ہی گندی اور نجس ہے جتنی عصمت فروشی! یہ لوگ ان باتوں کو بخوبی سمجھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ صرف جاہلیت ہی اس گندگی کو برداشت کر سکتی ہے اور اس طرح ان کی منافع خوری اور لذت پرستی کے مواقع مہیا کر سکتی ہے۔ لیکن اسلام اپنی نظافت اور بلند اخلاق کی بناء پر نہ تو ان لوگوں کو برداشت کر سکتا ہے۔ نہ ان کی نفع اندوزی کی کوئی ضمانت دے سکتا ہے بس اسی لئے یہ طبقہ اسلام کو ناپسند کرتا ہے!

رہ گئی نوجوان نسل جس کے سامنے بے حیائیوں کے دروازے چوپٹ کھلے پڑے ہیں اور ان کی تمام زندگی کا ماحصل، ایک رقیق نغمہ، ایک فحش افسانہ، ایک عریاں رقص اور ایک جنسی تلذذ کا لمحہ —— بن گیا ہے —— ظاہر ہے انہیں بھی اسلام ناپسند ہے —!

یہ اسلام کو اس لئے ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی تمام بے راہ روی اور شہوت رانی مذہب سے دور رہ کر ہی ہو سکتی ہے — کیونکہ اللہ کا دین پاکیزہ ہے، وہ اس گندگی کو نہیں برداشت کر سکتا! اور یہ طبقہ چاہتا ہے کہ اس

گندگی میں پڑا رہے اور ان کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے . . . کہ اس بدکاری سے گزشتہ اقوام کس انجام کو پہنچیں۔ اور آج بعض قومیں کس انجام سے دوچار ہیں۔ انہیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ دنیا کی تخریب پسند قومیں ان کے اخلاق کی بربادی اور ان کے دین و ایمان کی تباہی کا ایک بڑا پروگرام اپنے سامنے رکھتی ہیں۔

اور اس پروگرام کی منظوری صلیبی اور صیہونی دنیا سے مل چکی ہے۔ اور اب یہ نوجوان نسل شہوت رانی اور لذت پرستی میں اتنی منہمک ہو چکی ہے کہ وہ اب صحیح زندگی کی طرف نہیں آسکتے۔ چنانچہ یہی اسلام کو ناپسند کرتے ہیں!

عالم اسلام اور آزادیٔ نسواں

موجودہ دور کی آزاد عورت تو خاص طور پر اسلام کو ناپسند کرتی ہے!

عالم اسلام میں "آزادیٔ نسواں" ایک اہم مسئلہ رہا ہے جس کے لئے صلیبی سامراج اور صیہونی سازش نے پوری ایک صدی تک جدوجہد کی ہے۔!

"عالم اسلام پر حملہ[۱]" نامی کتاب میں ہے —— یہ کتاب دراصل آج سے پچاس سال قبل کا "مجلہ عالم اسلامی" کا ایک خاص شمارہ ہے —— یہ مجلہ فرانس سے نکلتا ہے۔ اور اس کا مقصد اسلامی دنیا میں مشنری کام کا جائزہ لینا ہے —— غرض اس مضمون کے صفحہ ۴۸ پر تحریر ہے۔

"مشنری کوششوں کے دو مقاصد ہیں۔ ایک نوجوانوں کو عیسائی بنانا —— اور —— دوسرے تمام مسلمانوں میں مسیحی افکار کی اشاعت"

اسی کتاب کے صفحہ ۴۰ پر ہے ——

"مشنری اگر اپنی تحریکات کے آثار کمزور دیکھیں تو اس سے ناامید نہ ہوں۔ کیوں کہ یہ بات بالکل سامنے آچکی ہے کہ مسلمانوں کو مغربی علوم اور آزادی نسواں" کی چاٹ پڑ چکی ہے"

۱ھ

صفحہ ۸۸ اور ۸۹ پر لکھنؤ اور قاہرہ کی مشنری کانفرنسوں کے طے کردہ لائحہ عمل ہیں
لکھنؤ کانفرنس جو ۱۹۱۱ء میں ہوئی اس میں یہ دو نکاتی لائحہ عمل منظور ہوا ____

"۱۔ موجودہ حالات کا مطالعہ۔

۲۔ تعلیم نسواں ___ اور مشنریوں کی تعلیم کے لیے کوشش!
قاہرہ کانفرنس (۱۹۰۶ء) نے جو پروگرام منظور کیا۔ اس کا ایک نکتہ درج ذیل ہے:۔
۱۔ مسلم خواتین میں اجتماعی اور نفسیاتی ارتقاء ____

یہ طریقہ کار تھا۔ جو مسلم خواتین کی آزادی کے لئے مشنری کانفرنسوں میں طے پایا اور صلیبی مشنریوں نے اس مقصد کے لئے انتھک کوششیں کیں۔

ایک امریکی یہودی مؤرخ برجر[1] اپنی کتاب "آج کی عربی دنیا" میں کہتا ہے۔ (قریب کے زمانے میں عالم عربی کے بارے میں شائع ہونے والی کتابوں میں یہ کتاب بڑی اہم ہے)

"تعلیم یافتہ مسلمان عورت مذہبی تعلیمات سے بہت دور ہے اور معاشرے کو بے دین بنانے میں صدر درجہ مفید ہے" !؟

جو مقصد اس یہودی مصنف نے بتایا ہے۔ اس کے لئے ظاہر ہے کہ مشنری بہت زیادہ کوشش کریں گے۔ کیونکہ اگر عورت مسلمان رہ جائے خواہ جاہل ہی کیوں نہ ہو۔ وہ بہرحال معاشرے کو بے دین بنانے کی مہم میں ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہوگی۔ عورت ہی تو بچے کی پرورش کرتی ہے۔ اور مسلمان عورت تو خواہ جاہل کیوں نہ ہو۔ دوران تربیت بچوں میں اسلام کے ایسے بیج بو دیتی ہے کہ خواہ فساد اور بگاڑ کے عوامل کتنے ہی مؤثر کیوں نہ ہوں اور لوگوں کی بربادی دین و ایمان کے کتنے ہی منظم پروگرام کیوں نہ ہوں۔ مسلمانوں میں پھر بھی اسلام کا کوئی نہ کوئی شائبہ باقی رہ جاتا ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں پکا سچا مسلمان بن جائے اور اس خطرے کو راستے سے ہٹانا صلیبی سامراج اور یہودی سازش کے لیے ضروری ہے!!
اس لئے انہوں نے سوچا کہ مسلمان عورت کے دل سے اسلامی عقیدہ مٹنا چاہیے" !

---

[1] یہ کتاب ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی ہے۔

اور عورتوں کی ایک ایسی کھیپ تیار ہونی چاہیئے جو اسلام سے قطعاً ناواقف ہو! طریقہ اس کا بھی وہ ہی ہے جو پہلے مرحلہ پر آزمایا جا چکا ہے یعنی تعلیم:

غرض صلیبی سامراج اور صیہونی سازشں نے ــــ ترکی، مصر، ہندوستان، انڈونیشیا اور افریقہ میں آزادیٔ نسواں کی تحریکیں شروع کر دیں اور سرکاری اور مشنری اسکولوں میں خواتین کی وہ نسل تیار ہوئی۔ جو نہ صرف اسلام سے دُور تھی بلکہ متنفر بھی تھی۔!

یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسلام جس نے مرد و عورت پر یکساں حصول علم فرض قرار دیا ہے۔ اگر کسی وقت نافذ العمل ہو تو وہ خواتین کی تعلیم میں رکاوٹ نہیں بنے گا لیکن وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ مرد و زن کو ایسی تعلیم دی جائے جو اسلام ہی سے متنفر کر دے۔

صلیبی سامراج اور یہودی سازش کا تعلیم نسواں کا مدعا یہ نہیں تھا کہ خواتین تعلیم حاصل کریں اور مسلمان رہیں، بلکہ مدعا یہ تھا کہ خواتین تعلیم حاصل کریں اور اسلام سے آزاد ہو جائیں۔!

تعلیم نسواں کے مبارک قدم کے بعد دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ عالم اسلام میں کچھ اس قسم کے اجتماعی، فکری اور اخلاقی حالات پیدا کیے گئے کہ عورت بے پردہ ہو جائے ــــ تاکہ بگاڑ مکمل ہو سکے! غرض ایک بگڑی ہوئی نئی نسل تیار کی گئی۔ جن کے بگاڑ میں لکھنے والے، فن کار، افسانہ نویس صحافی، سینما اور ریڈیو والوں نے پورا پورا کردار ادا کیا ــــ ساتھ ہی زندگی کے مختلف مرحلوں پر اس بگاڑ کو مکمل کرنے کے لیے اختلاط کے مواقع مہیا کیے گئے!

عالم اسلام کی موجودہ نسل صلیبی سامراج اور یہودی سازش کا اصل سرمایہ ہے۔ کیونکہ یہی نسل اسلامی عقیدہ کے خاتمہ کے لئے فیصلہ کن وار کرنے والی ہے ــــ اور خاص طور پر موجودہ عالم اسلام کی "خاتون" جس کے بارے میں یہودی مصنف کہتا ہے ــ کہ

"معاشرہ کو بے دین بنانے میں عورت زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔"

اور یہ بات صحیح بھی ہے۔ کیونکہ آج کی "تعلیم یافتہ حریت پسند خاتون" اپنے بچوں کے دلوں میں اسلام کے بیج نہیں بوئے گی۔ کیونکہ اس عقیدہ پر وہ خود ایمان نہیں رکھتی اور اسلام سے وہ متنفر ہے۔

اب صلیبی سامراج اور صیہونی سازشی دو صدیوں کی مسلسل جد و جہد سے چھٹکارا پا جائیں گے

کیونکہ اب عورت تعلیم یافتہ اور حریت پسند ہونے کی بنا پر مسلمان بچے ہی نہیں پیدا کرے گی!
پھر بھی عورت پر گرفت مضبوط ہے اور اس کے دل میں اسلام دشمنی کے جذبات ابھارنے کا کام منظم طریقے پر جاری ہے!

اس مقصد کے لیے "حریت پسند خاتون" کو حصولِ حقوق کی الجھن میں مبتلا کر دیا گیا ہے اور یہ الجھن اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی۔ جب تک اسلامی قوانین کا خاتمہ نہ کر دیا جائے۔ یا اس سے بھی خطرناک مہم کہ اسلام کے مفہوم و معنیٰ کو بدل دیا جائے۔!

جمہور مسلمان

جمہور مسلمان۔ اسلام سے عقیدتاً تو بیزار نہیں ہیں لیکن عملی زندگی میں اس کا نفاذ بھی نہیں چاہتے! ــــ اس لیے کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ بس اس مصرف کا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نماز پڑھ لی اور روزہ رکھ لیا۔ اس کے علاوہ دیگر پابندیاں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسی طرح بے قید زندگی گذارتے رہیں۔ فحش فلمیں بھی دیکھتے ہیں ٹیلی ویژن پر عریاں رقص بھی دیکھتے ہیں اور گندے گانے بھی سنتے ہیں ــــ
ــــ خوب آزادی کے ساتھ جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ غیبت بھی کرتے ہیں اور تجسس بھی کرتے ہیں۔ بغیر حلال و حرام کی پرواہ کیے ہوئے! روزی حاصل کرتے اور کھاتے پیتے بہت سے ــــ راہ چلتی عورتوں کی فتنہ سامانی سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔
بہت سی خواتین بھی مردوں کو مائل کرنا چاہتی ہیں اور خوب بناؤ سنگار کر کے باہر نکلتی ہیں۔
ان سب عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ اگر نیت بُری نہ ہو تو ان تمام کاموں میں کوئی قباحت نہیں ہے ــــ

بس عام مسلمانوں کے نزدیک اسلام کی اتنی سی حیثیت ہے کہ وقتاً فوقتاً تازہ کر لیا جائے۔ رہ گیا یہ تصور کہ اسلام پوری زندگی میں جاری و ساری ہے ــــ اور ہر چھوٹی بڑی بات میں اسلام سے رہنمائی لی جائے اور اسلام کو عملاً زندگیوں میں نافذ کیا جائے۔ سو اس کا عوام کے ذہنوں میں کوئی دھندلا سا خاکہ بھی نہیں ہے۔!

جمہور مسلمان اگرچہ دانشوروں اور مسلم قوم کے دوسرے طبقات کی طرح اسلام سے نفرت

تو نہیں کرتے ۔ مگر حقیقتاً وہ بھی اسلام کو ناپسند کرتے ہیں !

اور پر مسلمانوں کے تمام طبقات کا جائزہ لیا گیا کہ ان کا اسلام کے بارے میں کیا مؤقف ہے ۔

مجموعی طور پر تمام طبقات کی مصالح، نفع اندوزیاں اور خواہشات نفس انہیں اسلام کے ناپسند کرنے پر مجبور کرتی ہیں ۔ اس ناپسندیدگی میں کمزور و طاقت ور سب برابر کے شریک ہیں ۔ کیونکہ ہر ایک کے ساتھ اس کی اپنی مصالح ہیں ——

غرض جو جاہلیت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے ۔ وہ ہی جاہلیت پوری طرح اسلامی دنیا پر بھی چھائی ہوئی ہے ۔ !

عالم اسلام میں خال خال ایسے افراد بکھرے ہوئے اور پراگندہ طور پر موجود ہیں ۔ جو اسلام کی حقیقت سے واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں، کہ اسلام ہی دین حق ہے اور اسلام ہی راہ نجات اور پوری انسانیت کی بیماریوں کا علاج ہے ۔

—— انہیں یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ اسلام کا راستہ کانٹوں سے پُر ہے ۔ اس کے حصول کے راستہ میں خون کی ندیاں حائل ہیں —— اس کے باوجود بھی وہ اس پُر خار وادی میں گھس چکے ہیں اور اس کار خیر کا بدلہ صرف اللہ سے چاہتے ہیں ۔

—— لیکن —— یہ بکھرے ہوئے پراگندہ افراد موجودہ نسل انسانی میں کوئی انقلاب نہیں برپا کر سکتے کیونکہ ان کے مقابل نہایت بدترین دشمن صد درجہ منظم طریقے پر موجود ہیں ۔ وہ ان سب افراد کو ختم کر دیں گے اور اسلامی معاشرے کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا ! اور انسانیت کا رخ اللہ کے دین کی جانب نہ ہو سکے گا ۔

جو نام نہاد مسلمان آج موجود ہیں اور جو در حقیقت اسلام سے متنفر ہیں اور اس کو عملی زندگی سے دور رکھنا چاہتے ہیں —— یہ کوئی اسلام کے ٹھیکیدار نہیں ہیں کہ ان کی تباہی اسلام کی تباہی سمجھی جائے ۔ !

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ	اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں ۔ جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے

قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيدًا وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيرًا

(سورة النساء ۱۳۱ - ۱۳۳)

کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرو اور اور اگر تم ناسپاسی کرو گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کے حاجت مند نہیں خود اپنی ذات میں محمود ہیں۔ اور اللہ ہی کی ملک ہیں۔ جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں۔ اگر ان کو منظور ہو۔ تو اے لوگو! تم سب کو فنا کر دیں اور دوسروں کو موجود کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس پہ پوری قدرت رکھتے ہیں۔

جی ہاں :

اللہ کی سنت کا تقاضا ہے کہ ایک نئی نسل اُبھرے گی جو اللہ کی طرف لوٹ آئے گی!

انسانیت کی اللہ کی طرف واپسی

جاہلیت جدیدہ۔ اور اس کے طاغوتوں کا گمان یہ ہے کہ اس نے اللہ کے دین کا خاتمہ کر دیا ہے! اور

درحقیقت جاہلیت جدیدہ اپنے اس گمان میں حق بجانب ہے! کیونکہ جو شخص دنیا کے نقشے پر اچٹتی ہوئی سی نظر بھی ڈالتا ہے، اس کو یہ صاف طور پر نظر آجاتا ہے کہ ہر جگہ اور مقام پر جاہلیت کے پھریرے اڑ رہے ہیں اور اسلام کا جھنڈا ہر جگہ سرنگوں ہے۔

لیکن — انسانیت اللہ کے دین پر حکمران نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ — اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ — مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

(سورہ یوسف۲۱)

یہ کوئی پہلا موقع نہیں ہے کہ جاہلیت اسلام سے نبرد آزما ہوئی ہو۔ بلکہ اسلام کے بالمقابل جاہلیت کا رویہ ہمیشہ ہی وحشی اور عداوت کا رہا ہے۔

بہرکیف انسانیت اللہ کے دین پر حاکم نہیں ہے — بلکہ اللہ ہی کا حکم نافذ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جاہلیت کے فریب اور دھوکوں کو نظرانداز کرتے ہوئے جس طرح اس کا جی چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اور دین کی دعوت کو پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ جاہلیتوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ یا — ان کو اسلام کی ہدایت دے دیتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ — ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ — کہا اے برادران قوم۔ اللہ کی بندگی کرو، اس

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنِّىْٓ اَخَافُ — کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ
قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهٖ
إِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ
قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ
وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ
أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ
وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَ
عَجِبْتُمْ أَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ
لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔
فَكَذَّبُوْهُ فَأَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ
مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ
أَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
إِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۔

حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا
ہوں۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا
ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا
ہو نوح نے کہا اے برادران قوم میں کسی
گمراہی میں نہیں پڑا ہوں۔ بلکہ میں رب العالمین
کا رسول ہوں۔ تمہیں اپنے رب کے پیغامات
پہنچاتا ہوں۔ تمہارا خیر خواہ ہوں اور مجھے اللہ
کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے۔ جو تمہیں معلوم
نہیں ہے۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا، کہ
تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم کے آدمی کے
ذریعے سے تمہارے رب کی یاددہانی آئی۔ تاکہ تمہیں
خبردار کرے اور تم غلط روی سے بچ جاؤ اور تم پر
رحم کیا جائے۔ مگر انہوں نے اسے جھٹلایا آخرکار
ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایک کشتی
میں نجات دی اور ان لوگوں کو ڈبو دیا جنہوں نے
ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ یقیناً وہ اندھے
لوگ تھے۔

وَإِلٰى عَادٍ أَخَاهُمْ هُوْدًا
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ أَفَلَا
تَتَّقُوْنَ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ قَوْمِهٖ إِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ
سَفَاهَةٍ وَّإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو
بھیجا۔ اس نے کہا اے برادران قوم اللہ کی
بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے
پھر کیا تم غلط روی سے پرہیز نہ کرو گے۔ اس
کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے
انکار کر رہے تھے جواب میں کہا ہم تو تمہیں بے عقلی

الْكَاذِبِينَ قَالَ يٰقَوْمِ
لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلٰكِنِّي رَسُولٌ
مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ
رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ أَوَعَجِبْتُمْ
أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ
مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ
خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ
فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللّٰهِ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ
اللّٰهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ
آبَاؤُنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ
كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۔
قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ
مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ
أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ
سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ
مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ
فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ
فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا
وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۔

میں مبتلا سمجھتے ہیں اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو۔
اس نے کہا اے برادران قوم میں بے عقلی میں مبتلا
نہیں ہوں، بلکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں
تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا
ایسا خیرخواہ ہوں جس پہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے
کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس
خود تمہاری اپنی قوم کے ایک آدمی کے ذریعے
سے تمہارے رب کی یاددہانی آئی تاکہ تمہیں خبردار
کرے بھول نہ جاؤ کہ تمہارے رب نے نوح کی
قوم کے بعد تم کو اس کا جانشین بنایا اور تمہیں خوب
تنومند کیا۔ پس اللہ کی قدرت کے کرشموں کو یاد
رکھو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ انہوں نے جواب
دیا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ
ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی
عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ اچھا
تو لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر
تو سچا ہے اس نے کہا تمہارے رب کی پھٹکار
تم پر پڑ گئی اور اس کا غضب ٹوٹ پڑا کیا تم مجھ سے
ان ناموں پہ جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا
نے رکھ لئے ہیں اور جن کے لئے اللہ نے کوئی سند
نازل نہیں کی ہے۔ اچھا تو تم بھی انتظار کرو میں بھی
تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ آخر کار ہم نے اپنی
مہربانی سے ہود اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا اور
ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی، جو ہماری آیات کو جھٹلا چکے

تھے۔ اور ایمان لانے والے نہ تھے۔

وَإِلٰى ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صَالِحًا
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَاءَتْكُمْ
بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ
اللّٰهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيْ
أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْءٍ
فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ
وَاذْكُرُوْا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ
مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّأَكُمْ فِي
الْأَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا
قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا
فَاذْكُرُوْا آلَاءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا
فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ قَالَ الْمَلَأُ
الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ
آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُوْنَ
أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
قَالُوْا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ
قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا إِنَّا بِالَّذِيْ
آمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ فَعَقَرُوا
النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ
وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا انہوں نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل آگئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیئے ایک نشانی کے طور پر ہے۔ لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے اس کو کسی بُرے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آلے گا۔ یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے اور اس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو پس اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے کمزور طبقہ کے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے۔ انہوں نے جواب دیا بیشک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے اسے ہم مانتے ہیں۔ ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کے منکر ہیں پھر انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور پورے تمرد کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی

فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ۔

کر گزرے اور صالح سے کہہ دیا کہ لے آؤ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے۔ اگر تو واقعی پیغمبروں میں سے ہے۔ آخر کار ایک دہلا دینے والی آفت نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے اور صالح یہ کہتا ہوا ان کی بستیوں سے نکل گیا کہ اے میری قوم میں نے اپنے رب کا پیغام تجھے پہنچا دیا اور میں نے تیری بہت خیر خواہی کی مگر میں کیا کروں کہ تجھے اپنے خیر خواہ پسند ہی نہیں ہیں۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۔

اور لوط کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا۔ کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل ہی حد سے گزر جانے والے لوگ ہو مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے بڑے پاکباز بنتے ہیں یہ آخر کار ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو ۔۔۔ بجز اس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی ۔۔۔ بچا کر نکال دیا اور اس قوم پر برسائی ایک بارش پھر دیکھو کہ ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب

وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ

کی صاف رہنمائی آگئی ہے۔ لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر تم واقعی مومن ہو اور زندگی کے ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو وہ زمانہ جب کہ تم تھوڑے تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں بہت کر دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ اگر تم میں سے ایک گروہ اس تعلیم پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں ایمان لاتے ہیں اور دوسرا ایمان نہیں لاتا تو صبر کے ساتھ دیکھتے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے۔ اس سے کہا اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا شعیب نے جواب دیا کیا ہمیں زبردستی پھیرا جائے گا۔ خواہ ہم راضی نہ ہوں۔ ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے۔ اگر تمہاری ملت میں پلٹ آئیں۔ جب اللہ ہمیں اس سے نجات دے

تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ
قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ
وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ
إِذًا لَخَاسِرُونَ فَأَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ
جَاثِمِينَ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا
كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ۔ فَتَوَلّٰى
عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ
أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ
لَكُمْ فَكَيْفَ آسٰى عَلٰى قَوْمٍ
كَافِرِينَ۔

چکا ہے، ہمارے لیے تو اس کی طرف پلٹنا اب کسی طرح ممکن نہیں۔ الا یہ کہ خدا ہمارا رب ہی ایسا چاہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ اسی پر ہم نے اعتماد کر لیا۔ اے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے اور تو بہترین کرنے والا ہے اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کر چکے تھے۔ آپس میں کہا اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کر لی تو برباد ہو جاؤ گے۔ مگر ہوا یہ کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے ان کو آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے اور شعیب یہ کہہ کر ان کی بستیوں سے نکل گئے کہ اے برادرانِ قوم میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے اور تمہاری خیرخواہی کا حق ادا کر دیا اب میں اس قوم پر کیوں افسوس کروں جو قبول حق سے انکار کرتی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ
مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا
بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ
يَضَّرَّعُونَ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ
السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى

اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو۔ اس خیال سے شاید کہ وہ عاجزی پر اتر آئیں پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی میں بدل دیا۔ یہاں تک کہ وہ خوب پھلے

عَفَوا وَّ قَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۔

پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور برے دن آتے ہی رہتے ہیں۔ آخر کار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۔

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، مگر انہوں نے تو جھٹلایا لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا، جو وہ سمیٹ رہے تھے۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۔

(سورۃ الاعراف ۹۵۔۹۹)

پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آ جائے گی جب کہ وہ سوتے پڑے ہوں یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکایک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جب کہ وہ کھیل رہے ہوں، کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں، حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے۔ جو تباہ ہونے والی ہو۔

اللہ کا انسانیت سے ہمیشہ یہی معاملہ رہا ہے:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ (سورہ نور ۵۷)

کافروں کے بارے میں یہ نہ سمجھو کہ وہ زمین میں بھاگ کر ہم کو ہرا دیں گے۔

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

(سورہ یوسف ۔ ۲۱)

اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

جاہلیت خواہ کتنی ہی سرکش کیوں نہ ہو، اللہ کو عاجز نہیں بنا سکتی بلکہ اللہ کی سنت زمین میں نافذ ہو کر رہتی ہے اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ پہلے وہ لوگوں کو سختی اور مصائب میں ڈال کر آزماتا ہے شاید کہ وہ اللہ سے ڈر کر اس کی طرف آجائیں۔ اگر لوگ نہیں ڈرتے تو اللہ تعالیٰ برائی کو اچھائی سے بدل دیتے ہیں اور لوگوں کو بے پناہ نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کو بھول جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد بھی تنگی اور آسائش دونوں حالتوں میں رہے ہیں، ہم بھی انہیں کی طرح کبھی تنگی میں ہوتے ہیں اور کبھی آسائش میں! جب لوگوں کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اچانک آلیتا ہے۔ اور انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا!

مستقبل میں اسلام کا غلبہ

ہم آج محسوس کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ انسانیت میں تبدیلی کا ہو چکا ہے — یا — تو — جاہلیت کے مارے ہوئے کافروں کی تباہی — یا — پھر ان کو ہدایت دی جانے والی ہے۔ یا — انسانیت میں سے کوئی نوخیز نسل دین الٰہی کو لے کر اُٹھنے والی ہے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهٖ   اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے

وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ   نہیں ہیں (سورۃ یوسف ۲۱)

اب پھر اگر ہم دنیا کے نقشے پر نظر ڈالیں۔ تو اب دنیا اس طرح جاہلیت میں ڈوبی ہوئی معلوم نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلی نظر میں معلوم ہوتی تھی! اب کچھ دُور نور کی کرنیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔ اور — اسی نور کی روشنی میں میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں! کہ دورِ جاہلیت کے افق پر ایک نور کی کرن پھوٹ رہی ہے!

کسی بھی شخص کو اللہ نے غیب کا علم نہیں دیا ہے۔ لیکن ہم اللہ کی ناقابل تبدیل سنت معلوم کر سکتے ہیں — اور اللہ کی سنت اب پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ اللہ کی طرف ہدایت — یا — تباہی! و ہلاکت! مگر چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت نہیں کہ پوری انسانیت ہی تباہ ہو جائے۔ اس لئے اللہ کی طرف ہدایت یقینی ہے۔ اور

ہمیں امید ہے کہ انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا لے گی۔ اور اس خوش آئند مستقبل کی بشارتیں جاہلیت کی تاریکی میں چمکتی ہوئی صاف نظر آ رہی ہیں۔!

آج جاہلیت کے زیرِ سایہ انسانیت ایک بھیانک بدقسمتی اور بدبختی سے دوچار ہے۔ اور لوگ عذاب الیم میں مبتلا ہیں! قلق و بے چینی لوگوں کے اعصاب کو معطل کیے دے رہی ہے۔

سیاست، اقتصاد، اجتماع۔ اخلاق اور جنسی تعلقات کا بھیانک بگاڑ انسانیت پر مظالم ڈھا رہا ہے۔ یہ سب علامات ہیں اس بات کی کہ انسانیت اللہ کی طرف لوٹنے والی ہے۔

انسانیت کی یہ بدبختی اس کی قوتِ برداشت سے زیادہ ہے اور یہ عذاب الیم انسانیت کو کچلنے والا ہے۔

جاہلیت چونکہ اللہ کی دشمن ہے۔ اس لئے وہ شقاوتوں اور بدبختیوں کو برداشت کر رہی ہے یا — اس لئے برداشت کر رہی ہے کہ اس کے منافع کی تکمیل اسی راستے سے ہو سکتی ہے! — کچھ بھی ہو۔ ہلاکت و تدمیر انسانیت کی گہرائیوں تک اتر چکی ہے اور انسانیت تباہی کے غار میں گرنے والی ہے۔

اللہ کی دشمن موجودہ انسانیت تباہ ہو جائے گی۔ اور آئندہ نسل اللہ کے دین کو لے کر اٹھے گی اور اس کو عملاً نافذ کرے گی۔! موجودہ نسل کے انکار کی وجہ سائنس اور علم ہے!

اور شیطانوں نے لوگوں کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ سائنس اور علم ایمان باللہ کے منافی ہے اور علم نے قرونِ وسطیٰ کے "خدا" وغیرہ کی خرافات کا قصہ پاک کر دیا ہے!

گویا ترقی علم بھی شیطانوں کے ہاتھ میں ایک زبردست ہتھیار ہو گئی کہ جوں جوں علم ترقی کرتا جاتا ہے، لوگ اللہ سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن سائنس دان جو پہلے لوگوں کو کفر کی طرف لے گئے تھے اب خود اللہ کی طرف آ رہے ہیں۔ یہاں ہم سائنس دانوں کے کچھ بیانات نقل کریں گے۔ جو ہم پہلے بھی کر چکے ہیں!

سائنس دانوں کے بیانات

ماہر طبیعیات و ریاضیات سر جیمز جینز کہتے ہیں۔

"قدیم سائنس ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ طبیعت صرف ایک راستے پر گامزن ہے۔ جو اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متعین کر دیا گیا ہے۔ علت و معلول کا ایک لا متناہی سلسلہ جاری ہے۔ اگر "ا" وقوع پذیر ہوتا ہے۔ تو "ب" ضرور رونما ہوتی ہے۔

—— لیکن جدید سائنس کہتی ہے کہ "ا" کے بعد "ب" بھی آسکتی ہے اور "ج" اور "د" بھی! —— زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ "ب" کے وقوع پذیر ہوجانے کے امکانات "ج" سے زیادہ ہیں اور "ج" کے رونما ہونے کے امکان "د" سے زیادہ ہیں۔ بلکہ "ب"، "ج" اور "د" کے وقوع پذیر ہونے کے امکانات کی تحدید بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ جدید سائنس صرف احتمالات کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور جو کچھ لازمی طور پر وقوع پذیر ہونا چاہیئے اسے اقدار پر چھوڑ دیتی ہے۔"

جامعہ فریکفرٹ کے نباتیات وحیاتیات کے استاد ارنست چارلس رسل کہتے ہیں

"اس بارے میں کہ جمادات سے زندگی کس طرح ظہور پذیر ہوئی۔ کئی نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ حیات پروٹوجین سے پیدا ہوئی ہے یا فروس سے پیدا ہوئی ہے۔ یا پروٹین کے بعض بڑے بڑے اجزا کے آپس میں مل جانے سے پیدا ہوئی۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان نظریات نے جمادات سے زندگی کی تشکیل کا درمیانی خلا پُر کر دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمادات سے زندگی کے صدور کے بارے میں تمام نظریات غلط ہیں۔ کوئی بھی شخص جو اللہ کے وجود کا منکر ہو۔ اس قول کی کوئی دلیل نہیں رکھتا کہ اتفاقیہ چند اجزا کے آپس میں مل جانے کی بنا پر زندگی وجود پذیر ہوئی ہو اور پھر اس نے وہ شکل اختیار کرلی۔ جو ہم زندہ خلیوں میں دیکھتے ہیں۔ ہر شخص کو کھلی آزادی ہے کہ وہ زندگی کے وجود پذیر ہونے کی اس توجیہہ کو درست مان لے۔ لیکن اس توجیہہ پر ایمان لانے کے بعد انسان اس سے کہیں زیادہ الجھنوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ جتنا کہ وہ اللہ پر اعتقاد رکھ کر ہو سکتا ہے۔ جس نے اشیاء کو اپنے حسن تدبیر سے پیدا کیا ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ ہر زندہ خلیہ میں اس قدر پیچیدگیاں ہیں کہ اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے زمین پر موجود کروڑھا خلیئے اللہ کے وجود کی گواہی دے رہے ہیں۔ اسی لئے میں تو اللہ پر نہایت پکا سچا ایمان رکھتا ہوں۔"

ولیم ابرفنج کہتے ہیں۔ (جامعہ ایوی سے ڈاکٹر۔ ماہر نباتیات۔ مشگین یونیورسٹی میں طبعیات کے پروفیسر)

"علوم سائنس ہمیں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ لاانتہائی اور غیر معمولی چھوٹے چھوٹے نقطے کس طرح پیدا ہوئے اور کس طرح یہ زندگی کی تشکیل کے لیے آپس میں مل جاتے ہیں۔ میں نے حیاتیات کے مطالعہ میں کافی وقت گذارا ہے اور حیاتیات، زندگی کے مطالعہ کے لیے بہت بڑی جولان گاہ ہے اور اللہ کی مخلوقات کا مطالعہ انتہائی دلچسپ ہے۔ ذرا سڑک کے کنارے اُگے ہوئے بریم ہی کو دیکھیے۔ انسان کے بنائے ہوئے تمام آلات اور مشینیں بھی اس حقیر سے پودے کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ یہ ایک زندہ مشین ہے جو شب و روز مصروف عمل ہے اور ہزاروں کیمیائی اور طبعی حالات سے گذر رہی ہے ۔۔۔ اور یہ تمام عمل پروتوپلازم کے ماتحت ہو رہا ہے۔ وہ مادہ جو تمام کائنات کی ترکیب میں شامل ہے۔

یہ زندہ اور پیچیدہ مشین آخر کس طرح پیدا ہوگئی؟ ظاہر ہے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صرف اس پودے کو پیدا ہی نہیں کیا۔ بلکہ اسے زندگی بھی بخشی اور اسے اپنے وجود کی حفاظت کا سلیقہ دیا کہ وہ اپنے تمام خواص اور میراث کے ساتھ ہر آنے والے زمانے میں اپنے وجود کو برقرار رکھے اور اپنے آپ کو دوسرے نباتات سے ممتاز رکھ سکے ۔۔۔۔

زندگی کی کثرت کا مطالعہ زیادہ دلچسپ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے۔"

یہاں ہم نے بطور مثال چند اقتباسات نقل کر دیئے ہیں اور یہ سارے اقتباسات صرف ایک کتاب سے لئے گئے ہیں۔ جو اللہ پر ایمان و یقین سے پُر ہے۔ اگرچہ ان میں سے اکثر تصورات پر جاہلیت کی پرچھائیں صاف معلوم ہوتی ہے۔

غرض یہ ہیں سائنس دانوں کی شہادات ۔۔۔ یہی سائنس دان پہلے انسانیت کو کفر کی طرف لے گئے مگر اب خود اللہ کے وجود کے قائل ہو رہے ہیں۔

موجودہ دور کے مختلف نظامہائے زندگی کی تباہی بھی انسانیت کو اسلام کی طرف لے جانے والی ہے۔ سرمایہ داری نظام دنیا کے اکثر حصے میں پامال ہو چکا ہے اگرچہ امریکہ میں ابھی تک موجود ہے

لیکن وہاں بھی دم توڑ رہا ہے —— سرمایہ داری کے زوال کا سبب تاریخ کی مادی اور اقتصادی جبریت نہیں بلکہ اللہ کی سنت ہے —— اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ اس نظام کی برائیاں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں۔ اس لئے اب اسے ختم ہو جانا چاہیئے۔ رہ گئی اشتراکیت جو جاہلیت کی نئی پیداوار ہے وہ بھی زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی !!

مارچ ۱۹۶۲ء میں خروشچیف نے کہا تھا کہ اگر تول میں مطلق مساوات کو ختم کرنا پڑے گا۔ پیداوار کی زیادتی کے لیے انفرادی دلچسپی پیدا کرنا ضروری ہے اور اجتماعی کاشت کا طریقہ بہت کم پیداوار کا حامل ہے۔! خروشچیف کے قول کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ یہ مارکسیت ولینینیت سے انکار ہے اور یہ اشتراکیت سے کسی دوسرے نظام کی طرف انحراف ہے۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت یہی دو نظام جاہلیت جدیدہ میں نافذ العمل ہیں۔ اگر یہ بطور فکر اور بطورِ نظام فیل ہو گئے —— خواہ ان کی سیاسی طاقت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو تو کسی نئے نظام کو اس خلا کو پر کرنا چاہیئے —— سیاسی قوت کو مدنظر نہیں رکھا جاتا بلکہ اس "فکر" کو دیکھا جاتا ہے۔ جو سیاسی قوت پر حاکم اور کارزارِ حیات میں اسے کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔

اِسلام — انسانیت کا مستقبل

ان دونوں نظام کے خاتمہ کے بعد نیا نظام اسلام ہی ہو سکتا ہے۔

کیونکہ اب دنیا میں کوئی نظام ایسا باقی نہیں ہے جس کا انسانیت تجربہ کرے — اور جو سرمایہ داری اور اشتراکیت کی طرح انتہا پسند ہونے کے بجائے معتدل ہو — یہ اعتدال کی راہ صرف اسلام ہے — اور اس کے ماننے والے مسلمان ہیں۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ	اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پہلے بھی
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ	اور اس میں بھی تاکہ تمہارے رسول گواہ ہوں
الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ	اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو۔
وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔	

(سورۃ الحج - ۷۸)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً	اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو

وَسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (سورہ البقرہ ۱۴۳)

نہایت اعتدال پر ہے۔ تاکہ مخالف لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول گواہ ہوں۔

یہ بشارتیں اور دلائل ہیں۔ اس بات کے کہ انسانیت اللہ کی طرف رجوع کرنے والی ہے!

مندرجہ بالا نشانیوں کے علاوہ انسانیت کی اللہ کی طرف واپسی پر ایک تاریخی دلیل بھی ہے۔

امریکہ جو جاہلیت جدیدہ کا مرکز ہے۔ جس نے ایشیا اور افریقہ میں اسلام کو ختم کرنے کی بے پناہ کوششیں کی ہیں اور اسلام کے خاتمہ کے لیے اپنے تمام تر وسائل کام میں لایا ہے اور اس کے ساتھ صلیبی مکر اور یہودی سازش بھی اسلام کے خاتمہ کے لئے متحد ہو گئے ہیں۔ اسی امریکہ — اور جاہلیت کے گڑھ میں ایک زندہ و متحرک اسلامی تحریک بیدار ہو رہی ہے۔ جو اسلامی نظام کے قیام کی خواہاں ہے یہ جاہلیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تمسخر ہے اور جاہلیت کا استہزا ہے کہ صلیبی فریب اور یہودی سازش نے عالم اسلام میں اسلام کے خلاف جنگ برپا رکھی — اور ہر تحریک اسلامی کو کچل ڈالا اور یہ سمجھنے لگے کہ ہم نے اسلام کو اس کے تقلیدی وطن میں کچل ڈالا ہے۔ اور اب اسلام میں دم نہیں رہا کہ وہ کسی وقت جاہلیت کے مقابلہ پر آ سکے — تو جاہلیت کے متوالے فرحاں و شاداں اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے اور اپنی کامیابیوں پر خوشی سے ہاتھ ملنے لگے۔

لیکن اچانک خود ان کے گھر میں ایسی مصیبت آئی کہ ان کے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کس طرح چھٹکارہ پائیں۔

مسلمانوں کو ہر قسم کی تکلیفیں قید و بند کی صعوبتیں دی گئیں اور مسلمانوں کو اس ماحول میں جکڑنے کی پوری پوری کوششیں کیں جو انہوں نے مسلم ممالک پیدا کئے تھے۔ لیکن اب خود ان کے ملک میں اسلام کی آواز سنائی دی جا رہی ہے۔ یہ ہے اللہ کا مذاق جاہلیت کے ساتھ ! —

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ (آل عمران ۵۴)

اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی۔ اور اللہ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا

کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں حالانکہ

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۔ (الاعراف ۔ ۹۹) — اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔

مندرجہ بالا بیان سے آپ یہ بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے ۔ !
جاہلیت کے متوالے اس خیال میں ہیں کہ انہوں نے اللہ کے دین کو زمین سے ختم کر دیا ہے۔
اور انہوں نے دین کا تصور بھی ناممکن بنا دیا ہے لیکن انسان اللہ کے دین پر حکمران نہیں ہو سکتے !
اور جو لوگ جاہلیت کے گڑھے میں زندگی گذار رہے ہوں اور جاہلیت کے تمام زہر پی چکے ہوں، وہ اچانک مسلمان ہو جائیں ۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے انسانیت کو ہدایت پر لانے کی ایک مثال ہے ۔
بہرحال مستقبل کا انسان یقیناً اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے ۔

اور یہ امر اللہ کے لیے بالکل آسان ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے راستے کی طرف ہدایت عطا فرمائے۔ جیسا کہ ہم اخبار و رسائل میں اس قسم کی خبریں دیکھ رہے ہیں کہ لوگ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کی طرف آرہے ہیں ۔
جاہلیت کے ہر قسم کے مکر کے باوجود یہ کام اللہ پر بالکل آسان ہے ۔
جاہلیت کے مکر و فریب اللہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے !

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۔ — اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

عالم اسلام میں بسنے والے نام نہاد مسلمان اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا پشتارہ لادے ہوئے پیش ہوں گے ۔ !

دین کے بارے میں کاہلی برتنا صالح معاشرے کے قیام کے لئے عملی جد و جہد نہ کرنا ۔ جاہلیت کی اتباع کرنا ۔ زندگی کا جاہلی مفہوم اختیار کرنا اور دین کے بارے میں جاہلیت کے پہنائے ہوئے معانی کو اختیار کرنا امت مسلمہ کے لیے عظیم گناہ ہیں کہ وہ اللہ کے عذاب سے کسی صورت نہیں بچ سکتے !

مستقبل میں مسلمانوں کے اس گناہوں کے پشتارہ کا بوجھ اور بھی بڑھ جائے گا ۔ جب انسانیت تو اللہ کے راستے کو اپنا رہی ہوگی اور عالم اسلام کا نام نہاد مسلمان ۔ اسی طرح ذلت و جہالت کا شکار

ہوگا! جی ہاں! اسلام برپا ہوگا اور مسلمان اسی طرح ذلت و مسکنت جہالت اور کمزوری کا شکار ہوں گے:

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا	اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں مٹا کر تمہاری جگہ
النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ	ایک نئی قوم لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر
وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا	قادر ہے۔ (النساء - ۱۳۳)

یہ نام نہاد مسلمان مستقبل میں عار و شرمندگی کا شکار ہوں گے۔ جب یہ دیکھیں گے کہ دوسری اقوام اللہ کے دین کو قائم کرنے اٹھ رہی ہیں اور یہ بدستور ذلت و مسکنت کا شکار ہیں!

اب خواہ یہ مسلمان جماعت خواب غفلت سے بیدار ہو یا یہ غفلت موت کی غفلت سے بدل جائے!

خواہ دین کے مقابل قوتیں، دین کا مقابلہ چھوڑ دیں یا مقابلہ زیادہ سخت اور کٹھن ہو جائے!

انسان اللہ کی طرف لوٹ کر رہے گا! مستقبل کا انسان پکا سچا مومن ہوگا!

جتنا آج کفر پھیلا ہوا ہے۔ جس قدر عذاب الیم میں آج کی انسانیت مبتلا ہے ۔ اور ۔ جس قدر طاغوتی تاریکیاں ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیئے ہوئے ہیں ۔ اسی قدر مستقبل اللہ کے نور سے روشن ہو جائے گا! اور اس نور کی کرنیں، جاہلیت کی تاریکیوں میں سے پھوٹنی شروع ہو چکی ہیں! یقیناً کل اللہ کا دین روشن ہونے والا ہے۔

خواہ ہم اپنی مختصر سی عمر میں اللہ کے دین کو پھیلتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، یا ہمارے بعد آنے والی نسل اللہ کے نور کی ٹھنڈک میں آجائے ۔ یہ یقینی ہے ۔ کہ ۔

انسانیت اللہ کی طرف لوٹنے والی ہے۔

اور ۔ پھر انسانیت کا اللہ پر ایمان بہت پختہ اور مکمل ہوگا!

وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ	اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا
كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۔ (الصف - ۸)	اگرچہ کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔